اکابر دیوبند، بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار ونظریات کا بے باک ترجمان

مجلّہ صفدر گجرات



شیخ طریقت ولی کامل شیخ الحدیث حضرۃ

مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ

شیخ الحدیث: جامعہ دار العلوم مدنیہ، بہاول پور

خلیفہ مجاز: حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ [ہڑپہ]

وحضرت مولانا عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ [راولپنڈی]

مدیر اعلیٰ: مولانا جمیل الرحمٰن عباسی ۔ بہاولپور
0301-7790908
مدیر مسئول: احسن خدامی 0333-8765602
مدیر: حمزہ احسانی 0307-5687800

برائے خط وکتابت: مولانا احسن خدامی صاحب
جامع مسجد برکت علی، مدینہ مارکیٹ، ذیلدار روڈ، اچھرہ، لاہور

رسالہ نہ ملنے کی صورت میں، نیز رسالہ لگوانے کے لیے رابطہ کریں
ترسیل ناظم: حافظ محمد طاہر، شیرانوالہ باغ، گوجرانوالہ 0306-6426001

بفیضان
قائد اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

بیاد
امام اہل سنت حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ
شیخ المشائخ، امام الاولیاء مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ
مفسر قرآن مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتی رحمہ اللہ
فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
ترجمان اہل سنت حضرۃ مولانا نذیر اللہ خان رحمہ اللہ
فخر اہل سنت حضرت مولانا عبداللطیف جہلمی رحمہ اللہ
شہید اسلام حضرۃ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ
امین ملت حضرۃ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ
وکیل صحابہ حضرۃ مولانا علامہ علی شیر حیدری شہید رحمہ اللہ
محقق اہل سنت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ

بدعا
وکیل صحابہ حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی مدظلہ
حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ

زیر سرپرستی
جانشین قائد اہل سنت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہ
جانشین فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہ
امام الصرف والنحو، نمونہ اسلاف مولانا محمد حسن مدظلہ
جانشین شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مدظلہ

زیر نگرانی
جانشین امین ملت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہ

مجلس مشاورت
مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی — مولانا منظور احمد نعمانی
مولانا نور محمد تونسوی...... — مولانا قاری عبدالرحمٰن ضیاء
مولانا مفتی جمیل الرحمٰن...... — مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ
جناب اشتیاق احمد...... — مولانا مفتی رب نواز
مولانا ندیم الرشید...... — مولانا احمد طاہر

فی شمارہ: 20......زر سالانہ: 240 روپے
خاص شمارہ: رعایتی ہدیہ 100 روپے

جمیل الرحمٰن جمیلؔ عباسی

میرے محسن! دلربا

میرے استاذِ گرامی! میرے محسن! دلرُبا — شیخ میرے! تیری فرقت کا ہے غم بے انتہاء

ذکرِ باری سے تر و تازہ رہی تیری زباں — سنتِ نبوی کا مظہر تھی تری ہر اِک ادا

مسلکِ احناف تھے کے ترجمانِ بے خطر — تیری عظمت کے ہیں چرچے کوبکو اور جابجا

قاسمؒ وگنگوہیؒ، مدنیؒ تھانویؒ کی یادگار — قانع وخود دار وحق گو، حق پرست وحق نوا

نورِ عرفاں سے منور کردیئے کتنے قلوب — ہوگیا تیری بدولت اِک زمانہ پُرضیاء

تھے سراپا دلکشی اور پیکرِ اخلاق تھے — دھیمی دھیمی گفتگو تھی اور لہجہ رس بھرا

دینِ نبوی کی اشاعت میں گزاری زندگی — عمر بھر دیتے رہے ہیں قالَ قالَ کی صدا

ترمذی، مسلم، بخاری کے سبق تھے کیا ہی خوب! — آخری دم تک پڑھائی ہے حدیثِ مصطفیٰ

معرفت کے جام جو ساقی پلاتے تھے کبھی — اب نظر آتے نہیں وہ، کچھ بتاؤ! کیا ہوا؟

اب تلک ہے نوحہ گر مسند حدیث وفقہ کی — آکے ہوجاؤ! خدارا، پھر سے یاں جلوہ نما

غمزدہ رہتا ہے ہر دم اب جمیلؔ اشکبار — پوچھتا تھا کون اس کو، شیخ! کب، تیرے سوا؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیام صفدر — مدیر اعلیٰ کے قلم سے

شیخ الحدیث مولانا محمد حنیفؒ صاحب کا سانحہ ارتحال

12 اکتوبر 2012ء، ۲۷ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ بروز جمعۃ المبارک بعد نماز مغرب جید عالم دین، بلند پایہ شیخ طریقت، جلیل القدر محدث، دار العلوم کبیر والا کے قابلِ فخر خریج، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، حضرت مولانا عبد الخالقؒ وغیرہ کے مایہ ناز شاگرد، دار العلوم مدنیہ بہاولپور کی مسندِ حدیث کے صدر نشین، میدانِ تدریس کے یگانۂ روزگار شہسوار، ہزاروں علماء کے مقبول ترین استاذ، بحرِ تصوف کے نابغۂ عصر شناور، مسلک احناف کے بے لوث محافظ، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے بے باک مجاہد، نمونہ اسلاف حضرت مولانا محمد حنیف صاحب (شیخ الحدیث دار العلوم مدنیہ بہاولپور) 75 سال کی عمر میں ۔

ہم بے چاروں کو تڑپتا چھوڑ کر
سوئے حق راہی ہوئے منہ موڑ کر

13 اکتوبر بروز ہفتہ گیارہ بجے دوپہر مرکزی عیدگاہ بہاولپور میں حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب، مدظلہٗ (مدیر دار العلوم مدنیہ بہاولپور) کی اقتداء میں ہزاروں علماء، حفاظ، طلباء اور عوام نے آپ کی نماز جنازہ ادا کی اور پھر علم و عمل کے اس آسمان کو "ون یونٹ" کے قبرستان میں آپ کے شاگردوں، مریدین اور متعلقین نے آہوں اور سسکیوں کے ساتھ زیرِ خاک سلا دیا، آپ نے پسماندگان میں بیوہ، دو بیٹے، ایک بیٹی اور ہزاروں تلامذہ و متعلقین چھوڑے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے متنوع اوصاف حسنہ کا مرقع بنایا تھا، عزم و ہمت، جرأت و بے باکی، قوت عمل، ایمانی فراست، ملی و سماجی شعور، احقاقِ اور ابطالِ باطل آپ کے طغرائے امتیاز تھا، آپ کی رحلت کے بعد آپ کے پاکیزہ افکار کو عام کرنا، آپ کے نظریات سے نسلِ نو کو آگاہ کرنا اور آپ کی خدمات سے قوم کو روشناس کرانا حضرت کے تمام متعلقین کی ذمہ داری ہے، اسی ذمہ داری سے بساط بھر سبکدوش ہونے کے لیے ماہنامہ "صفدر" نے "شیخ الحدیث نمبر" نکالنے کا فیصلہ کیا ہے، تاکہ آپ کی سوانح زندگی اور ملی خدمات کے مختلف پہلو محفوظ ہو جائیں اور آنے والی نسلوں کے لیے اور مشعلِ راہ ثابت ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

اظہارِ تشکر

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ محض اس کی توفیق اور مدد سے حضرت شیخ رحمہ اللہ کے سوانح پر مشتمل ماہنامہ ''صفدر'' گجرات کی خصوصی اشاعت بالکل مختصر عرصہ میں قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس بضاعۃ مزجاۃ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائیں اور حضرت شیخ رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی کو ہمارے لئے نقوش پا بنائیں۔ آمین

ظاہری اسباب میں یہ مبارک پیش کش برادرِ مکرم مخدوم زادہ مولانا سرفراز حسن خان حمزہ (مدیر ماہنامہ ''صفدر'' گجرات) کی انتھک کاوش اور جہدِ پیہم کی مرہونِ منت ہے، مضامین حاصل کرنے کی کوشش، کمپوزنگ کا تھکا دینے والا کام، تصحیح کی مشقت، طباعت کے مراحل، غرض بقول کیفی مرحوم

ستاروں کا ڈوبنا، شمع کا بجھنا، شبنم کا رونا بہت سے مرحلے ہیں صبح کے ہنگام سے پہلے

والی صورتِ حال کا سامنا کرنے کے بعد یہ خصوصی نمبر منظر عام پر آ رہا ہے، اللہ تعالیٰ حمزہ بھائی کو اپنی طرف سے بہت ہی جزائے خیر عطا فرمائیں آمین۔ یقیناً اس کاوش کا سہرا حمزہ بھائی کے سر ہی سجتا ہے۔

اس موقع پر ہم حضرت الاستاذ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہم (مدیر دار العلوم مدنیہ بہاولپور) کے انتہائی شکر گزار ہیں جنہوں نے اس کاوش کی مکمل سرپرستی فرمائی اور ہماری حوصلہ افزائی فرمائی۔ حضرت شیخ کے صاحبزادگان حافظ انیس احمد صاحب اور پروفیسر عبد العزیز صاحب کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے خاص ایڈیشن کے لیے مضامین خود بھی لکھے، دوسرے متعلقین سے بھی لکھوائے اور مالی تعاون بھی فرمایا، استاذ مکرم حضرت مولانا عبد الصمد صاحب کے بھی ہم ممنون ہیں جنہوں نے مضمون بھی لکھا، مالی تعاون بھی فرمایا اور بھرپور حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ آخر میں بالخصوص ان حضرات کے انتہائی شکر گزار ہیں جنہوں نے قیمتی وقت نکال کر مضامین قلمبند فرمائے اور خصوصی اشاعت کے معیاری اور وقیع بنانے میں کردار ادا کیا۔ خصوصاً دار العلوم مدنیہ کے اساتذہ نے جو اس کارِ خیر میں حوصلہ افزاء کردار کیا ہے، ان کا بہت بہت شکریہ۔ جمیل الرحمٰن عباسی غفرلہ......۲ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ......17 نومبر 2012ء

مرتب کے قلم سے

عرضِ خادم

12 اکتوبر 2012ء بروز جمعۃ المبارک، عصر کے بعد مجلّہ ''صفدر'' شمارہ نمبر 21 (نومبر 2012ء) کی فائنل سیٹنگ کر کے مطمئن ہوا، اور ارادہ تھا کہ کل ان شاء اللہ (13، اکتوبر بروز ہفتہ) اس کے ٹریسنگ نکلوا کر طباعت کے لیے لاہور روانہ کر دوں گا۔

اسی روز عشاء کی نماز کے بعد دار العلوم مدنیہ کے دار القرآن میں حسب سابق ''ختم خواجگان'' کے بعد ''علیکم بسنتی'' کی تعلیم ہوئی، آخر میں دُعا کے ہاتھ اُٹھائے ہی تھے کہ ایک طالب علم نے اعلان کیا کہ: ''استاد شیخ الحدیث صاحب انتقال فرما گئے ہیں، اُن کے لیے دُعا فرمائیں۔'' یہ خبر سنتے ہی دل غمزدہ اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں، زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون جاری ہو گیا۔

اگلے روز استاذِ محترم کی تدفین سے فراغت کے بعد مجلّہ ''صفدر'' میں آپؒ کی وفات اور آئندہ شمارے میں خصوصی مضامین کا مختصر سا ''اعلان'' لگا کر رسالہ طباعت کے لیے روانہ کر دیا۔

دو چار دن ہی گزرے تھے کہ ''صفدر'' کے مدیر اعلیٰ مولانا جمیل الرحمٰن عباسی مدظلہ نے استاذِ محترم کی یاد میں صفدر کے ''خاص نمبر'' کی تیاری کا حکم دیا۔ تعمیل حکم میں بندہ نے مدیر اعلیٰ صاحب سے راہ نمائی لے کر مضامین کے حصول میں تگ و دَو شروع کر دی۔ عید قربان کی تعطیلات بھی اسی کاوش کی نذر ہو گئیں۔ ارادہ تھا کہ تعطیلات میں جس قدر مواد جمع ہو جائے، وہ ہم شائع کر لیں۔ اور محرم الحرام میں ''صفدر'' کا خصوصی شمارہ شائع ہو کر عوام الناس کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔ بعد میں دار العلوم مدنیہ کے ترجمان مجلّہ ''المصطفیٰ'' کا تفصیلی، جامع اور مؤقر ''خصوصی نمبر'' شائع ہو۔

اسی جدوجہد میں بندہ نے عید کی تعطیلات میں گمانی شریف، اور ظاہر پیر و ترنڈہ وغیرہ کا سفر کیا اور حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کے اساتذہ، احباب، تلامذہ و متعلقین کی خدمت میں حاضری دی، آپؒ کے مادرِ علمی کی بھی زیارت نصیب ہوئی۔

جن حضرات سے مضامین کی گزارش کر رکھی تھی اور ہم مسلسل رابطہ کے ساتھ منتظر تھے، الحمدللہ اُن میں سے اکثر کے مضامین موصول ہو چکے ہیں، چند ایک حضرات کے مضامین گو تا حال موصول نہیں ہو سکے، مگر بوجوہ تاخیر کی گنجائش نہیں، اس لیے انہی پر اکتفا کرتے ہوئے بنام خدا اسے قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔

حضرت استاذ شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی تدفین 13 اکتوبر کو ہوئی، مجھے ''خاص نمبر'' کی تیاری کا حکم تقریباً 15/16 اکتوبر کو ملا، اور آج جب یہ سطور لکھ رہا ہوں تو 14 نومبر ہے۔ گویا تقریباً ایک ماہ کے قلیل عرصہ میں جو ہم سے ہو سکا وہ پیشِ خدمت ہے۔

ہم یہ دعویٰ تو نہیں کرتے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کے تمام یا اکثر حالات یا ان کی سوانح عمری یا اُن کی جملہ خدمات کا تذکرہ آ گیا ہے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ اس مختصر ترین وقت میں ہماری طرف سے اپنی عقیدت ومحبت کے اظہار کی ایک عمدہ صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اس خصوصی نمبر کی تیاری کے دوران حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم، حضرت الاستاذ مولانا عبد الصمد مدظلہم کی سرپرستی، دعائیں، توجہات، قیمتی مفید مشورے اور تعاون حاصل رہا جو اس کی بروقت تکمیل میں مدد ومعاون ہوا۔

مضامین لکھ کر دینے والے، یا لکھوانے والے یا موقع بموقع زبانی معلومات کی صورت میں مواد فراہم کرنے والے تمام ہی حضرات فرداً فرداً خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔ اسی طرح کمپوزنگ، پروف ریڈنگ اور تصحیح وترتیب میں تعاون کرنے والے تمام ساتھی بھی لائق شکریہ ہیں۔ اللہ رب العزت سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اور اس خصوصی اشاعت کو استاذِ محترم کے متعلقین کے لیے ''نشانِ راہ'' بنا دے۔ آمین، بجاہ النبی الکریم

خادم اہل سنت حمزہ احسانی......مدیر: مجلّہ صفدر

14 نومبر 2012ء بروز بدھ......۲۸ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ

حال مقیم: دار العلوم مدنیہ، بہاول پور

☆......☆......☆......☆

شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ

درسِ قرآن

نوٹ: حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ مجلّہ ''نورِ بصیرت'' کے لیے درسِ قرآن لکھواتے تھے۔ ہمارا ارادہ تو تھا کہ تعوذ، تسمیہ اور سورۃ فاتحہ کا مکمل درس اس خصوصی اشاعت کی زینت بنایا جائے، لیکن ''نورِ بصیرت'' کا مکمل ریکارڈ نہ مل سکا۔ لٰہذا جو شمارے دستیاب ہو سکے، ان کی اقساط قارئین کی نذر ہیں۔ [ادارہ]

(قسط ١)

الحمدلله وحده والصلوة والسلام علی من لانبی بعده . اما بعد . اعوذ بالله من الشیطان الرجیم میں پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ شیطان مردود سے۔

وجہ تقدیم اولیٰ: ۔قرآن مجید میں ہے **اذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشیطان الرجیم** کہ جب تو قرآن پڑھے تو **اعوذ بالله من الشیطن الرجیم** پڑھ اور **بسم الله الرحمن الرحیم** قرآن ہے اس لیے تعوذ تسمیہ سے قبل پڑھا جاتا ہے۔

وجہ تقدیم ثانی: ۔تسمیہ میں برکت حاصل کرنا ہے جو نفع ہے اور تعوذ میں شیطان مردود کے شر سے پناہ مانگنا ہے جو ضرر سے بچنا ہے اور یہ مسلم ہے **دفع الضرر اهم من جلب المنفعة** جیسے دکاندار کپڑا بیچ رہا ہے اور گاہک پانچ ہزار کا کپڑا لینا چاہتا ہے، لیکن فون آ جاتا ہے کہ تیرے گھر کو آگ لگ گئی ہے تو دکاندار فوراً دکان بند کر کے چلا جائے گا تاکہ آگ بجھائی جائے، کیونکہ دفع ضرر اہم ہے جلب منفعت سے۔

وجہ تاثیر: ۔دشمن دو قسم کے ہیں ظاہر جیسے کفار، ان سے بچنا آسان ہے، ایک دشمن پوشیدہ ہے جیسے شیطان، اس سے بچنا مشکل ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے بچاؤ کا طریقہ سکھایا ہے کہ تعوذ کر لو، شیطان سے بچ جاؤ گے، لیکن تعوذ ایک چھوٹا جملہ ہے اتنے بڑے دشمن سے کیسے بچاؤ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تعوذ میں تاثیر رکھدی ہے جو تیر سے زیادہ اس کو لگتا ہے اور بھاگ جاتا

ہے،اوراس کی مثال یہ ہے کہ دو بچے کھیل رہے تھے بڑے بچے نے چھوٹے بچے کو مارنے کا ارادہ کیا تو بچے نے ابا کہا تو بڑا بچہ بھاگ گیا، وجہ یہ ہے کہ اس بڑے بچے کو تین علوم بداہتہ حاصل ہو جاتے ہیں۔ا۔کہ اس کا باپ بڑا ہے۔۲۔ بیٹے نے بلایا ہے،۳۔وہ فوراً آ جائے گا۔ مجھے مارے گا تو وہ بھاگ جاتا ہے،ایسے ہی شیطان کو تین علوم حاصل ہو جاتے ہیں،ا۔اللہ مجھ سے بڑا ہے،۲۔ بندہ نے اس کو پکارا ہے،۳۔اللہ اس کی مدد کو پہنچ جائے گا،اس لیے شیطان تعوذ سنتے ہی بھاگ جائے گا،اس لیے تعوذ کو پہلے پڑھنے کا حکم ہے۔

(**قسط ۲**) حل مفردات۔

اعوذ عوذ سے مشتق ہے اور العوذ کا معنی ہے **الا لتجاء لدفع المضرۃ** یعنی مضرت کے ہٹانے کی درخواست کرنا اس کا مقابل ہے **اللوذ معنی التجاء طلب المنفعۃ** یعنی فائدہ حاصل کرنے کی درخواست کرنا، متنبّی کا شعر ہے **انی الوذ بہ مما اوملہ واعوذ بہ مما احاذرہ** معنی: میں التجاء کرتا ہوں ممدوح کے ساتھ ان چیزوں کی جن کی میں اس سے امید کرتا ہوں اور میں التجاء کرتا ہوں اس کے ساتھ ان چیزوں سے جن کا میں اس سے خوف کرتا ہوں معلوم ہوا کہ امید کے موقع پر لوذ اور خوف کے موقع پر عوذ استعمال کیا جاتا ہے لفظ اللہ کی تفصیل وتشریح بسم اللہ میں آئیگی۔

شیطان۔شطن (ض) سے ہے اس صورت میں نون اصلی ہوگا، **بروزن فیعال شطن** کے معنی بعد ہے یعنی دور ہونا شیطان ملاء اعلی سے بعید، اللہ کی رحمت سے بعید اور انسان کی محبت سے بعید ہے اور اس صورت میں شیطان منصرف ہے، یا شاط یشیط سے اس کا معنی ہے احتراق بمعنی جلنا کیونکہ شیطان انسان سے غضب اور حسد میں جلتا ہے اس صورت میں نون زائدہ ہے **بروزن فعلان** اور غیر منصرف ہے۔

الرجیم۔رجام بروزن فعال سے اس کا معنی پتھر ہے، رجیم کا معنی سنگسار کیا ہوا، شیطان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نکال دیا گیا ہے، جیسے کسی کتے کو پتھر مار کر نکال دیا جاتا ہے۔

غالبا ترجمہ رجم کے حروف سے اس لیے لیا گیا ہے کیونکہ سنگساری سے اظہار حالت مرجوم ہوتا ہے، جس پر پتھراؤ کیا جاتا ہے اس کی پوشیدہ حالت کا اظہار ہو جاتا ہے اور ترجمہ میں بھی یہی بات ہے کہ جو بات مخفی ہوتی ہے وہ ترجمہ کے ذریعے ظاہر کی جاتی ہے۔

اعوذ میں جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ چار ہیں: اول مستعیذ یعنی پناہ لینے والا کون ہے دوم: مستعاذ بہ یعنی جس کی پناہ لی جارہی ہے،سوم: متعاذ منہ جس سے پناہ لی جارہی ہے، چہارم: مستعاذ لہ وہ امر جس سے بچاؤ کا انتظام کیا جارہا ہے۔اعوذ میں مستعیذ کا بیان ہے، باللہ میں مستعاذ بہ کا بیان ہے، من الشیطان میں مستعاذ منہ کا بیان ہورہا ہے، مطلب یہ ہوا کہ طالب کون ہے یعنی اعوذ متکلم، کس کی پناہ لی جارہی ہے اللہ کی، لیکن یہاں مستعاذ لہ یعنی وہ امر جس سبب سے پناہ لی جارہی ہے کا ذکر نہیں وہ مستعاذ لہ شیطان کی ایذائیں ہے، اس کے نظر انداز کرنے میں نکتہ ہے یعنی شیطان کی عداوت میں مبالغہ مقصود ہے۔

(**قسط ٤**) تخلیق شیطان کی حکمت

جب عقلی طور پر ثابت ہو گیا کہ شیطان کا وجود ہے، تو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ایسی اخبث شئے جو محض شر ہے، اور جس سے کوئی نفع وابستہ نہیں، اس کی تخلیق کی کیا حکمت ہے؟ آخر خدا تعالیٰ جو اتنا بڑا حکیم ہے اس نے منبعِ شر کو کیوں پیدا کیا؟ جس نے تمام دنیا کو معصیت اور برائی پر آمادہ کیا، اور بہت بڑی گمراہی پھیلائی، واضح رہے کہ یہ مسئلہ اسلام میں بہت پیچیدہ ہے، اس لئے بزرگوں سے منقول ہے کہ ایسے مسائل میں ہاتھ نہ ڈالنا چاہیے، لیکن ہم جس زمانے میں رہتے ہیں مجبور ہیں کہ اپنی بے بضاعتی کے باوجود اس حکمت کو بیان کریں کیونکہ ہم منبع شر کی تخلیق میں کوئی حکمت ثابت کر دیں تو کسی اور مخلوق کی تخلیق کی حکمت کا سوال عبث ہو جاتا ہے، کیونکہ اخبث مخلوق یہی ہے، اب اس میں کئی حکمتیں بیان کی جاتی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ مدار انسانی حب الٰہی پر ہے اور محبتِ الٰہی کا جذبہ انسان میں بار بار پایا جاتا ہے اور دیگر مخلوقات میں نہیں پایا جاتا، یہ یاد رہے کہ انسان کا شرف حب الٰہی ہے اور حب الٰہی کا مظہر شریعت ہے اور شریعت مامورات اور منہیات کا نام ہے۔ تکمیل محبتِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ محبوب اور انسان محبّ ہے، دونوں میں رابطہ محبت ہے، وہ شریعت ہے، اب انسان اس کی پسند کے مامورات بجالائے گا اور اس کی ناپسند یعنی منہیات کو ترک کریگا، اور محبت قلب (دل) کا ایک پوشیدہ جذبہ ہے، اب یہ کیسے معلوم ہوگا کہ انسان کو اللہ سے محبت ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ جب انسان شریعت پر ہے تو اس کی محبت سچی ورنہ جھوٹی، اور یہ کوئی منطقی اور عقلی چیزیں نہیں بلکہ قرآن میں ارشاد ہے ''**قُل اِن کُنتم تحِبونَ اللہَ فَا تبِعونِی یُحبِبکم اللہ**'' جب ہم شریعت پر چلیں گے تو محبّ ہوتے

ہوئے خود محبوب خدا بن جائیں گے تو معلوم ہوا کہ اتباع شریعت محبت الٰہی کیلئے مظہر ہے اور جو شریعت پر چلے گا تو اسے محبت ہے ورنہ اسے محبت نہیں، اسی مضمون کو اس شعر میں بیان کیا گیا ہے:

تَعصِی الاله وَانتَ تظهر حبه ۔۔۔ هٰذَالِعمَرِی فِی الفِعَالِ بَدیع'

لَو کَانَ حبکَ صَادِقًالَا طعته' ۔۔۔ لانَ المحب لِمَن یُحب مطِیع'

(ترجمہ) خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کی محبت کا اظہار بھی کرتا ہے میری زندگی کی قسم! یہ عجیب کام ہے، اگر تیری محبت سچی ہوتی اللہ تعالیٰ سے تو تُو اس کی اطاعت کرتا اس وجہ سے کہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی بات مانتا ہے''

تو معلوم ہوا کہ تکمیل انسانی کیلئے تکمیل محبت ضروری ہے، اگر محبت الٰہی کاملہ ہوگی تو انسان کامل ہوگا ورنہ نہیں، یہ دنیا کا عالمگیر فلسفہ ہے ''**الشئی اذاتحقق مع الموانع کان اکمل**'' اس کی وضاحت ایک مثال سے کی جاتی ہے کہ فروسیت یعنی شہسواری ایک فن تھا، اب تو موٹر اور کاروں کی وجہ سے اس کا رواج کم ہوگیا، ورنہ اس فن پر مستقل تصانیف ہیں، خلاصہ یہ کہ جب علم فروسیت کے تحت کسی کو شاہسوار بنانا ہے، تو چونکہ اس کی تکمیل تدریجی ہے اس لیے پہلے پہل گھوڑے پر زین رکھی جاتی ہے اور لگام ڈالی جاتی ہے اور آدمی کو اس پر سوار کیا جاتا ہے۔ اور گھوڑے کو دوڑایا جاتا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ زین ہٹا کر صرف لگام ڈال کر دوڑایا جاتا ہے اور ننگی پشت ہوتی ہے، جب اس میں کامل ہوجاتا ہے تو تیسرا درجہ یہ ہوتا ہے کہ زین کے ساتھ لگام بھی اتار لی جاتی ہے چوتھا درجہ یہ ہے کہ زین اور لگام دونوں اتار لی جاتی ہیں تو چھوٹی دیوار سے کودنے کو کہا جاتا ہے تو پکا شاہسوار بن جاتا ہے، اور اس کو سند فروسیت دیدی جاتی ہے۔ اس سے ہم نے یہ سمجھا کہ فروسیت کا ملکہ پیدا کرنے کیلئے زین اور لگام ہٹا دی جاتی ہے اور چھوٹی دیواریں قائم کی جاتی ہیں درحقیقت یہ سب موانع ہیں اور ان موانع کو تکمیل ملکات کیلئے ضروری ٹھہرایا جاتا ہے۔

اسی طرح یہاں بھی ایک گھوڑا ہے، وہ بدن ہے، اور ایک سوار ہے، وہ روحِ انسانی ہے دیوار شیطان ہے اور شرک شریعت ہے اور شیطان ایک قسم کی رکاوٹ ہے جس کو ہم نے چھلانگ لگا کر پار کرنا ہے وہ شریعت پر چلنے والوں کیلئے ایک قسم کی رکاوٹ ہے شیطان نے کہا تھا ''**فبما اغویتنی لاقعدن لهم صراطک المستقیم**'' اور یہ یقینی بات ہے کہ تکمیل انسانیت کا ثمرہ جنت اور تحصیل

رضاء الٰہی ہے اور جس وجود اور قوت پر تحصیل رضا وحصول جنت کا دارومدار ہو تو اس کی تخلیق کتنی پُر از حکمت ہوگی اور لاکھوں اولیاء صالحین اور ابرار کی تکمیل شیطان کی وجہ سے ہے، یہ اپنی ذات کے اعتبار سے جو کچھ بھی ہو ہمارے لیے باعث نفع ہے۔

(**قسط ٦**) تخلیق شیطان کی حکمت ثالثہ:

اعتیاد المجاهده یعنی مجاہدہ کا خوگر بنانا۔ نکما آدمی نہ دین کا ہوتا ہے نہ دنیا کا۔ قرآن پاک میں ہے **فمن جاهد فانما یجاهد لنفسه** پس جو مجاہدہ کرتا ہے وہ اپنے لیے مجاہدہ کرتا ہے۔ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کی تخلیق کی ہے اور مومن کے سامنے دین کا عظیم دشمن کھڑا کیا ہے، جب معصیت کی بات انسان کے دل میں آئے تو بات کو شیطان کی طرف سے منسوب کرے اور مشقت کر کے اس کو ہٹائے، اسی طرح سے مومن کی زندگی مسلسل جہاد بن جائے گی کہ وہ شیطان ہر وقت ساتھ ہے تو وہ اس خیال سے ہر وقت مجاہدہ میں رہتا ہے یعنی شیطان کے وجود نے انسان کی زندگی کو مسلسل جہاد بنا دیا ہے، کیونکہ کفار کے ساتھ لڑائی کا موقع کبھی کبھی آئے گا، اب شیطان کی وجہ سے وہ ہر وقت جہاد میں مصروف رہے گا۔

حکمۃ رابعه:

یہ ہے کہ انسان کے اندر ایک حکومت ہے جس کو حکومت صغریٰ کہا جاتا ہے اور حکومت صغریٰ کا معاملہ قوت وضعف میں حکومت کبریٰ جیسا ہے، حکومت کبریٰ جیسے تمام دنیاوی حکومتیں ہیں اور حکومت صغریٰ انسان کے اندر ہے، انسان کے وجود کا حکمران روح ہے، حواس ظاہرہ اور باطنہ وزراء ہیں اور اعضاء انسانی رعیت ہیں اور اس چھوٹی سی حکومت کو ''نفسی حکومت'' اور حکومت کبریٰ کو ''آفاقی حکومت'' کہتے ہیں۔ جیسے پاکستان کی حکومت یا بھارت کی حکومت وغیرہ۔ حکومت کبریٰ کے استحکام اور مضبوطی میں مؤثر چیز حکومت قویہ کا وجود ہے۔ مثال کے طور پر پاکستان کے پڑوس میں بھارت کی بجائے خیر پور ریاست یا سورت کی ریاست ہوتی اگرچہ یہ ریاستیں مخالف کیوں نہ ہوتیں مگر پاکستان بلحاظ بری، بحری اور ہوائی طاقت اس درجہ مضبوط نہ ہوتا اور ہم دفاعی بجٹ کے لیے رقم مخصوص نہ کرتے، بلکہ یہ کہا جاتا کہ ہم لغو مقصد پر بیش بہا رقم کیوں صرف کریں؟ لیکن اب ہمارے پڑوس میں بھارت ہے جو ہم سے قوی دشمن ہے، تو اس قوی حکومت کی عداوت نے پاکستان کو مستحکم کرنے کی ترغیب دی اور بری، بحری

اور ہوائی طاقت کا سبب دشمن کا وجود بنا۔

اسی طرح حکومت پر حکومت صغریٰ کو قیاس کرو جب ہم دیکھیں گے کہ ہمارے اندرونی جسم کی مملکت کا قوی دشمن شیطان ہے تو مومن مرد تمام اخلاقی، دینی، عقلی تدابیر سے مسلح ہو کر کوشش کرے گا کہ مجھے تحفظ دین کے لیے اتنا طاقتور ہونا چاہیے کہ شیطان مغلوب نہ کر سکے اور دھوکہ نہ دے سکے۔ یہ اللہ کی حکمتیں ہیں کہ ایک چیز جو بظاہر شر ہوتی ہے لیکن در حقیقت اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے۔ قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) کا مقولہ ہے ''کہ شر انفرادی صورت میں شر ہے، مگر اجتماعی حیثیت سے وہ خیر ہوتا ہے۔ جیسے خال معشوق انفرادی صورت میں یہ خال صرف ایک کالا پن ہے جس میں کشش کی کوئی وجہ نہیں، مگر اجتماعی حیثیت سے وہ بدنما داغ یا دھبہ جو خال کہلاتا ہے حسن کو دوبالا کرنے والی چیز ہے۔'' یہ حقیقت ہے کہ اگر دشمن نہ ہو تو انسان غفلت میں پڑ جاتا ہے اور دشمن کے وجود سے زندگی کی پوشیدہ قوتیں اُبھرتی ہیں۔

(**قسط ۷**) اعوذ باللہ کا اخلاقی اور سیاسی پہلو:

اب اعوذ باللہ کا اخلاقی اور سیاسی پہلو واضح کیا جاتا ہے کہ ہر ایک آیت کا ایک اخلاقی پہلو ہوتا ہے اور ایک سیاسی۔ اعوذ باللہ سے جو اخلاقی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے وہ تصور عداوت شیطان اور صون الدین عن نھبہ (شیطانی حملہ سے دین کی حفاظت) شیطانی خیالات سے بچنے کے لیے ایک مراقبہ ہے جو دس منٹ تک کیا جاتا ہے۔ **ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا انما یدعو حزبہ لیکونوا من اصحاب السعیر** اس آیت کا مراقبہ کیا جاتا ہے۔

اور اعوذ باللہ سے جو سیاسی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے وہ تغلب علی الاعداء (دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنا) ہے کہ مسلمانوں کی ایسی زندگی ہونی چاہیے کہ وہ انفرادی طور پر عدو مخفی (چھپے دشمن) کو مغلوب کرے اور اجتماعی طور پر اعداء ظاہری کو مغلوب کرے۔ تمام غیر مسلم طاقتیں خواہ وہ یہودی ہوں یا ہنود یا نصاریٰ۔ ہمارے دشمن ہیں۔ الکفر ملۃ واحدہ۔ اگر مسلمان یہ تصور کرتا کہ سطح ارض پر صرف دو قوتیں ہیں۔ ایک مسلم دوم کافر اور ہم اگر نتیجہ پر عمل کرتے تو آج ہمیں یہ یوم بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

اسلام نے ہمیں پر زور دعوت دی ہے کہ دشمنوں کو دشمن خیال کرو۔ ہم اس راز کو نہیں مانتے مگر کفار جانتے ہیں کہ مسلمان جب تک متحد اور متفق ہیں ان کو دنیا کی کوئی طاقت مرعوب نہیں کر سکتی۔

اس لیے اب بھی اسلام کے نام سے جو تحریک اٹھتی ہے۔ برطانیہ روس اور امریکہ یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے لئے تو اس میں کوئی نقصان نہیں اور پھر اس میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور مسلمانوں کی کمزوری اس وقت تک ہے جب تک وہ اسلام سے بیزار ہیں اور جب انکا رخ اسلام کی طرف ہوا تو عیسائیت ختم۔ جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام کو شکست دینا بذریعہ اسلحہ آسان نہیں تو انہوں نے علم کے راستے سے اسلام پر حملہ کیا اور ہزاروں کی تعداد میں عربی تعلیم یافتہ بنائے جو اسلام کو نئی روشنی میں ڈھالنے پر مقرر کئے۔ جن کو مستشرقین یورپ کہا جاتا ہے۔ یہ امر مسلم ہے کہ یورپ کی کوئی تحریک غیر سیاسی نہیں۔ یہ لوگ عربی سیکھ کر اسلام کے نام پر لٹریچر شائع کیا کرتے ہیں تاکہ انگریزی خواں طبقہ جو حقیقت اسلام سے نا آشنا ہے اس کو حقیقی اسلام سمجھ لے اور اصل اور خالص اسلام سے دور ہو جائے۔ وہ لٹریچر اس لیے شائع کرتے ہیں تاکہ اسلام میں شکوک وشبہات پیدا کریں اور انگریز مؤرخ پہلے تعریف کرتے کرتے اطمینان دلا کر پھر بعد میں کوئی بات بالکل من گھڑت کر جاتے ہیں۔ بخلاف مسلمان مؤرخ کے۔ وہ چاپلوسی سے کام نہیں لیتا۔ بلکہ برے کی برائی اور نیک کی نیکی بیان کرتا ہے۔

(**قسط ۸**) بسم اللہ کی فضیلت

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا۔ بسم اللہ کے بارے میں تو آپ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہ نام اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم سے اس قدر قریب ہے جیسے آنکھ کی سفیدی اور سیاہی۔ حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر ایسی آیت نازل کی گئی ہے جو کسی نبی پر سوائے سلیمان علیہ السلام کے نازل نہیں ہوئی۔

عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا! کہ جس شخص کو یہ آرزو ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو ملائکہ زبانیہ سے نجات دے۔ ملائکہ زبانیہ دوزخ کے فرشتے ہیں جو انیس ہیں۔ تو اس کو چاہیے کہ بسم اللہ پڑھا کرے۔ کہ اللہ تعالیٰ اس کیلئے بسم اللہ کے حروف میں سے ایک کو ہر زبانیہ سے سپر کر دے گا۔ اس اثر کو ابن عطیہ اور قرطبی نے ذکر کیا۔ ابن عطیہ نے اس کی وجہ یوں بیان کی ہے کہ بسم اللہ میں انیس (۱۹) حروف ہیں اور زبانیہ بھی انیس ہیں۔ پس اس کا ہر ایک حرف ایک زبانیہ کے واسطے سپر ہے۔ جیسے حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے **سمع اللہ لمن حمدہ** کہا تو ایک صحابی نے کہا کہ ربنا ولک الحمد حمدًا کثیراً اطیبا مبارکا فیہ۔ پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا بیشک میں نے بضع وثلاثین

ملائکہ کو دیکھا کہ اس پاکیزہ کلمہ کو لے جانے کے لیے مبادرت کرتے ہیں۔ بضع عربی زبان میں تین سے نو تک بولا جاتا ہے اور ثلاثین کا معنی تیس ہے اس کلمہ کے حروف بھی انتالیس ہیں پس ہر حرف کے بدلے ایک فرشتہ ہوا۔

اسامہ بن عمیرؓ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کا ردیف تھا کہ اتنے میں سواری نے ٹھوکر کھائی تو میں نے کہا تعس الشیطان یعنی شیطان ذلیل وخوار ہو۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لفظ مت کہو کیونکہ جب تو یہ کہے گا تو شیطان پھول کر مکانی کے برابر ہوجائے گا اور کہے گا کہ میں نے اپنی قوت سے بچھاڑا۔ بلکہ تو بسم اللہ کہا کر۔ کیونکہ جب تو نے بسم اللہ کہا تو وہ خوار ہو کر مکھی کی طرح برابر حقیر ہوجاتا ہے۔

بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ بسم اللہ ایک تریاق ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو زہر شیطانی بند کرنے کے لیے عطا فرمایا ہے۔ حتی کہ دنیا کا زہر اور کھانے پینے وغیرہ جمیع اشیاء میں سے اثر شیطانی دور ہوجاتا ہے۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ اول جو چیز جبرئیل، محمد ﷺ پر لائے یہ ہے کہ جبرئیل نے کہا کہ اے محمد کہو **استعیذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم** ۔ پھر کہا کہ کہو **بسم اللہ الرحمن الرحیم** (ماخوذ من تفسیر مواهب الرحمٰن)۔

(قسط ۹) بسم اللہ کی کتابت

بسم اللہ لکھنے میں الف کو حذف کیا جاتا ہے۔ جیسے پڑھنے میں حذف ہے کیونکہ اس کا استعمال بکثرت ہے اور جہاں کثرت نہ ہو وہاں حذف نہیں ہوتا۔ جیسے ''اقرأ باسم ربك'' اور ''بسم الله مجرها ومرسٰها اور قوله تعالىٰ انهٗ بسم الله الرحمن الرحيم'' میں صورتی مشابہت کی وجہ سے حذف ہے۔ اگرچہ یہ صرف ایک مقام ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا ایک شخص نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو صاف حرفوں میں لکھا تو وہ بخشا گیا۔ رواہ البیہقی۔

اور یہ قول بمنزلہ حدیث ہے کیونکہ حضرت علیؓ اپنے قیاس سے ایسا نہیں فرماسکتے، اور حضرت انسؓ نے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے۔ جو شخص اس طرح لکھے، یعنی خوشخط، وہ بخشا جائے گا۔

ابونعیم اور عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عاملوں (گورنروں) کو لکھا کہ تم میں سے جو شخص بسم اللہ لکھا کرے تو الرحمٰن مد کھینچ کر لکھا کرے، زید بن ثابتؓ کے نزدیک مکروہ تھا کہ بسم اللہ اس طرح لکھے

کہ سین کے دندانے ظاہر نہ ہوں، حضرت عمرو بن عاصؓ کے کاتب نے حضرت عمر کو خط میں بسم اللہ بغیر دندانہ سین لکھا تو حضرت عمرؓ نے اس کاتب کو بلا کر مارا، پس جب اسے پوچھا گیا کہ تجھ کو امیر المؤمنین نے کس وجہ سے مارا؟ تو اس نے کہا کہ مجھے سین کے دندانے نہ لکھنے کی وجہ سے مارا، ابن سیرین بھی اس کو مکروہ رکھتے تھے۔ (ماخوذ از تفسیر مواهب الرحمٰن)

حل مفردات:

حضرت اقدس مولانا شمس الحق افغانیؒ نے فرمایا کہ مفسرین نے یہاں اس کے عوامل کے متعلق بہت کچھ کلام کیا ہے۔ کہ اس کا عامل فعل ہو تو مقدم ہو یا مؤخر اور ہمارے نزدیک بہترین صورت یہ ہے کہ عامل فعل ہوگا اور مؤخر بہتر ہے۔ تاکہ حصر پیدا ہوجائے کیونکہ تقدیم ما حقه التاخير يفيد الحصر و التخصيص (جس کا حق مؤخر ہو اس کو مقدم کرنا حصر کا اور تخصیص کا فائدہ دیتا ہے) یعنی بسم اللہ اقرء خاص اللہ کے نام سے قرآن پڑھتا ہوں۔

نکتہ حذف عامل:

راز یہ ہے کہ ابوہریرہؓ کی حدیث ہے ''کل امر ذی بال لم یبدأ ببسم الله فهو ابتر۔ جس کی ابوعوانہ نے تصحیح کی ہے اور ابن صلاح نے اس کی تحسین کی ہے۔ اور تاج الدین سبکی نے اوائل طبقات شافعیہ میں اس کو حسن کہا، اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ کام جو جائز ہو، اس کا آغاز بسم اللہ سے ہونا چاہیے۔ اس حدیث نے یہ تعلیم دی ہے کہ کل افعال جائزہ کے آغاز میں بسم اللہ کہنی چاہیے۔ چونکہ افعال غیر محصورہ ہیں، اگر ہر جگہ فعل کا ذکر کیا جاتا تو کلام میں طوالت کا احتمال تھا، اس لیے فعل کو مقدر کیا گیا۔ اور کام کے مطابق فعل مقدر ہوگا۔ اور ہر فعل اس کے ذکر کرنے کا قرینہ ہوگا۔ مثلا: پڑھنے والا کہے گا: بسم الله اقرأ، اور کھانے والا کہے گا: بسم الله اکل ،یعنی جیسا کام ہوگا، ویسا ہی فعل مقدر کیا جائے گا۔ کوئی خاص فعل متعین نہیں۔

(قسط ۱۰) اسماء باری تعالیٰ

لفظ اسم کا اضافہ:

یہاں لفظ اسم لایا گیا ہے۔ یہ واضح رہے کہ انسانی محکموں میں مختلف حاجات کا تعلق ہر محکمہ کے انچارج سے ہوتا ہے۔ تعلیمی مسائل محکمہ تعلیم کے انچارج کے پاس جائیں گے، گویا یہاں اشخاص پر

تقسیم عمل ہے علیٰ ھٰذا القیاس۔ اور شیخ اکبر نے ''فتوحات مکیہ'' میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت کبریٰ میں اسماء، اشخاص کے قائم مقام ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حیوانات، نباتات اور انسانوں کو جو روزی مل رہی ہے خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی، اس کا تعلق محکمہ خوراک کے انچارج کے بجائے اللہ تعالیٰ کے اسم الرزاق سے ہے۔ جیسے فرمایا ''ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین'' اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسم ''المؤمن'' کے ساتھ ہر امن اور عافیت وسلامتی کا تعلق ہے۔ اسی طرح دفع مظالم کا تعلق اسم المنتقم سے ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں مسائل ترتیب کے لحاظ سے یہ ہیں۔

ذات باری، صفات باری، اسماء باری۔ یہ تینوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک آفتاب ہوتا ہے اور دوسری وہ روشنی جو آفتاب کے جسم کے ساتھ رہے اور تیسری وہ روشنی جو زمین کی سطح پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں تشبیہاً کہہ سکتے ہیں کہ جرم شمس بمنزلہ ذات کے ہے۔ اور وہ روشنی جو سورج کے ساتھ خاص ہے بمنزلہ صفات کے ہے۔ اور وہ روشنی جو زمین پر پھیلی ہوئی ہے۔، بمنزلہ افعال کے ہے۔ اور یہ روشنی نہ اس کا عین ہے نہ غیر۔ اسی طرح صفات باری تعالیٰ نہ عین ذات ہے، نہ غیر ذات ہیں۔ رحمت خداوندی موجود ہے۔ اور پوری کائنات رحمت کا مصداق ہے۔ انسان، حیوان، نباتات، اور علویات وسفلیات یہ سب افعال ہیں۔ یعنی رحمت خداوندی کا مظہر ہیں۔ جس طرح سورج کی دھوپ کا سورج سے تعلق ہے اسی طرح رحمت خداوندی کو ذات سے ہے۔ اور کائناتی وجود رحمت خداوندی کا ظہور ہے۔ ذات کے فعل کا ظہو صفات میں اور صفات کے فعل کا ظہو اسماء میں اور اسماء کا کائنات میں ہے۔

اسماء کی تشریح:

ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے۔ ''ان للہ تسع وتسعین اسماء مائۃ الا واحد فمن احصاھا دخل الجنۃ'' (اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ جو انہیں یاد کرلے جنت میں داخل ہوگا) صرف اس جگہ تک حدیث بخاری اور مسلم میں بھی موجود ہے۔ ترمذی نے ان ننانوے ناموں کا تذکرہ بھی کیا ہے جو بخاری اور مسلم میں نہیں۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ: میں اس ننانوے والی روایت پر مطمئن نہیں، کیونکہ یہ روایت معیاری نہیں۔ بلکہ انہوں نے فتح الباری میں یہ شکل اختیار کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفات جہاں جہاں ہیں بطور انتخاب جمع کر کے ۹۹ نام گنے ہیں۔ اور

ترمذی شریف کی روایت معیاری طور پر صحیح نہیں۔ اور شارحین حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ ۹۹ ناموں میں حصر نہیں۔ کیونکہ اصول فقہ کا مسئلہ ہے۔ لامفھوم للعدد۔

امام غزالیؒ نے ایک شرح اسماء الحسنیٰ لکھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماء باری تعالیٰ بھی ذات باری تعالیٰ کی طرح غیر متناہی ہیں یعنی غیر محصور ہیں اور اسی طرح قرآن نے اشارہ کیا ہے۔'' لو کان البحر مداد الکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی۔ (الایۃ)

اگر سمندر اللہ تعالیٰ کے کمالات (کے بیان) کے لئے سیاہی بن جائے تو البتہ سمندر میرے رب کے کمالات کے ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جائے گا۔ یہاں جو لوگ کلمات سے مراد باتیں لیتے ہیں، درست نہیں۔ کیونکہ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ باتونی ہے۔ بلکہ کلمات سے مراد کمالات خداوندی ہیں۔ اور کمالات خداوندی اتنے ہیں کہ سمندر سیاہی بن جائے تو پھر بھی کمالات ختم نہ ہوں گے۔

اسمائے حسنیٰ کے بارے میں امام غزالیؒ نے اپنی کتاب ''شرح اسماء الحسنیٰ'' میں اور شیخ اکبرؒ نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تدبیر کار کے محکمے ہیں۔ مثلاً روزی کا محکمہ رزاقیت سے متعلق ہے اور تعلیم کا مسئلہ اسم ''العلیم'' سے متعلق ہے اور بیماری کا مسئلہ اسم ''الشافی'' سے متعلق ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس

حکومت الٰہی کے محکمہ جات کی تعداد ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق ۹۹ ہے اور ہر محکمہ کا اپنا اپنا عملہ ہوتا ہے، اس میں مختلف ملازم کام کرتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہر اسم کے خدام ملائکہ ہوتے ہیں جو باذن الٰہی حاجات کو پورا کرتے ہیں۔ کچھ رزاقیت کے ماتحت اور کچھ شافی ہونے کے تحت اپنے اپنے شعبوں میں کام کر رہے ہیں۔ شیخ اکبر کا یہ قول مؤید بالقرآن ہے۔ قرآن میں ہے۔ والنازعات غرقاً والناشطات نشطاً...... فالمدبرات امراً۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کی جماعت تدبیر الٰہی میں مصروف ہے۔ اور فرشتے مختلف شان میں منقسم ہیں۔ مؤکل فرشتہ کا ہونا کشفی امر ہے۔ روزی کی فراخی کے لئے جو اسم ''الباسط'' کا کرتے ہیں الباسط کے عددوں کی تعداد ''۷۲'' بنتی ہے اس کو جمل صغیر کہتے ہیں اور ۷۲x۷۲ کی تعداد پڑھی جائے تو اس کو جمل کبیر کہتے ہیں۔ چونکہ ہر اسم کا خادم فرشتہ ہوتا ہے۔ اور مسائل کی حاجت روائی باذن الٰہی کرتا ہے۔ اس کی طرف قرآن مجید میں بھی اشارہ

ہے۔ وللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بہا۔ یعنی اللہ سے ان اسماء کے ذریعہ مراد مانگو۔

(قسط ۱۱) وسیلہ اور اس کے احکام

وللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بہا یعنی اللہ تعالیٰ سے ان اسماء سے مدد مانگو۔ تبرک باعمال الصالحین درست ہے کہ حضور ﷺ کے روضہ مبارکہ کے ساتھ کپڑا چھویا جائے تو وہ متبرک بن جاتا ہے لیکن ایسا توسل درست نہیں کہ آج بھی حاجت روائی کے لیے اولیاء کی قبروں کی چھتوں پر سوراخ کیا جائے کیونکہ یہ عمل حضور علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔

آیت زیر نظر **وللہ الاسماء الحسنی فادعوہ بہا** کے تحت علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ جو لوگ گیارہویں وغیرہ رسومات وبدعات ادا کرتے ہیں اور ایصال ثواب کا بہانہ کرتے ہیں، وہ صحیح نہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ ایصال ثواب درست ہے، لیکن یہ لوگ ایصال ثواب کی نیت سے ایسا نہیں کرتے اس کی دلیل یہ ہے کہ ان سے کہو کہ ماں باپ کو ایصال ثواب کرو وہ نہیں کریں گے، تو معلوم ہوا اس کی تہ میں شرک پنہاں ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا **اتقوا مواضع التہمۃ**، حالانکہ والدین کا زیادہ حق ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی غیر اللہ کو متصرف ماننا شرک ہے۔

توسل کی صحت:

''**وابتغوا الیہ الوسیلہ**'' کی تفسیر کے تحت علامہ آلوسی نے بحث کی ہے اور پہلے اولیاء کے فتاویٰ جات نقل کئے ہیں اور یہ کہا ہے کہ محتاج سے حماقت ہے اور خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، **وانتم الفقراء الی اللہ**. اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم فقیر ہو۔

توسل کی چند صورتیں ہیں:

توسل بالاسماء درست ہے اور توسل بالاعمال بھی حدیث سے ثابت ہے۔ جیسے حدیث غار بنی اسرائیل سے، کہ تین شخص جا رہے تھے، بارش آگئی، تینوں غار میں چھپ گئے، اوپر سے بڑی چٹان گری اور غار کا منہ بند ہوگیا۔ ہر ایک نے اپنے اعمال کے وسیلہ سے دعا کی اور غار کا منہ کھل گیا اور ان کو نجات ملی۔

توسل بالاحیاء بھی حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کی خدمت اقدس میں ایک بدوی نے بارش نہ ہونیکی شکایت کی اور دعا کے لیے عرض کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی

اور بارش برسی۔

توسل بالاموات، اگر یوں کہے ''**اللھم بجاہ فلان**'' **یتوسل فلان، بحرمۃ فلان**، میرا فلاں کام کردے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا کرنیوالا خدا سے مانگ رہا ہے۔ لیکن اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ مقبولین کو بنا رہا ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ نمبرا: اُن کا وسیلہ لایا جا رہا ہو جو تواتر سے مقبول عنداللہ ثابت ہوں، جیسے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، اس لیے یہ جائز ہے، البتہ توسل بالمجہولین درست نہیں، کہ جہاں مزار دیکھی وسیلہ بنالیا۔ نمبر۲: بحرمۃ فلان، کا معنی صفت باری تعالیٰ ہو تو تب درست ہے۔ یعنی اس کا معنی یہ ہے کہ یا اللہ ان مقبولین کے ساتھ جو تیری محبت ہے اور ان پر جو تیری رحمت ہے اس کا واسطہ بنا کر دعا کرتا ہوں۔

فائدہ:

قبر کے پاس وسیلہ مانگے تو ہاتھ نہ اٹھائے کیونکہ اس میں شرک کا شائبہ ہے، یا کم از کم مشکوک معاملہ ہے اور اشتباہ شرک سے بچنے کا حضور ﷺ نے حکم فرمایا ہے۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جس ملک میں اگر رواج ہو اور وہاں احیاناً (کبھی کبھی) ہاتھ اٹھائے جائیں تو درست ہیں، التزاماً نہیں مانگنے چاہیے۔

اور قبروں کی زیارت سے مقصود تنبیہ علی الآخرۃ ہے اور صحابہ کو اس لیے روکا تھا کہ توحید صحابہ کے دلوں میں راسخ ہوجائے۔ جیسے آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا۔ ''**کنت نہیتکم عن زیادۃ القبور فزوروھا فانھا ترفق القلب وتذکر الآخرۃ**'' میں تم کو زیارت قبور سے منع کرتا تھا، پس ان کی زیارت کرو کیونکہ وہ دل کو نرم اور آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔

(قسط ۱۲) الرحمٰن الرحیم کی تفسیر

حضرت افغانی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ کہ الرحمٰن الرحیم کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ صفت مشبہ ہے مگر صفت مشبہ فعل لازمی سے آتی ہے متعدی سے نہیں آتی اور رحم، سمع کے باب سے آتا ہے۔ اور متعدی ہے۔ اور اس کا صفت مشبہ نہیں آتا۔ ائمہ تفسیر نے یہ توجیہ کی ہے کہ رحم کو رَحُم کی طرف منتقل کیا یعنی فَعِل کو فعُل بنایا جو لازمی باب ہے۔ لہٰذا اس سے یہ صفت مشبہ ہوا اور محققین ائمہ

لغت نے بتایا ہے کہ جہاں افعال متعدیہ سے صفت مشبہ آیا ہے تو وہاں انتقالی کارروائی ہوگی۔ دراصل بات یہ ہے کہ فیضان خیر کا جذبہ جو قبل از ظہور ہو تو رحم کے باب سے ہے بعد از ظہور رحم بکسر الحاء کے باب سے ہے۔ مثال کے طور پر لنگڑے کو سڑک پر دیکھ کر دل میں جذبہ خیر پیدا ہوا تو یہ از قبیل رحم ہے۔ اور پھر پانچ روپے دے بھی دیئے تو یہ یہ رحم کے باب سے ہے۔ دوسرا قول علامہ آلوسی کا ہے انہوں نے کہا یہ یہ صفت مشبہ نہیں بلکہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور اپنے متعدی معنی میں باقی ہے اور فعلان اور فعیل کے اوزان برائے مبالغہ آتے ہیں اور معنی یہ ہے کہ کثیر الرحم اور یہی رائے قرآنی ذوق کے زیادہ مناسب اور مطابق ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جس رحمت کا اثر ہم تک نہ پہنچے وہ محل احسان میں ذکر نہیں کیا جاتا۔ اور یہ مقام احسان ہے یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب فعل کا اثر متعدی ہو۔

جب رحمٰن اور رحیم مبالغہ کے صیغے ہیں تو دنیا میں بھی اس کی رحمت غالب ہے ورنہ تو تمام کفار نہ صرف مجرم ہیں۔ بلکہ باغی ہیں ان کو دنیوی نعمتوں کا دینا رحمت عمومیہ کی دلیل ہے۔ اور تشریعات کا حکم بھی ہے مثلاً اگر ایک آدمی آج مسلمان ہو۔ تو کفر کے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں اور توبہ سے بھی پہلے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں اور رمضان کے روزے مکفر ذنوب ہیں۔ اسی طرح جہاد جمعہ اور نماز سے سیئات مٹتی ہیں معلوم ہوا کہ یہاں بھی رحمت عمومی ہے۔ گناہ مٹتے ہیں، نیکی نہیں مٹتی جب تک کفر نہ کیا جائے۔ اب ترتیب کے لحاظ سے غور کیا جائے۔ پہلے اللہ کو لایا گیا پھر رحمان اور رحیم کو اس کی وجہ یہ ہے کہ وجود کے اعتبار سے پہلے اللہ کو لایا گیا۔ کیونکہ اللہ کا تعلق مبدء سے ہے ثانیۃً دنیا ہے، جس کا تعلق رحمٰن سے اور ثالثاً آخرت ہے جس کا تعلق رحیم سے ہے۔

بقول حسن بصری، سفیان ثوری اور بقول امام سیوطی ایک حدیث ہے۔ کہ قرآن اولین اور آخرین کا جامع ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام سے قبل اولین ہیں اور بعد کے متاخرین ہیں۔ ان تمام کتب سماوی اور الٰہی مضامین کا خلاصہ قرآن عزیز میں ہے۔ اور قرآن کے تمام علوم فاتحہ میں ہیں۔ اور سورہ فاتحہ کے تمام علوم تسمیہ میں ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ تسمیہ کے تمام علوم الباء میں ہیں۔ اور اس کے تمام علوم نقطہ باء میں ہیں۔

حضرت افغانیؒ نے فرمایا ہمیں آج کل مساٹیر سے واسطہ پڑا ہے یعنی مسٹر سے جو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ یہ صرف مولوی کی خوش اعتقادی ہے اور چونکہ یہ علماء اور بزرگوں کا قول ہے اس لئے ہم

اس کی تفصیل اور تطبیق کرتے ہیں۔ ان مساٹیر کا اعتراض یہ ہے کہ "اندراج الکثیر فی القلیل" (تھوڑے کا زیادہ میں داخل ہونا) عقل کے خلاف ہے اور اس کا ایک جواب تحقیقی آگے ذکر کیا جائے گا۔ اور ایک جواب الزامی ہے وہ یہ ہے کہ گو اس زمانہ میں لوگ کمزور ہوگئے ہیں۔ مگر پھر بھی حفاظ قرآن کافی تعداد میں موجود ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق آیا ہے۔ کہ ان کو ۷ لاکھ احادیث یاد تھیں، دوسرا قول یہ ہے کہ انہیں دس لاکھ احادیث یاد تھیں۔ بہرحال ہم سات لاکھ احادیث تسلیم کرتے ہیں۔ اور بخاری شریف میں ۷ ہزار احادیث ہیں اور بقول ابن صلاح بعد اسقاط مکررہ ۴۲۷۵ احادیث ہیں۔ تو معلوم ہوا محفوظات احمد اور روایات بخاری میں ایک اور سو کی نسبت ہے بخاری کی دو جلدیں ہیں۔ اگر اس کو سو سے ضرب دیں۔ تو دو سو جلدیں بن جاتی ہیں۔ اور تقریباً یہ دو سو جلدیں امام احمدؒ کو یاد تھیں ہم پوچھتے ہیں۔ کہ کہاں یاد تھیں اور قوت حافظہ کا مصداق کیا ہے؟ مذاہب سماویہ دل مراد لیتے ہیں اور فلاسفہ یونان اور فلاسفہ جدید اس کا محل دماغ قرار دیتے ہیں۔ اور علم تشریح الابدان کے مطابق دل چار ٹکڑوں میں تقسیم ہوتا ہے بطن ایمن بطن ایسر، اذن ایمن اور اذن ایسر۔ اور ان چار ٹکڑوں میں خون کا چکر ہوتا ہے۔ اور خون کے چکر سے بھاپ نکلتی ہے۔ جسے طبی روح کہا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ سماوی نور رہوتا ہے اور انسان کے قلب لحمی کا رقبہ بہت کم ہوتا ہے۔ اور اس کے ساتھ روح طبی یا نور سماوی بہت کم ہے۔

جدید فلسفہ کے مطابق حافظہ کا تعلق دماغ کے مغز سے ہے اور مغز شریانات سے مربوط ہے اور اس میں بجلی کی طرح رو ہوتی ہے اور وہ دراصل حافظہ ہے۔ اور ان دو جلدوں کے ہزاروں صفحات بنتے ہیں۔ یہ قلب یا دماغ میں موجود ہیں اگر ان کے دماغ میں موجود نہ تھے۔ تو بیان کیسے کرتے اور یہ "اندراج الکثیر فی القلیل" (کثیر کو قلیل میں درج کرتا) نہیں تو اور کیا ہے۔ اور یہ تو محسوس مثال ہے۔

(**قسط ۱۳**)

حضرت افغانیؒ نے فرمایا کہ تحقیقی جواب یہ ہے کہ اندراج کثیر فی القلیل کثیف میں تو مشکل ہے مگر لطیف میں سہل ہے۔

مگر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کثیف میں بھی اندراج ہوجاتا ہے تو لطیف میں کیوں مشکل

ہے؟ مثلاً کھجور کی گٹھلی جس کو ہم زمین میں بوتے ہیں وہ زمین میں سڑ گل کر اگتی ہے اور پھولتی بڑھتی ہے۔اس کی شاخیں نکلتی ہیں۔آخر ایک تناور درخت بن جاتا ہے اور اس کو پھل بھی لگتے ہیں،اگر اس درخت کا جڑ شاخوں، تنے اور پھل پھول کے ساتھ وزن کیا جائے تو منوں اس کا وزن ہوگا۔مگر گٹھلی کی مقدار دو ماشے سے زائد نہیں اور یقینی بات ہے کہ کل درخت گٹھلی میں موجود ہے۔

تو درحقیقت قدرت نے اس کثیر کا اندراج قلیل میں کیا،اور قانون قدرت کے تحت جو چیز اندر تھی وہ باہر آ گئی۔جدید اور قدیم دونوں فلسفوں کا قانون ہے کہ چیز جب بنتی ہے،تو پہلے وہ اپنے اجمالی وجود کے ساتھ موجود ہوتی ہے۔اگر پہلے اجمالی وجود نہ ہو تو تفصیلی وجود کی نوبت نہیں آتی۔ مثلاً کوئلہ اور لکڑی سلگتی ہے تو پہلے اس میں آگ کا وجود ہوتا ہے۔اگر آگ کا وجود اجمالاً اس میں نہ ہو تو تفصیلاً بھی موجود نہیں ہوسکتا۔جیسے راکھ میں ایک بار آگ کا وجود ختم ہو چکا ہے۔اب اگر اس کو سلگائیں تو آگ پیدا نہیں ہوگی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں آگ کا اجمالی وجود معدوم ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ گٹھلی بھی کثیف ہے اور درخت بھی کثیف ہے۔اگر اس کا اندراج ہوسکتا ہے تو کیا وجہ کہ کلام جو لطیف ہے اس کے مضامین کثیرہ کا اندراج قلیل میں نہ ہو،یقینی بات ہے کہ بسم اللہ کلام لفظی ہو یا نفسی لطیف ہے۔اور یہ انداراج الکثیر اللطیف اندراج الکثیر فی القلیل الکثیف سے اقرب الی العقل ہے۔اور جب اس کی نظیر موجود ہے تو اس کا ہونا کیا مشکل ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے ایک اور مثال دی ہے،جس کو یہاں استعمال کیا جاسکتا ہے۔اور یہ مثال امام غزالیؒ نے علم اور علم قلبی کی بحث میں پیش کی ہے۔انہوں نے بتایا کہ جب آدمی اوپر نگاہ ڈالتا ہے تو وہ سماوات سورج چاند وغیرہ کو دیکھتا ہے۔حالانکہ آنکھ کی پتلی جس میں محسوسات کا انتقاش ہوتا ہے قلیل ہے۔اور یہ پوری آنکھ نہیں بلکہ اس کا ایک حصہ ہے۔اور وہ پتلی ایک قسم کا آئینہ ہے جس میں کہ محسوسات کا انتقاش ہوتا ہے۔اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ انتقاش قلیل بن کر نہیں آتا۔مثلاً بلی بھی ہم دیکھتے ہیں اور اونٹ بھی اور آنکھ کی پتلی بلی سے بلکہ اس کے ناخن سے بھی کم ہے مگر اس میں دونوں کا انتقاش ہوتا ہے اور انتقاش بھی اس طرز کا ہے کہ ان کی مقدار کم نہیں ہوتی کہ اونٹ بڑا نظر آتا ہے بلی کم۔ٹیلا چھوٹا اور پہاڑ بڑا،نالی چھوٹی اور دریا بڑا۔

اور قدرت کے عجائب کی انتہاء ہے کہ محل انتقاش انتہائی چھوٹا ہے اور منقش بہت بڑا مگر وہ اپنی

بڑائی کے ساتھ منقش ہوتا ہے یہ نہیں کہ وہ رائی کے دانے کے برابر ہو جائے تب وہ منقش ہو۔اس طرح سے کتب اولین وآخرین کا اندراج قرآن پاک میں ہے اور قرآن کا اندراج سورۃ فاتحہ میں اور فاتحہ کا اندراج بسم اللہ میں ہے اور پھر بسم اللہ کا اندراج ''ب'' میں ہے اور ''ب'' کا اندارج اس نقطہ میں جو ''ب'' کے نیچے ہے اور یہ عقل کے مطابق ہے اور اس کے نظائر بھی موجود ہیں۔

(قسط ۱۵)

پھر یہ تمام علوم ''ب'' میں آ گئے۔کیونکہ با کا معنیٰ الصاق ہے۔حتیٰ کہ سیبویہ نے باء کے صرف اسی معنیٰ الصاق کو بیان کیا۔یعنی بنیادی معنیٰ الصاق ہے اور باقی معانی اس کی شاخیں ہیں۔گویا ''ب'' سے ارتباط شیئن (دو چیزوں کا ربط) ہے۔پھر تمام علوم کو دیکھئے ان کا خلاصہ صرف یہ ہے۔ (1) ارتباط بین الخالق والمخلوق (2) ربط المخلوق فیما بینہم یعنی انسان کا خدا سے تعلق پھر انسانوں کا آپس میں بھی رابطہ ہے۔قرآن پاک میں ہے ''**لایسخر قوم من قوم الآیۃ**'' ''**ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعدالایمان الآیۃ**'' ''**ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتاً [الایۃ]**'' ان آیات کا مطلب یہ ہوا کہ انسانوں کا آپس میں ربط خراب نہ ہو۔اور خدا سے ربط قائم رہے،اور پھر ان تمام کا لب لباب نقطہ میں ہے۔کیونکہ نقطہ کا معنی صفر ہوتا ہے۔یعنی نیست وعدم مثلاً کہا جائے،کہ اس کو صفر نمبر ملا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو کوئی نمبر دیا گیا جس کا نام صفر ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے کوئی نمبر بھی نہیں دیا گیا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اندرون انسان میں گناہ کے سرچشمے تین ہیں (۱) شہوات (۲) غضب (۳) ھوی۔ھوی کا مطلب یہ ہے جو کچھ اپنے خیال میں یعنی میری کھوپڑی کی یہ بات صحیح ہے باقی غلط کہتے ہیں،اور مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں طاقتوں کو مرضی الٰہی میں فنا کر دینا یعنی شہوت بھی خدا کی مرضی میں مٹ جائے غضب اور ہویٰ بھی خدا کے تابع ہو جائیں،یعنی تینوں طاقتوں کو رضائے الٰہی میں فنا کر دینا۔

حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''**لا یومن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ**'' (علم) یعنی انسان جب تک شریعت محمدی کا تابع نہ ہو جائے اس وقت تک وہ مومن نہیں ہوسکتا۔یعنی شہوت،غضب۔ہویٰ سب اطاعت خداوندی میں ختم ہو جائیں۔اور حقیقت یہ ہے کہ اسی

فنا میں بقا ہے، فانی کو جب باقی سے ربط ہو جائے تو اس کا عدم متبدل بالوجود ہو جاتا ہے اس کی مثال خارج میں موجود ہے اپنے آپ کو صفر سمجھو اب صفر عدم ہے لیکن اگر اس کے بائیں پہلو میں ایک آ جائے تو دس ہو جاتے ہیں جتنے عدمات زیادہ ہوں گے اتنے وجودات زیادہ ہوں گے۔ دو صفروں کے ساتھ ایک بڑھ جائے تو سو، اور تین کے ساتھ ایک بڑھ جائے تو ہزار بن جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ معدوم کو باقی سے جوڑ دیا جائے تو وجود پاتا ہے۔ یہاں ایک نقطہ اور بھی ہے جس سے بدعت اور سنت کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ یہ واضح رہے کہ ممکن واقعی فانی ہے۔ اور جب باقی ہے تو عدم کا جوڑ واجب سے ہوگا مگر وہ اس وقت جبکہ وہ عین سنت کے مطابق ہو۔ اگر اللہ تعالیٰ سے جڑ جاتا ہے تو اس کی بندگی کریں گے۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ بندگی کا ایجاد خود نہیں کریں گے بلکہ اللہ تعالیٰ سے پوچھیں گے، اب اگر سنت کے مطابق یعنی قاعدہ کے ساتھ ممکن واجب کے ساتھ جوڑا جائے تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک کے دائیں طرف صفر لگائی جائے اور بے قاعدہ طور پر جوڑا جائے۔ یعنی سنت کو چھوڑ کر بدعت اختیار کیجائے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک کے بائیں طرف صفر لگائی جائے تو کوئی قیمت نہیں ہوتی اس لیے خواہ مخواہ غیر دین کو دین نہ بنایا جائے بلکہ سنت کے مطابق اللہ تعالیٰ سے لگاؤ اور تعلق پیدا کیا جائے۔

اس کے بعد حضرت اقدس مولانا شمس الحق افغانیؒ نے استعاذہ اور تسمیہ کے سیاسی نتائج بیان کئے۔

استعاذہ کے سیاسی نتائج:

استعاذہ کے دو بڑے سیاسی نتائج نکلتے ہیں اور تیسرا چونکہ مشترک ہے وہ بعد میں آئے گا (۱) انسان میں دو جذبے ہیں۔ بغض اور محبت اور قدرت نے انسان کو یہ دو جذبے ازل سے عطا فرمائے ہیں۔ عداوت کا جذبہ جو انسان میں ہے اعوذ باللہ میں تلقین کیا جا رہا ہے کہ اس بغض وعداوت کے جذبہ کا اصول ہدف اور نشانہ تین چیزیں (۱) الشیطان (۲) اعوان الشیطان (۳) اعمال شیطانی۔ اور یہی مرکز عبادت ہونے چاہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت جذبہ عداوت وبغض انسان میں رکھا ہے جس کا ہونا انسان میں بہت ضروری تھا اور اس کا صحیح موقع ومحل بھی بتایا کہ وہ تین چیزیں ہیں جو اوپر بیان ہوئیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب فطری طور پر آدمی کے اندر بغض وعداوت کا جذبہ موجود ہے

تو اگر اس کا صحیح مصرف وموقع نہ بتایا جاتا تو یقیناً غلط موقع پر استعمال ہوتا۔

شاہ ولی اللہ نے اس کی ایک مثال بھی دی ہے کہ چھت کے اوپر پرنالہ لگایا جاتا ہے تا کہ بارش کا پانی اس کے ذریعے باہر جائے۔ مطلب یہ کہ بارش کے پانی کا صحیح مجریٰ پرنالہ ہے اس پرنالہ کے ذریعے پانی باہر نہ نکلے تو وہ چھت کو توڑے گا اور اندرون خانہ آئے گا۔ اسی طرح فطری جذبات کیلئے اگر صحیح مواقع میسر نہ ہوں تو وہ غلط مواقع پر استعمال ہوتے ہیں۔

(قسط ۱۶)

حضرت عمرؓ فاروق کے قول سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ: صحابہ کرام مسلسل جہاد میں ہیں اور ان کا وجود بھی قیمتی ہے، اس لیے ان کو تھکان اتارنے اور آرام کرنے کا موقع دیا جائے تو آپؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر انہیں جہاد میں مصروف نہ رکھا گیا تو وہ آپس میں لڑیں گے، کیونکہ ان کے اندر جذبہ تو موجود ہے۔ اگر یہ صحیح موقع پر استعمال نہ کیا گیا تو وہ غلط موقع پر استعمال ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ میں جذبہ جہاد ہلکا ہوا تو خوارج نے بغاوت کر کے آپؓ کو شہید کرا دیا اور آخر نوبت جنگ جمل اور صفین تک پہنچی۔ تو چونکہ جذبہ موجود ہے اگر محل پر صرف نہ ہوگا تو غیر محل پر صرف ہوگا۔ اور بیکاری شیطان کا گھر ہے۔ مصروفیت عداوت ہے۔ جیسے کہ بیان ہوا...... یہاں تین چیزیں ہیں (۱) شیطان (۲) اعوانِ شیطان (۳) اعمال شیطان۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ'' تمہیں معلوم نہیں کہ کون تمہارا دشمن ہے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ وہ دشمن بدبخت شیطان ہے۔ اپنی تمام عداوت اس کے خلاف صرف کر ڈالو اور اعوان شیطان اس کے حکم میں ہیں جیسے ارشاد ہے ''من الجنۃ والناس'' یعنی راہ حق سے بہکانے والے خواہ جن ہوں یا انسان ہوں وہ اعوان شیطان ہیں خواہ فرد ہو یا جماعت۔ عداوت سے مراد محض لڑائی نہیں بلکہ تحفظ بھی ہے۔ اعمال شیطانی کفر، معصیتِ صغیرہ کبیرہ ہیں۔ کیونکہ یہ محبوب شیطان ہیں اس لیے ہمارے مبغوض ہونے چاہیں، اس میں جذبہ صرف نہیں ہونا چاہیے مصرف عداوت کے مقابلہ میں تین چیزیں ہیں۔ (۱) رحمٰن (۲) اعوان رحمن ای داعین الی الرحمن (رحمن کی طرف دعوت دینے والے) (۳) اعمال رحمانیہ۔ عداوت کا مصرف ان کو نہ بنانا چاہیے۔

دوسرا نتیجہ دفع الاعداء ہے۔سب سے بڑا دشمن ہے اس کی مدافعت کا طریقہ الٰہیہ بتایا گیا، کیونکہ مدافعت کا اختیاری طریقہ انسان کے پاس نہ تھا، کہ اعوذ باللہ کہہ کر اس سے بچا کرو تو اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا جو دشمن ہے اس کا فرض ہے کہ اس سے اپنا تحفظ کرے۔اور شر دشمن سے غافل ہوگا تو تباہ ہو جائے گا، اسی طرح تسمیہ سے بھی دو سیاسی نتیجے نکلتے ہیں اول یہ کہ تو حد مرکز محبت تو صرف ایک اللہ ہے۔اور سب نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں اور مرکز محبت بھی وہی ہے جس نے تمام نعمتیں عطا فرمائیں (۲) اعوان دین الٰہی سے محبت ہو اور پھر اعمال الٰہیہ سے محبت ہو۔اور جسے اللہ تعالیٰ سے محبت ہو تو ''محبوب المحبوب محبوب'' ہوتا ہے تو اس سے اعمال صالحہ اور اعوان دین الٰہی محبوب ہونا ضروری ہے اور ''مغضوب المغضوب مغضوب'' ہوتا ہے۔

تیسرا نتیجہ استعاذہ اور تسمیہ دونوں میں مشترک ہے۔اس کا حاصل یہ ہے کہ **اعوذ باللہ** سے **تغلب علیٰ الاعداء** ہے۔اور بسم اللہ سے تربیۃ الاوداء یعنی دوستوں کی تربیت کرنی۔اللہ تعالیٰ کے جو دوست ہیں اللہ تعالیٰ ان کی تربیت کرتا ہے۔ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے جو دوست ہیں ان سے دوستی اور جو دشمن ہیں ان سے دشمنی رکھنی چاہیے۔ہر حکومت کے اعداء اور احباء ہوتے ہیں اور حکومت دوستوں کی پرورش کرتی ہے اور دشمنوں کو مغلوب کرتی ہے اور جس حکومت میں دوست و دشمن کی تمیز نہ ہو وہ حکومت تباہ ہو جاتی ہے۔

دونوں کا اخلاقی نتیجہ یہ ہے کہ جب ہم اعوذ باللہ کہتے ہیں تو مطلب یہی ہوتا ہے کہ ہم نے دفعِ مضرات سے جائے پناہ خدا کو بنایا ہے اور بسم اللہ پڑھتے ہیں تو تحصیل منفعت میں بھی ہمارا سہارا وہی ہے۔حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے ''**کل امر ذی بال لم یبدا ببسم اللہ فھو ابتر**'' یعنی ہر جائز کام بسم اللہ سے شروع کرنا چاہیے۔گویا اللہ تعالیٰ کا نام تحصیل فوائد کا ذریعہ اور دفع مضرات کا بھی۔گویا کہ ہر مسلمان کا اعتقادی پہلو یہ ہونا چاہیے کہ دفعِ مضرات اور جلب منفعت کا آخری سہارا خدا ہے۔اور اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔دونوں جگہ باء لائی گئی ہے اور یہ استعانت کیلئے ہے گویا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے دفع مضرت بھی کرو اور اس کی مدد سے جلب منفعت بھی کرو۔کیونکہ ان دونوں میں مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے قرآن پاک میں ارشاد ہے ''**وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ**'' اور دوسری جگہ ہے ''**قل لا املک**

لنفسی نفعاً ولا ضرا'' خوف اور امید کا مرکز اور ماویٰ ذاتِ رب العلمین ہے۔

(قسط ۱۷) اسباب کی اقسام اور مسئلہ توکل

اس کے بعد حضرت اقدس مولانا شمس الحق افغانیؒ نے فرمایا کہ اسباب کی کئی قسمیں ہیں اور بقول امام غزالی ایک: اسباب قطعیہ ہیں مثلاً روٹی بھوک دور کرنے کے لیے اور پانی پیاس بجھانے کیلئے ہے اور یہ اسباب قطعیہ ہیں۔اور مؤثر حقیقی اللہ ہے۔دوم: اسباب ظنیہ ہیں جیسے علاج المرضے یہ سبب صحت ہے۔کیونکہ اسباب قطعیہ میں کوئی تخلف نہیں ہوتا۔اور علاج ظنی ہے کیونکہ علاج سے کبھی مرض جاتا ہے۔اور کبھی باقی رہتا ہے۔مگر ظن غالب یہ ہوتا ہے۔کہ اگر کام کیا جائے۔تو نتیجہ مرتب ہوگا اور اسباب ظنیہ میں سے اسباب معاش جیسے تجارت، زراعت، صنعت وحرفت وغیرہ کیونکہ ان میں ظن غالب ہوتا ہے۔سوم: اسباب وہمیہ ہیں۔جیسے اکتساب رزق بالکیمیا یا اکتساب رزق بالسحر وہی اسباب شرعی نقطہ نگاہ سے رزق کا سبب نہیں۔اس لیے یہ اسباب ممنوعہ ہیں۔اور ظنی اسباب مطلقاً مباح ہیں۔اور عند الضرورۃ اسباب واجبہ ہو جاتے ہیں۔مثلاً کھانا سخت بھوک کے وقت فرض ہے لیکن علاج عند المرض فرض نہیں اور واضح رہے کہ اسباب مباحہ توکل کے خلاف نہیں۔اسباب قطعیہ اسباب واجبہ ہیں۔اسی طرح اسباب معاش اسباب مباح ہیں۔

مسئلہ توکل:

اس سلسلہ میں مسئلہ توکل کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔قرآن مجید میں ہے۔**ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ** مختصر یہ کہ یہاں تین چیزیں تشریح طلب ہیں۔تعطل، تسبب، توکل

تعطل تو یہ ہے کہ انسان اسباب مشروعہ جائزہ کو ترک کر دے۔یہ منع ہے کیونکہ اس میں حکمت خداوندی کا انکار ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جگہ جگہ اسباب کا ذکر کر کے امتنان فرمایا ہے۔تو ان کا ترک کرنا انکار ہوگا۔مثلاً تجارت، صنعت اور زراعت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بطور امتنان فرمایا ہے۔اگر ان کو ترک کر دیا جائے تو انکار حکمت خداوندی ہے اس کے متعلق حضرت عمر فاروقؓ کا ایک اثر ہے کہ **ان الذھب والفضۃ لاینصبان من السماء** یعنی سونا چاندی آسمان سے نہیں پھینکا جاتا اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خاص کر علماء سے خطاب کر کے فرمایا۔**اکتسبوا ولاتکونوا کلاوعیالاً علی الناس**۔(کمایا کرو لوگوں پر بوجھ اور ان کے بچے بن کر نہ رہو)

بعض لوگ تعطل کو توکل قرار دیتے ہیں۔اور مسند احمد کی ایک روایت پیش کرتے ہیں۔
توکلتم علی اللہ حق التوکل یرزقکم اللہ کما یرزق الطیر تغد واخماصًا وتروح بطانا (ترجمہ) تم اللہ تبارک وتعالیٰ پر توکل کرو حق توکل کرنا اللہ تعالیٰ تم کو رزق دے گا۔جیسا کہ پرندوں کو دیتا ہے کہ پرندے صبح کو خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر آتے ہیں۔انہوں نے تعطل کو توکل قرار دیا۔انہوں نے غلط سمجھا۔کیونکہ آنحضرت ﷺ کے الفاظ اس کی تردید کرتے ہیں۔کیونکہ **تغدوا** یعنی صبح کو جاتے ہیں **تروح** یعنی شام کو آتے ہیں۔الفاظ بتاتے ہیں کہ ساکن پرندوں کی طرح نہیں بلکہ صبح وشام سفر کرنے والے پرندوں کی طرح ہیں اور صبح کو جو پرندے تلاش رزق کے لیے جاتے ہیں یہ ان کے لیے اسباب ہیں۔حدیث پاک کی مراد یہ ہے کہ اسباب کو موثر نہ بناؤ بلکہ اسباب میں بھی موثر حقیقی خدا کو سمجھو۔اسباب کو موثر سمجھنا اور موثر حقیقی کو نظر انداز کر دینا الحاد وزندقہ ہے۔تسبب مادی غلط اور تعطل بھی غلط بیچ کی راہ توکل ہے **اھدنا الصراط المستقیم** اسباب شرعیہ کو اختیار کر کے نفع کی توقع موثر حقیقی سے کی جائے جلال الدین رومی نے کہا ہے۔

گفت پیغمبر بآواز بلند　　　برتوکل زانوے اشتر بند

ترجمہ: پیغمبر نے بلند آواز سے فرمایا توکل پر اونٹ کے زانو باندھ۔یہی راہ درمیانی ہے اور یہی راہ اعتدال۔

اور صوفیا نے ایک اور شکل بھی بیان کی ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر یقین کامل ہو اور اللہ تعالیٰ کے موثر حقیقی ہونے کا کامل یقین ہو۔تو اسباب مشروعہ کو ترک کرنا بھی جائز ہے۔اور درحقیقت یہ بھی ترک سبب نہ ہوا بلکہ **تمسک بالسبب** (سبب اختیار کرنا ہے) خواہ وہ روحانی سبب ہو یا مادی ہو۔کیونکہ سبب کبھی مادی ہوتے ہیں اور کبھی روحانی۔یہاں روحانی سبب ہے۔یعنی صفت رزاقیت پر یقین۔حضرت تھانویؒ نے حضرت حاجی امداد اللہ مکیؒ کی خدمت میں خط لکھا کہ ملازمت ترک کرنا چاہتا ہوں۔حضرت تھانویؒ کانپور میں مدرس تھے اور پچاس روپے تنخواہ تھی۔جواب میں فرمایا اگر ملازمت اور ترک ملازمت میں قلب کا یقین اور اطمینان برابر ہے تو ترک کر دو۔ورنہ سخت نقصان ہے۔کہ مادی سبب بھی چھوڑ دیا۔اور روحانی بھی نہیں ہے۔یہ تو ایسے ہے جیسے کشتی بھی چھوڑ دی اور مشک بھی پاس نہیں۔کہ اس پر تیر سکے۔خود حاجی امداد اللہ مکیؒ، مکہ تشریف لے گئے تو پہلے نو دن فاقہ رہا۔یہ اللہ

کی طرف سے امتحان تھا اللہ تعالیٰ امتحان لیتا ہے جب پاس ہو جائے تو پھر غیب سے امداد کرتا ہے۔اسی طرح کہ لوگوں کے دل اس طرف پھیر دیتا ہے۔بہر حال یہ خواص کی چیز ہے عوام کی نہیں ہے حضرت تھانویؒ نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک حکیم صاحب تھے۔وہ مہمانوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ایک دفعہ مسجد میں مہمان آیا اس کو کہا کہ تمہارے لیے کھانا لاتا ہوں اس نے کہا کہ مرغ پلاؤ کے علاوہ کچھ نہ کھاؤں گا۔تقریباً رات کے نو یا دس کا وقت تھا۔تو حکیم صاحب نے کہا اس وقت مرغ وغیرہ کہاں سے لایا جائے۔تو مہمان نے جواب دیا۔کہ آپ کو کس نے کہا ہے کہ لاؤ؟ حکیم صاحب گھر جا کر لیٹ گئے تھوڑی دیر کے بعد ایک آدمی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور مرغ پلاؤ لا کر دیا۔تو حکیم صاحب نے کہا اس مہمان کا حصہ ہے اس کو لے جا کر دے آؤ۔دراصل حکیم صاحب کو شادی کی دعوت کی گئی تھی۔اور حکیم صاحب دعوت پر نہیں گئے تھے۔تو انہوں نے کھانا گھر پہنچا دیا۔تو حکیم صاحب اس کے پاس پہنچے اس نے کہا۔کہ اللہ تعالیٰ سے کہہ رکھا ہے کہ کھلاؤ تو مرغ پلاؤ کھلاؤ ورنہ مار دو۔اس روز سے مرغ پلاؤ کھاتا ہوں۔

(قسط۱۸) سورۃ فاتحہ

حل مفردات: پہلا لفظ حمد ہے۔از باب سمع۔حمداً محمدۃ دونوں مصدر ہیں۔علامہ تفتازانی نے حمد کی یہ تعریف کی ہے۔**هو الثناء باللسان علی الجمیل الا ختیاری بالفو اضل والفضائل**۔ فواضل متعدیہ ہوتے ہیں۔اور فضائل ذاتیہ۔ارباب منطق نے حمد کی لمبی لمبی بحثیں کی ہیں اور ہمارے نزدیک مختار تعریف **الحمد هو بیان کما لات المختار** ہے۔یعنی صاحب اختیار کے کمالات کو بیان کرنا اور لسان کی قید کی ضرورت بھی نہیں۔اور لفظ جمیل کی ضرورت نہیں کیونکہ لفظ کمال اس کو شامل ہے۔اور الاختیاری کی بھی ضرورت نہیں۔کیونکہ کمال مختار کا ہے۔تو تعریف جامع مانع ہے۔

رب العالمین:

رب کے متعلق تین رائے ہیں نمبر۱۔مصدریت نمبر۲صفت مشبہ نمبر۳۔اسم فاعل۔رَبَ **یَرب رباً** مصدر آتا ہے۔اگر اس کو مصدر شمار کیا جائے تو اس کا اطلاق مبالغہ ہوگا۔جیسے زید عدل میں عدل کا حمل زید پر مبالغہ ہے۔گویا کثرت صدور عدل کی وجہ سے سراپا عدل ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ کثرت صدور تربیت کی وجہ سے سراپا تربیت ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ صفت مشبہ ہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ اسم فاعل کا صیغہ ہے ۔اس صورت میں رب اصل میں رابب تھا الف تخفیفا حذف کردیا۔اور باء کا باء میں ادغام کردیا تو رب ہوا۔سید محمود آلوسی کے نزدیک تیسرا قول مختار ہے۔امام النحاۃ ابوحیان بحرالمحیط میں لکھتے ہیں کہ یہی تیسرا قول مختار ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ **یویدہ اضافتہ الی المفعول .والصفة المشبة لاتضاف الاالی الفاعل** یعنی اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ رب کی اضافت مفعول کی طرف ہوتی ہے اور صفت مشبہ کی اضافت صرف فاعل کیطرف ہوتی ہے تو معلوم ہوا صفت مشبہ کا قول صحیح نہیں۔اور اسم فاعل کا قول صحیح ہے۔

تربیت کی تعریف:

اِبلاغ الشیء الی کماله یحسب استعداده شیئاً فشیئاً ۔یعنی شئے کو اس کے کمال تک آہستہ آہستہ پہنچانا باعتبار اس کی استعداد کے۔مثلا بکری کا بچہ ہے ہاتھی کا بچہ، کہ ان کی تربیت ان کی استعداد کے مطابق ہو۔عالمین۔جمع۔عالم۔اور اس کا لغوی معنی **ما یعلم به الشئی** جیسے **مایختم به** ہے یعنی اسم آلہ ہے یعنی وہ جس کے ساتھ کوئی چیز معلوم ہو۔اور اسکا عرفی معنی ہے **مایعلم به الصانع** یعنی جس سے صانع کا علم حاصل ہو۔لغوی معنی میں تعیم ہے۔اور عرفی معنی میں تخصیص ہے۔

''ون'' اور ''ی ن'' کے ساتھ جمع مختص بالعقلاء ہے۔ حالانکہ عالم عقلاء اور غیر عقلاء کے مجموعہ کا نام ہے ۔تو اب یہاں صرف دو طریقے آسکتے ہیں۔ایک یہ کہ جمع صرف عقلاء کیلئے ہو اس حیثیت سے معنی ہوگا۔اللہ پالنے والا ہے صاحب عقل اشیاء کا۔یعنی انس، جن، ملائکہ کا۔دوسری رائے یہ ہے کہ عالمین سے مراد ہے **جمیع ماسوی اللہ** اور جمع تغلیباً ہے۔جیسے شمس قمر کو قمرین تغلیبا کہا جاتا ہے اور اب وام کو تغلیباً ابوین کہا جاتا ہے۔

اور یہاں بھی غیر عقلاء کو مغلوب کر کے عالمون یا عالمین یعنی ''ون'' ''ی ن'' کے ساتھ جمع کی گئی ہے اور یہی راجح قول ہے۔

الرحمن الرحیم دونوں کے متعلق نحوی حیثیت سے دو قول ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ صفت مشبہ ہیں۔لیکن اس قول پر یہ اعتراض ہوتا ہے۔کہ صفت مشبہ لازمی باب سے ہوتا ہے۔متعدی

سے نہیں اور یہ دونوں باب متعدی سے ہیں جیسے رحمہ اللہ بولا جاتا ہے۔تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اسے رَحِم سے رَحُم کی طرف منتقل کر کے صیغہ صفت مشبہ کا بنایا گیا۔یعنی متعدی باب سے لازمی باب کی طرف ان کو منتقل کیا گیا۔

دوسرا قول یہ ہے۔فعلان اور فعیل کے وزن پر مبالغہ کے صیغے ہیں۔رحمت کی تعریف قاضی بیضاوی اور امام رازی نے زمخشری کی تقلید میں یہ کی ہے۔**رقة القلب بحیث یقتضی الاحسان** دل کا نرم ہونا اس طرح کہ احسان کا تقاضا کرے۔مگر اس پر اشکال یہ پڑتا۔کہ اللہ تعالیٰ کا تو قلب نہیں۔تو رحیم کیسے ہیں؟ تو ان تینوں حضرات نے مجاز کا قول کیا کہ مبدا مراد نہیں۔غایت مراد ہے۔ **کانه وضع للسبب و اطلق علی المسبب مجاز ا** مگر یہ رائے غلط ہے۔کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ خدا مجازی معنی میں رحمٰن الرحیم ہوا۔حقیقی معنی میں نہیں اور قاعدہ یہ ہے شیر حقیقی بہادر ہے۔ آدمی مجازا شیر ہے۔اگر مجازی معنی کی نفی کی جائے تو یہ بات درست ہو سکتی ہے کہ **الرجل لیس باسد** تو اس قاعدہ کے تحت یہ کہنا صحیح ہو۔کہ **الله لیس برحیم فی الحقیقه**

اس لیے یہ قول صحیح نہیں۔صحیح رائے یہ ہے کہ ان بزرگوں نے یہ تعریف رحمۃ مطلقہ کی نہیں کی، رحمت انسانی یا رحمت حیوانی کی کی ہے۔اس لیے قلب کا لفظ لائے۔اور صحیح تعریف جو ہمارے خیال میں ہے وہ یہ ہے۔**ایصال النفع سواء کان برقة القلب اوبتعلق الارادة** رقت قلب سے رحمت کا صدور حیوانات سے مختص ہے۔اور ارادہ سے رحمت کا صدور اللہ تعالیٰ سے مختص ہے۔رحمت کی تحقیق آگے آئیگی۔

(قسط۱۹)

مالک یوم الدین۔(ا) یوم کا اطلاق دو معنوں میں ہوتا ہے ایک عرفی ایک شرعی۔عرفی معنی کے اعتبار سے یوم کا اطلاق **من الصبح الصادق الی غروب الشمس** پر ہوتا ہے۔اور کبھی اس کا اطلاق بلا تخصیص طلوع و غروب مطلق وقت پر ہوتا ہے، جیسے قرآن پاک میں ہے یوم تبدل الارض غیر الارض۔ الآیة کیونکہ اس وقت نہ طلوع ہوگا نہ غروب، تو مراد مطلق وقت ہے۔

دین کے کئی معنے ہیں۔(ا) **الدین: الجزاء** جیسے ہے کماتدین تدان جیسے تو کریگا ویسا بھریگا۔اور حماسہ میں ہے **دناهم کمادانوا** ہم نے ان کو بدلہ دیا جیسا انہوں نے ہمارے

ساتھ کیا۔(۲) دین کا معنی الشریعۃ آتا ہے۔اور شریعت سے مراد قوانین شرعیہ ہیں جیسے قرآن میں ہے **ان الدین عنداللہ الاسلام** اور یہاں دین سے مراد شریعت ہے۔

ایاک نعبد عبادت کا معنی قاضی بیضاوی نے یہ کیا ہے۔**اقصی غایۃ التذلل** انتہائی درجہ کا ذلیل ہونا۔امام راغب اصفہانی جو قاضی بیضاوی کے استاد تھے، نے عبادت کا معنے **اقصی غایۃ تعظیم** کیا یعنی انتہاء درجہ کی تعظیم.................بظاہر دونوں معنوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے، ہمارے نزدیک ان میں کوئی اختلاف نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت بندہ اور معبود کے درمیان ایک نسبت ہے اور ہر امر نسبی کو جانبین سے تعلق ہوتا ہے۔اس لیے عبادت کا عبد سے بھی تعلق ہے اور معبود سے بھی۔عبد کے اعتبار سے اس کا معنے انتہائی ذلت ہے اور معبود کے اعتبار سے انتہائی عظمت۔اصل معنے کے اعتبار سے عبادت افعال قلوب سے ہے۔اور نماز، روزہ وغیرہ عبادت کے قوالب ہیں۔اور یہ عبادت کے مظاہر ہیں۔اور شریعت نے مظاہر کو ظاہر کا حکم دیا ہے۔اور شریعت کی نظر میں روح وصورت یعنی ظاہر اور مظہر دونوں مطلوب ہیں۔اس لیے اگر کوئی آدمی اپنی انتہائی ذلت اور خدا کی انتہائی عظمت کا تصور ہزار سال کرتا ہے۔مگر ایک نماز کے برابر بھی نہیں۔اس لیے شریعت نے حکم دیا کہ اس کو نماز، روزہ وغیرہ کے قالب میں ظاہر کرو۔ہم اپنی طرف سے قالب نہیں بنا سکتے مثلاً قربانی بھی ایک عبادت ہے۔اگر کوئی ایام مخصوصہ میں ایک بکری ذبح نہ کرے۔جس کی قیمت چالیس روپے ہے اور چالیس ہزار صدقہ کردے۔تو بھی وہ فضیلت حاصل نہیں کرسکتا۔اس لیے کہ روح اور صورت دونوں مطلوب ہیں۔اور ہر حکومت میں یہی قانون ہے۔

مثلاً ایک آدمی نے زمین خریدی اور اس کا اسٹام لکھوایا تو اس کو خاص قسم کا اسٹام لکھوانا پڑتا ہے اور خاص ٹکٹ لگوانے پڑتے ہیں، ۲۵ روپے کے ٹکٹ لگانے پڑے۔اب کوئی شخص ۲۵ روپے کے ٹکٹ لگانے کی بجائے ۱۰۰ روپے کی ٹکٹ لگادے۔تو کوئی عدالت اس کو تسلیم نہیں کرے گی حالانکہ اسٹام کی روح تو موجود ہے مگر صورت موجود نہیں اور مطلوب روح اور صورت دونوں ہیں۔

ایاک نستعین ۔معونت سے ہے۔معونت کا معنی امداد ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں (۱) مایتمکن بہ علی الفعل یعنی جس سے فعل پر قدرت ہوسکے اور (۲) دوم یہ ہے ماتیسر بہ الفعل جس سے فعل آسان ہو۔معلوم ہوا اسباب تمکن اور اسباب تیسیر دونوں کو معونت کہتے ہیں۔

اِھدِنَا الصراط المستقیم

ارباب منطق نے بہت گڑبڑ کی ہے۔آسانی کیلئے ہم کہتے ہیں کہ ہدایت کے دو معنی ہیں (1) **الدلالۃ الموصلۃ الی المطلوب**۔یعنی رہنمائی جو مطلوب تک پہنچائے (2) **الدلالۃ علیٰ مایوصل الی المطلوب** ''یعنی راستہ دکھانا جو مطلوب تک پہنچائے اس لیے اول میں مطلوب تک وصول ضروری ہے اور دوسرے معنی میں مطلوب تک پہنچنا مشکوک ہے۔مثلاً اسٹیشن سے کوئی دارالعلوم مدنیہ کے متعلق پوچھے اور آپ اس کے ساتھ ہولیں اور دارالعلوم مدنیہ پہنچادیں تو یہ دلالتِ موصلۃ ہے اور اگر راستہ بتادیں تو یہ ارأۃ الطریق ہے (یعنی راستہ دکھادینا) اور قرآن میں جو ہدایت کا لفظ مستعمل ہے اس سے دونوں معنی ثابت ہوتے ہیں۔مثلاً آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ ابو طالب ایمان لائیں تو آیت کریمہ نازل ہوئی ''**انک لاتھدِی مَن احببت ولکن اللہ یھدی مَن یَشاء** ''، تو اب ظاہر ہے کہ ''**انک لاتھدی**'' میں ''**اراءۃ الطریق**'' معنیٰ لینا تو درست نہیں ہوسکتا کیونکہ ہر پیغمبر ہادی، راہِ حق دکھانے کے لیے آتا ہے۔اور دوسری جگہ آتا ہے ''**ان ھٰذا القرآنَ یَھدی للتی ھِی اقوم**'' یہاں ہدایت بمعنی ارأۃ الطریق ہے۔

الصراط:

دراصل ''**السراط**'' تھا اور س،ص کا مادہ عربی میں ہوتا ہے اور یہ ''**سرط الطعام اذا ابتلعہ**'' سے ماخوذ ہے جبکہ طعام نگل جائے تو بولتے ہیں ''**سرط الطعام**'' وہ طعام کو نگل گیا۔اور راستے کو **صراط مستقیم** اور طریق کہتے ہیں صراط اس لیے کہا جاتا ہے کہ جیسے مسافر سڑک پر چل رہا ہو تو آنکھوں سے غائب ہوجاتا ہے۔تو ایسے ہی نوالہ حلق سے اتر جانے کے بعد غائب ہوجاتا ہے۔

المستقیم :

مستقیم استقامت سے ہے اور **استقامت اعوجاج** کی ضد ہے۔اعوجاج کی دو قسمیں ہیں (1) اعوجاجِ ذاتی (2) اعوجاجِ اضافی۔اعوجاجِ ذاتی تو یہ ہے کہ ایک چیز میں ذات کے اعتبار سے کجی ہو،مثلاً آپ نے ایک جگہ جانا ہے اور وہاں جو سڑک جاتی ہے اس میں ہیر پھیر ہے۔اور اعوجاجِ اضافی منزل مقصود کے اعتبار سے ہوتا ہے۔مثلاً فی نفسہ سڑک تو بالکل سیدھی سیدھی ہے

لیکن منزل مقصود سے ہٹ کر ہے۔اسی طرح استقامت کی دو قسمیں ہیں اور اسلام ذاتاً اور اضافیاً مستقیم ہے اس میں نہ ذاتاً کجی ہے اور نہ اضافی کجی ہے۔اسلام ہی سب طریقوں سے اقرب راستہ ہے جو مطلوب تک پہنچاتا ہے۔

انعام،غضب،ضلال:

ان الفاظ کی تشریح کی جاتی ہے،انعام کا حقیقی معنیٰ '' **ایصال النفع دنیویاً کان اواخرویاً** ''یعنی نفع کا پہنچانا دنیاوی ہو یا اُخروی اور غضب کا معنیٰ ''**کیفیة نفسانیة توجب الانتقام** ''یعنی وہ نفسانی کیفیت ہے جو انتقام کو واجب کرتی ہے۔اور ضلال کے معنی آتے ہیں (1) فقدان حق: یعنی حق ابھی پہنچا ہی نہیں اسی کو قرآن نے استعمال کیا ہے''**وَوَجَدَکَ ضَالاًّ فھدی ای وجدت فَاقداًللشریعة فھداک ایاھا**'' یعنی اللہ تعالیٰ نے پایا آپ ﷺ کو شریعت نہ پانے والا، پس اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس شریعت کی تعلیم دی۔یہ کوئی عیب کی بات نہیں کیونکہ اس کا معنی ہے کہ حق پہنچا ہی نہیں اور یہ کوئی نقص نہیں۔(2) دوسرا معنی **انحراف عن الحق** ہے یہ بری چیز ہے کہ حق پہنچا ہے،مگر انکار کر دیا اور عام طور پر ہدایت کے مقابل یہی معنی ضلال کا مستعمل ہوتا ہے۔(3) ضلال کا تیسرا معنی خطا ہے،یعنی غلطی۔

تو معلوم ہوا کہ ضلال کے تین معنی آتے ہیں درمیان والا معنی عیب اور جرم کا موجب ہے پہلا اور تیسرا معنی مذموم نہیں جیسے برادران یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے کہا تھا''**قالوا تاللہ انک لفی ضلالک القدیم**'' یعنی پرانی خطائیں ہیں،اتنا عرصہ گذر چکا ہے،اب یوسف کہاں؟ پرانی بات ذہن میں ہے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا''**اذھبوا فتحسسوا من یوسف واخیہ**''یعنی جاؤ یوسف اور اس کے بھائی بنیامین کو تلاش کرو۔البتہ یہ تینوں معنی امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن میں بیان کیے ہیں۔☆☆

☆......☆......☆......☆

شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید مدظلہم

پرانے دوست

سفر حج سے واپسی پر بہاول پور ائیر پورٹ پہنچا تو معلوم ہوا کہ جامعہ دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور کے شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ وفات پا گئے ہیں۔انااللہ و انا الیہ راجعون

مولانا حنیف صاحب رحمہ اللہ ہمارے پرانے دوستوں میں سے تھے،یاد ایسے پڑتا ہے کہ وہ مولانا غلام محمد صاحب رحمہ اللہ کے پاس ''ٹھل حبیب'' اور بعد میں ''پنج کسّی'' میں پڑھتے رہے۔پھر دارالعلوم کبیر والا آ گئے،اُس وقت بندہ دارالعلوم کبیر والا میں مدرس تھا،مجھے خوب اچھی طرح یاد ہے کہ وہ میرے ''قطبی'' کے سبق میں شریک ہو گئے تھے اور خوب اچھی طرح سمجھ کر پڑھتے تھے۔قطبی کے علاوہ اور کون کون سے سبق انہوں نے میرے پاس پڑھے؟اِس وقت مجھے یاد نہیں۔

مولانا عبدالمجید صاحب چوک منڈا والے اور مولانا محمد حنیف صاحب مرحوم نے 1963ء میں اکٹھے دارالعلوم کبیر والہ سے دورہ حدیث کیا تھا۔اور 1965ء میں مولانا محمد حنیف صاحبؒ کا دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور میں بطور مدرّس تقرر ہوا۔اس دوران شاید وہ پڑھتے رہے۔

تصوف میں اُن کا تعلق حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب گیارہ چک، چیچہ وطنی والوں سے تھا،اُن کے بعد مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ ہڑپہ والوں سے تعلق رہا،اُن کی طرف سے خلافت بھی ملی۔

بہت اچھی زندگی گزاری،شوگر کے مریض تھے۔اُن کا اٹھ جانا بڑا سانحہ ہے،اہل علم کا اٹھنا قبض علماء میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے،کوتاہیاں وسیأت معاف فرمائے، پس ماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے اور'' دارالعلوم مدنیہ'' کی کمی کو پورا فرمائے۔آمین ☆☆

مولانا حاجی احمد مد ظلہم

عظیم انسان

مجھے یاد ہے کہ مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ ''فاضل عربی'' کی تیاری کرنے یہاں ''گمانی شریف'' تشریف لائے تھے، اُس وقت ابھی طاہر والی میں مدرسہ منتقل نہیں ہوا تھا، اور گمانی شریف میں فاضل عربی کی تیاری کرا کے امتحان دلایا جاتا تھا۔ مولانا حنیف صاحبؒ نے بھی امتحان دیا اور اس میں کامیاب بھی ہو گئے تھے۔

اسی طرح معقولات کی کتب بھی انہوں نے یہاں پڑھی تھیں، اس وقت اصل استاد تو حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب تھے، میں اُن کا نائب تھا۔ ''معقولات'' کی کتب قاضی مبارک، حمد اللہ، شمس بازغہ وغیرہ حضرت نعمانی صاحب رحمہ اللہ پڑھاتے تھے، اور ادب وفلسفہ کی ''امدادی کتب''، مختصر المعانی، مطول، حماسہ، متنبّی، مقامات وغیرہ میرے پاس تھیں۔ مجھے یہ کہنا جچتا تو نہیں ہے، لیکن: انہوں نے میرے پاس پڑھا ہے۔

اگرچہ وہ رُتبے میں مجھ سے بہت اونچے تھے، لیکن قسمت نے اُن کا ہمارے پاس پڑھنا مقدر کیا تھا، اسی لیے وہ اللہ کا بندہ میرا بہت احترام کرتا تھا، اور مجھے استاد، استاد کہتا تھا، سب لوگوں کے سامنے مجھے اپنا استاد کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا تھا۔ بہت عظیم انسان تھا، اللہ اُسے جنت نصیب کرے۔

جب میں دار العلوم مدنیہ جاتا تو میرے سامنے دوزانو بیٹھے رہتے، اور بے حد احترام سے نوازتے تھے۔ اللہ اس کی مغفرت کرے بہت ہی عجیب انسان تھا، اللہ اُس سے خوش وراضی ہو جائے۔

چار پانچ سال قبل وہ بیمار تھے تو میں بہاول پور اُن کے گھر تیمارداری وعیادت کے لیے حاضر ہوا تو خود باہر تشریف لائے، اور بہت ہی احترام سے پیش آئے۔ پھر اللہ نے اُن کو شفا دیدی اور پڑھاتے رہے۔ جب وقت موعود آیا تو چل بسے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

وفات کا بندہ کو علم ہو گیا تھا، الحمد للہ جنازہ میں حاضری ہوئی، اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ دے اور اُن کو ہمارے لیے وسیلۂ مغفرت بنائے، آمین۔ ☆☆

شیخ التفسیر مولانا منظور احمد نعمانی مد ظلہم

علم وفضل کا آفتاب

1957ء میں یہ فقیر حضرت درخواستی رحمہ اللہ کے پاس دورۂ حدیث کر کے اپنے مادرِ علمی ''جامعہ مخزن العلوم، خان پور'' میں ہی مدرس لگ گیا تھا۔ حضرت درخواستی رحمہ اللہ تفسیر، حدیث و دیگر منقولات کا خاص ذوق رکھتے تھے، اس لیے منقولات میں تو اُن سے خوب استفادہ کیا، لیکن معقولات میں ابھی تشنگی باقی تھی، لہٰذا شعبان رمضان کی سالانہ تعطیلات میں ''جامعہ انوریہ، حبیب آباد، گمانی شریف'' میں حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ کی خدمت میں معقولات پڑھنے کی غرض سے حاضر ہوا اور شرح تہذیب، سلّم وغیرہ کتب پڑھیں، بحمد اللہ تعالیٰ بہت ہی فائدہ ہوا۔ دوسرے سال پھر سالانہ تعطیلات میں حاضری دی اور شمس بازغہ وغیرہ کتب پڑھیں۔

اُسی دوران شیخ الحدیث حضرت العلام مولانا حنیف صاحب رحمہ اللہ بھی ''گمانی شریف'' تشریف لائے اور معقولات میں حضرت نعمانی سے استفادہ کیا۔ بندہ کی اپنے مادرِ علمی آمد ورفت رہتی تھی، وہاں پڑھنے والے اکثر طلباء کرام بندہ سے مانوس تھے۔ اس کے بعد ملاقات تو یاد نہیں، البتہ اُن کے تلامذہ سے اُن کے احوال سننے کو ملتے رہے، آپس میں سلام دُعا کا سلسلہ بھی جاری رہا، ماشاء اللہ بہت ہی ذی استعداد اور مضبوط عالم تھے اور باعمل بھی تھے۔ اور اخلاص اور عاجزی اس پر مستزاد۔ یعنی علمی وروحانی شخصیت تھے، اس کے باوجود اکابر پر بھرپور اعتماد بھی فرماتے تھے۔ عرصہ دراز تک مولانا مرحوم نے دین متین کی خدمت کی، مسند حدیث پر کئی سال فائز رہے، آج اُن کے سیکڑوں فیض یافتہ علمائے کرام علم کی شمعیں روشن کیے ہوئے ہیں۔ یہ اُنہی کا صدقہ جاریہ ہے۔

بندہ اپنے عزیز استاذ العلماء مولانا مفتی عطاء الرحمٰن سلمہ الرحمٰن اور ان کے رفقاء، تلامذہ اور متعلقین سے اظہار ہمدردی کرتا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل دے، اُن کی حسنات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اُن کی سیئات سے درگزر فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مراتب پر فائز فرمائے۔ اُن کے تلامذہ ومتعلقین کو ان کا نعم البدل دے اور اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین وماكان قيسٌ هلكهٗ هلك واحدٍ ولكنّه بنيانُ قومٍ تهدّما

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم ☆

آفتاب علم وعمل غروب ہوگیا

دل زخم زخم لوگو! کوئی ہے جسے دکھائیں؟ کوئی ہم نفس نہیں ہے، غم جاں کسے سنائیں؟

شمس العلماء حضرت العلام، مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ کے شاگردِ رشید اور حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ [چک گیارہ، چیچہ وطنی] کے فیض یافتہ اور حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ [ہڑپہ] اور حضرت مولانا عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ [راولپنڈی] کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد حنیف صاحب شیخ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ بہاول پور ۲۵ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ بمطابق 12 اکتوبر 2012ء بروز جمعۃ المبارک کو نمازِ مغرب کے بعد انتقال فرماگئے اناللہ وانا الیہ راجعون۔ کل من علیھا فان، کل نفس ذائقۃ الموت۔

سنت الٰہیہ اور ابدی قانون ہے کہ تسلیم وانقیاد اور رضا بالقضاء کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، ہم اُن کی محبتوں، شفقتوں اور دعاؤں سے محروم ہوگئے۔ بالخصوص دارالعلوم کے طلباء اور سیکڑوں شاگرد، مریدین ومتوسلین بے سہارا ہوگئے۔

آپؒ ۱۹۴۰ء میں بستی لدھی علاقہ ''عبدالحکیم'' میں حضرت حافظ خدا بخش رحمہ اللہ کے گھر پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد اور مولانا غلام محمد رحمہ اللہ سے حاصل کی، مزید تعلیم کے لیے دارالعلوم کبیروالہ میں داخلہ لیا، حضرت مولانا عبدالخالق رحمہ اللہ [بانی: دارالعلوم کبیروالہ، وسابق استاذ: دارالعلوم دیوبند] ومولانا علی محمد صاحب رحمہ اللہ ومولانا منظور الحق رحمہ اللہ، ومولانا ظہور الحق رحمہ اللہ (فضلائے دارالعلوم دیوبند) جیسی نابغۂ روزگار شخصیات سے کسبِ فیض کیا، اور ۱۹۶۲ء میں فاتحہ فراغ پڑھا، اسی دوران گمانی شریف میں فاضل عربی کیا اور حضرت مولانا حبیب اللہ گمانوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ جیسے جبالِ علم سے شرفِ تلمّذ حاصل ہوا۔ بعدہ ۱۹۶۴ء میں جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں درجہ تخصص فی التفسیر میں داخلہ لیا اور حضرت افغانی ونعمانی جیسے جبابذہ علم

☆شیخ الحدیث ومدیر: دارالعلوم مدنیہ......فرزند: حضرت مولانا محمد شریف بہاول پوری رحمہ اللہ

وعبقریٔ زمانہ حضرات سے علم حاصل کیا۔

سلوک واحسان میں خانوادۂ رائے پور کے متوسلین میں سے تھے اور بہاول پور میں خانقاہ رائے پور کے فیض سے مخلوق کو فیضیاب فرماتے رہے۔ یذھب الصالحون الاول فالاول وتبقی حفالۃ کحفالۃ الشعیر او تمر [الحدیث]

دارالعلوم مدنیہ میں تقریباً بیالیس (۴۲) سال پڑھایا اور ہر چھوٹی بڑی کتاب کا درس دیا، سال کی ابتداء میں جو کتاب بھی آپ کے سپرد کردی جاتی، کبھی انکار نہیں فرمایا۔ اور نہ یہ فرمایا کہ تبدیل کر کے فلاں کتاب دے دی جائے۔ اس عرصہ میں نہ تو دارالعلوم کے مطبخ سے کچھ کھایا اور نہ ہی کبھی مشاہرہ کا تقاضا یا ترقی واضافہ کا مطالبہ کیا۔

تقویٰ اور پرہیزگاری کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے، اُن کی زندگی میں کوئی عمل بھی خلاف سنت نہیں تھا، اور یہی اُن کی سب سے بڑی کرامت ہے۔

بالآخر ۲۵ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ کو تمام طلباء، علماء اور معتقدین کو سوگوار چھوڑ کر جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ عیدگاہ میں جنازہ ادا کیا گیا۔ ایک جم غفیر نے شرکت کی اور ۲۶ ذوالقعدہ کو ون یونٹ کے قریبی قبرستان میں امانت کو سپرد کردیا گیا۔ ☆☆

☆......☆......☆......☆

☆...... فرمایا: ''ایک مرتبہ گھر گیا تو لیٹ ہوگیا، کچھ ناغہ کر کے آیا، مدرسہ کے قانون کے مطابق کچھ دن روٹی بند رہی، میں وہی اپنا آٹا باورچی سے پکوا کر کھاتا رہا، مولانا عبدالخالق رحمہ اللہ نے باورچی سے پوچھا کہ محمد حنیف کی تو روٹی بند ہے، پھر وہ کیسے گزارہ کر رہا ہے؟ کیا آپ اسے روٹی دیتے ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں، یہ اپنا آٹا لے آتے ہیں تو میں صرف پکا کر دیتا ہوں۔ مولانا خاموش ہوگئے۔

جب وہ مقررہ دن گزر گئے تو مَیں درخواست لے کر مولانا عبدالخالق رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ ''حضرت! غلطی ہوگئی ہے، آئندہ ناغہ نہیں کروں گا۔'' مولانا عبدالخالق رحمہ اللہ نے فرمایا: ''غلطی نہیں بے باکی ہے۔'' اور درخواست منظور فرما کر کھانا جاری فرمادیا۔

☆......☆......☆......☆

مولانا رشید احمد مدظلہم ☆

میرے دوست

ہمارے بہت ہی پیارے دوست شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب بھی رحلت فرماگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون

ایک طویل عرصہ تک ہم ایک ہی مدرسہ دارالعلوم مدنیہ بہاول پور میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے، شیخ الحدیث صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ان گنت خوبیوں سے نوازا تھا، وہ کامل ولی، کثرت سے ذکر کرنے والے، خاموش طبع اور خوش اخلاق آدمی تھے، خوبصورت بھی تھے اور خوب سیرت بھی، جب بھی ملاقات ہوتی مسکراتے ہوئے سلام کرتے، مدرسہ میں وقت پر آتے، طلبہ کا وقت ضائع نہیں کرتے تھے، بھرپور محنت کرتے تھے، اپنے مسلک میں کسی قسم کی لچک نہیں رکھتے تھے، ڈھیلے نظریات والے پیروں کے سخت مخالف تھے، اپنے معاصرین، تلامذہ اور مریدین سے بہت محبت کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک دعوت پر ہم اکٹھے تھے، میں نے ایک آم اٹھایا تو میرے ہاتھ سے چھین لیا اور فرمایا: ''تمہیں شوگر ہے، آم کیوں کھاتے ہو؟'' میں نے کہا: موت تو اپنے وقت پر آئے گی، آم کھانے سے کیا ہوتا ہے؟ فرمایا: ''موت تو اپنے وقت پر آئے گی، لیکن ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالمنان صاحب کو جامع مسجد الصادق دکھانے کے لیے آئے ہوئے تھے، میری ملاقات ہوگئی اور اس طرح میں نے بھی حضرت مولانا عبدالمنان صاحب سے مصافحہ کرنے کی سعادت حاصل کرلی۔

ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

☆ سابق استاذ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ......خطیب: جامع مسجد الصادق، بہاول پور

مولانا عطاء اللہ مدظلہم

سابق استاذ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ......حال استاذ الحدیث: جامعہ امدادیہ فیصل آباد

قابلِ تقلید اوصاف کے حامل

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ اُن لوگوں میں سے تھے جن پر اللہ رب العزت کا خصوصی فضل وکرم ہوتا ہے اور انکی تمام زندگی دین متین کی خدمت کے لیے وقف رہتی ہے۔ ایسی ہی ہستیوں میں ایک روشن نام حضرتؒ کا تھا۔ آپ کا وجود مسعود خیر وبرکت کا سبب تھا۔ آپ میں قدرت نے قابل تقلید اوصاف ودیعت کر رکھے تھے۔

یقیناً آپ کی شخصیت اس لائق ہے کہ آپ کے حالات زندگی سے آگاہی حاصل کی جائے، آپ کی سوانح سے راہ نمائی لی جائے، اور آپ کے نقوش قدم کو نشانِ راہ بنا کر زندگی کا سفر طے کیا جائے۔ مجلّہ ''صفدر'' کی انتظامیہ کی یہ سعی لائقِ تحسین ہے۔ خدا کرے اِن کی یہ کاوش مفید اور نافع ہو۔

اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی حسنات کو قبول اور لغزشات سے درگزر فرما کر جنت الفردوس کے بالا خانوں میں مقام نصیب فرمائے۔ آمین۔ ☆☆

☆......☆......☆......☆

☆...... آپ کی آمد پر ہماری کلاس کے احباب ''دارالحدیث'' (جو کہ دوسری منزل میں تھا، اس) سے نیچے ایک کمرے میں آتے، بعض ساتھی تاخیر سے آتے، کئی دفعہ تو آپ نے نرمی سے فرمایا کہ: جلدی آیا کرو۔ جب آپ نے دیکھا کہ اس کا خاطر خواہ اثر نہیں ہو رہا تو ایک دن تاخیر سے آنے والوں کو کھڑا کر دیا اور جلال میں فرمایا: ''مجھے طریقہ آتا ہے کہ سب وقت پر آئیں۔'' جب آپ نے یہ جملہ ادا فرمایا، اُس وقت آپ کے چہرے پر اس قدر رعب تھا کہ ہم سب ڈر گئے اور حیران رہ گئے۔ کیونکہ ہم تو آپ کی شفقت ہی شفقت دیکھتے چلے آرہے تھے، اچانک پانسا پلٹا تو حیران رہ گئے۔ لیکن پھر فوراً ہی استادِ محترم نے ان ساتھیوں کو بٹھا دیا اور پھر چہرے پر وہی نرمی اور شفقت پھیل گئی جو دلوں کو موہ لیتی تھی۔

مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہم

ایک دیا اور بُجھا......اور بڑھی تاریکی

پچیس ذوالقعدہ کی شب کو خانوادہ رائپور کے عظیم سپوت جامعہ مدنیہ بہاول پور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب نور اللہ مرقدہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر اپنے ہزاروں شاگردوں متعلقین اور اہل وعیال کو سوگوار چھوڑ گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا نے ۱۹۶۱ء میں حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہ سے بیعت کا تعلق قائم کیا اور پھر حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہ کے خلیفہ مجاز حضرت حاجی حافظ محمد صالح (خلیفہ مجاز حضرت مولنا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ) کے فرزند ارجمند حضرت مولنا عبدالعزیز صاحب رائپوری چک ۱۱ چیچہ وطنی فاضل دارالعلوم دیوبند نور اللہ مرقدہ سے تعلق قائم رکھا۔ بندہ کا ابتدائی تعارف بھی چک ۱۱ میں ہوا۔ حضرت گیارہ والوں کی نسبت کا اثر یہاں تک لیا کہ انہی کی طرح ساری زندگی سادگی اور قناعت سے گزار دی۔ حضرت گیارہ والوں کی زیارت کرنے والے لوگ خوب جانتے ہیں کہ ان میں انانیت کی بُو تک نہ تھی۔

ایک مرتبہ خود فرمایا کہ حضرت رائپوری نور اللہ مرقدہ نے تہجد کے وقت مجھے بلایا اور فرمایا کہ اب مخلوق خدا کو اللہ اللہ سکھایا کرو (مقصود اجازت بیعت تھی) میں نے سوچا حضرت بھول گئے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں عبدالعزیز ہوں۔ حضرت رائپوری رحمہ اللہ نے فرمایا ہاں آپ کو ہی کہہ رہا ہوں۔ پھر خیال آیا کہ عبدالعزیز بھی کئی ہیں شاید حضرت کے تصور میں کوئی اور عبدالعزیز ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضرت میں عبدالعزیز گجر ہوں رائے پور گجراں سے۔ حضرت نے پھر فرمایا بھائی آپ کو پہچانتا ہوں آپ ہی کو کہہ رہا ہوں۔ حضرت گیارہ والے فرماتے تھے کہ مجھے اس پر بڑی پریشانی ہوئی۔ بہر حال مولانا محمد حنیف صاحب نور اللہ مرقدہ میں بھی وہی سادگی اور عاجزی انکساری تھی، کوئی دیکھنے والا دیکھ کر یہی سمجھتا تھا کہ کوئی دیہاتی ہے۔ بندہ بعض اوقات ملاقات کیلئے جاتا تو بڑی خوشی کا اظہار فرماتے ایک تو پیر بھائی ہونے کی وجہ سے دوسرے برادرِ کبیر حضرت اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ کی وجہ

سے۔

ایک دفعہ فرمایا کہ ہم ابتداء میں یہی سمجھتے تھے کہ مولانا اوکاڑوی رحمہ اللہ کے پاس چند چٹکلے ہیں، جن میں غیر مقلدین کو پھنسا لیتے ہیں مگر ان کے قریب ہونے سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم لدُنی دیا تھا پھر پروفیسر عبداللہ بہاولپوری سے ایک مناظرہ کا واقعہ سنایا کہ ہم پروفیسر کی مسجد میں چلے گئے۔ موضوع تقلید کا تھا۔ حضرت اوکاڑوی نور اللہ مرقدہ نے اپنی دلیل میں **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لاتعلمون** آیت پڑھی۔ حافظ عبداللہ نے بہت سی تفاسیر کے حوالے دینے شروع کئے کہ **اھل الذکر** سے مراد علمائے یہود ونصاریٰ ہیں، ائمہ مجتہدین کے بارہ میں یہ آیت نازل نہیں ہوئی۔ مولانا محمد حنیف صاحب نور اللہ مرقدہ نے فرمایا کہ ہم بھی بہت پریشان ہوگئے کہ واقعی اس آیت کا شانِ نزول علماء یہود ونصاریٰ ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ مگر مولانا اوکاڑوی کھڑے ہوئے اور مسکراتے ہوئے فرمایا کہ سامعین حضرات مسئلہ بہت ساحل ہو گیا ہے۔ تھوڑا سا رہ گیا ہے۔ گویا ہاتھی گزر گیا ہے اس کی دم رہ گئی ہے۔ کیونکہ حافظ عبداللہ صاحب یہ تو مان گئے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں مسئلہ تقلید ہے، مگر وہ یہ کہتے ہیں کہ علمائے یہود ونصاریٰ کی تقلید ہے، ہم کہتے ہیں کہ اگر علمائے یہود ونصاریٰ کی تقلید درست ہے تو ائمہ مسلمین کی تقلید بدرجہ اولیٰ درست ہوگی۔ یہ غیر مقلد صرف یہودیوں کی تقلید کرنے کو تیار ہے۔ ائمہ مجتہدین کی تقلید کرنے کیلئے تیار نہیں۔ حافظ عبداللہ سے کچھ جواب نہ بن سکا صرف یہ کہتا ہوا اٹھ گیا کہ یہ شخص تمہیں دھوکہ دے رہا ہے۔

ایک دفعہ سخت گرمی میں بندہ جامعہ مدنیہ حاضر ہوا۔ طبیعت ناساز ہونے کے باوجود سبق پڑھانے کیلئے تشریف لائے تھے، واپس جاتے ہوئے ایک چادر پانی میں بھگو کر اوپر لے لی اور موٹر سائیکل پر بیٹھ کر گھر روانہ ہوگئے۔

حضرت مولانا محمد حنیف نور اللہ مرقدہ کے تفسیری جواہر پارے نور بصیرت میں شائع ہونے شروع ہوئے تھے جو انتہائی مفید تھے، مگر چند ہی قسطوں کے بعد رسالہ ہی حوادثات کا شکار ہوگیا۔ کاش کہ ان کے شاگرد ان کے علمی جواہر پاروں کو لباس اشاعت سے آراستہ کردیں جو حضرت کا صدقہ جاریہ بن جائے۔

حضرت گیارہ والوں کے بعد آپ کا تعلق حضرت مولانا عبدالمنان راولپنڈی اور حضرت

مولانا ولی محمد صاحب ہڑپہ والوں نور اللہ مرقدھما سے رہا، حضرت مولٰنا عبدالمنان صاحب خادمِ خاص حضرت اقدس رائپوری نے آپ کو خلافت بھی عنایت فرمائی مگر عاجزی انکساری کی بنا پر اپنے متعلقین کو حضرت اقدس سید نفیس شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ خلیفہ مجاز حضرت اقدس رائے پوریؒ کی طرف متوجہ فرماتے رہے۔ ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

دل کے مرض اور دیگر جسمانی امراض کا مقابلہ کرتے ہوآ خر جگر کے کینسر میں مبتلا ہو کر راہی دارالبقاء ہوئے۔ اللہ تعالیٰ پس ماندگان کو صبر و جمیل سے نوازے اور کروٹ کروٹ آپ کو جنت کی لازوال نعمتیں نصیب فرمائے۔ رفقید و لے نہ از دلِ ما

ان اللہ ما اخذ و لہ ما اعطیٰ و کل شئی عندہ الی اجل مسمی ۔

☆......☆......☆......☆

☆...... آپ علالت وضعف کی وجہ سے دیہاتی طلباء سے ''دیسی انڈے'' منگواتے تھے، لیکن ان کے پیسے ضرور دیتے تھے۔ ایک روز ہمارے ایک ساتھی نے عرض کیا، استاد جی! پیسے رہنے دیں، میں لے آؤں گا۔ تو فرمایا: ''نہیں! پیسے ضرور لو۔ یہ طریقہ تو ٹھیک نہیں ہے کہ استاد بن بیٹھا اور طالبوں کو لوٹتا رہا۔'' اسی طرح دیسی مرغ بھی منگواتے تو پیسے دے کر بھیجتے۔ اگر کوئی اپنی خوشی سے از خود ہدیہ لے آتا تو قبول فرما لیتے، ہدیہ سے انکار نہیں فرماتے تھے۔

☆...... دوا منگوانی ہوتی تو اس طالب علم کو بھیجتے تھے جو اچھی اور سستی لے آئے، ہمارے ایک ساتھی کے والد صاحب حکیم تھے، وہ ساتھی خود بھی کچھ حکمت کا کام جانتے تھے، دواخانوں کے مالکان سے ان کی واقفیت بھی تھی اور دوائی کی پہچان بھی۔ استادِ محترم اکثر اُن کو بھیجا کرتے تھے۔ لیکن پیسے ضرور دیتے تھے۔ بغیر پیسوں کے قبول نہ فرماتے تھے۔

☆...... فرمایا: ''پہلے مسجد والے 2,000 دیتے تھے، پھر کہنے لگے کہ چندہ کم ہوتا ہے، ہم 1,500 دیا کریں گے، میں نے کہا کوئی بات نہیں، 1,500 دے دیا کرو۔''

☆...... فرمایا: ''شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمہ اللہ کے خلیفہ شاہ سکند صاحب ذکر کرتے تھے، تو دورانِ ذکر لذت آتی تو پھر عشقیہ اشعار شروع کر دیتے۔ پھر ذکر کرتے، لذت آتی تو عشقیہ اشعار شروع کر دیتے۔ یہ جائز ہے، لیکن قوالی، گانے وغیرہ یہ جائز نہیں۔''

مولانا حفیظ الرحمٰن ربانی مدظلہم

گمانی شریف کی یادیں

شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ ہمارے انتہائی محترم و مکرم اور قابل فخر ساتھی تھے، عمر میں مجھ سے کچھ بڑے تھے۔ ۱۹۵۹ء/۱۹۶۰ء میں ہم حضرت مولانا حبیب اللہ گمانوی رحمہ اللہ کے مدرسہ ''جامعہ حبیبیہ'' گمانی شریف میں حضرت مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ (صدر مدرس) کے پاس اکٹھے پڑھتے تھے، حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کے علاوہ مولانا رحیم بخش صاحب مدیر: جامعہ محمودیہ صادق آباد......مولانا سید عبداللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ، سکھر......مولانا عبدالغفور مکی صاحب، شکار پور سندھ، حال مقیم مکہ مکرمہ......مولانا عبدالمجید صاحب، چوک منڈا......اور مولانا محمد موسیٰ صاحب بھی ہمارے ہم کلاس ساتھیوں میں ہیں۔ اُس وقت وہاں کل ۸۰ طلباء تھے۔

حضرت گمانوی صاحب رحمہ اللہ تو اس وقت خاصے ضعیف تھے، کوئی سبق نہیں پڑھاتے تھے، البتہ کبھی کبھی چند مخصوص ساتھیوں کو مسجد میں ''ردالمختار'' سبقاً پڑھاتے تھے، ان میں مولانا حنیف صاحب رحمہ اللہ بھی شامل تھے۔

البتہ حضرت نعمانی صاحب رحمہ اللہ قاضی مبارک، حمد اللہ، شمس بازغہ اور میبذی وغیرہ پڑھاتے تھے، جبکہ مختصر المعانی حضرت حاجی احمد صاحب مدظلہم کے پاس تھی۔ اس کے علاوہ کچھ سبق حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ بھی پڑھاتے تھے۔

مولانا حنیف صاحب رحمہ اللہ انتہائی لائق اور ذی استعداد ہونے کی بنا پر اپنے اساتذہ کے منظورِ نظر تھے۔ اساتذہ کو ان پر بہت اعتماد تھا، اسی لیے حضرت گمانوی صاحبؒ نے آپ کو اپنی کلاس کا نگران اور امیر بنا دیا تھا۔ واقعۃً آپ اس کے لائق بھی تھے۔

زمانہ طالب علمی سے ہی مولانا حنیف صاحب کو ''تدریس'' کا شوق تھا، اس لیے ان کو تکرار میں مہارت تھی، جبکہ میرا شوق ''تقریر'' کی طرف تھا، جمعرات کی بزم میں مَیں تقریر کیا کرتا تھا، کبھی باہر کسی جگہ مدرسہ کی نمائندگی کی ضرورت ہوتی تو تقریر کے لیے مجھے بھیجا جاتا تھا۔

اساتذہ کے اسباق کو سمجھنے، ضبط اور حفظ کرنے میں مولانا حنیف صاحبؒ سب سے آگے تھے، اور تمام طلباء کو سب سے پہلے تکرار بھی مولانا حنیف صاحب رحمہ اللہ ہی کرواتے تھے۔ کبھی کبھی تو حضرت نعمانی صاحب رحمہ اللہ شوق اور محبت میں مولانا حنیف صاحب رحمہ اللہ سے فرماتے کہ: میرے سامنے بیٹھ کر تمام طلباء کو تکرار کراؤ، اور آپ نعمانی صاحب کی موجودگی میں سب کو تکرار کراتے تھے۔ جو صلاحیت اللہ تعالیٰ نے آپ میں رکھی تھی وہ آپ کے ہم کلاس ساتھیوں میں سے کسی میں بھی نہیں تھی۔

اس وقت موجود طلباء میں سے دو طلباء کا انتخاب حضرت نعمانی صاحب نے بطورِ خاص کیا تھا کہ ان میں تدریس کی اہلیت ہے۔ ۱......مولانا محمد حنیف رحمہ اللہ ۲......مولانا عبدالمجید صاحب، چوک منڈا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اُن کی کرامت ہی تھی کہ جن دو طلباء کا انہوں نے انتخاب کیا وہ دونوں کامیاب ترین مدرس رہے اور بالآخر ''شیخ الحدیث'' کے منصب پر فائز ہوئے۔

خوش اخلاقی، ملنساری اور ساتھیوں سے برتاؤ میں بھی آپ سب سے نمایاں تھے، دو سال ہم ایک کمرے میں رہے، مجھے یاد نہیں کہ دو سال میں کبھی انہوں نے اپنے رفقائے کمرہ کو شکایت کا موقع دیا ہو۔ ہر کسی کے ساتھ بہت اچھے طریقے سے پیش آتے تھے۔

آپ پنجابی تھے، جبکہ وہاں سرائیکیوں کی کثرت تھی، عام طور پر سرائیکیوں اور پنجابیوں کی کم ہی بنتی ہے، اگرچہ دینی مدارس کی تربیت اور علمی وروحانی ماحول کی وجہ سے یہ چیز نہیں ہوتی یا بہت ہی کم ہوتی ہے، اور یہ دین کی برکت ہے۔ آپ میں بھی ذرہ بھر بھی تعصب نہ تھا، سرائیکی احباب سے آپ کی محبت وتعلق مثالی تھا۔ کبھی بھی آپ نے یہ فرق نہیں کیا کہ یہ سرائیکی ہے اور یہ پنجابی۔

ایک مرتبہ جب سکندر مرزا گیا اور ایوب آیا، اس وقت کی بات ہے کہ ''قحط'' پڑ گیا، کھانے کا راشن بالکل ختم ہو گیا، کہیں سے کچھ بھی دستیاب نہیں ہوتا تھا، فاقوں تک نوبت پہنچ چکی تھی، ادھر سیم زدہ علاقہ ہونے کی وجہ سے مچھروں کی بھرمار تھی، اس قدر مچھر کہ خدا کی پناہ۔ ایسے ایسے مچھر تھے کہ بڑی مکھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

بھوک کی شدت، فاقوں، مچھروں کی تکلیف اور دیگر مصائب کی بنا پر کچھ طلباء مدرسہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، اور انہوں نے جانے کا ارادہ کر لیا۔ جب مولانا حنیف صاحبؒ کو معلوم ہوا تو سب طلباء کو اکٹھا کیا اور فرمایا: کیا ایسی تعلیم کسی اور جگہ ہے؟ کیا ایسے ماہر استاد کہیں اور ملیں گے؟ اصل

مقصد تو ہمارا تعلیم ہے، جب وہ مقصد پورا ہو رہا ہے تو ہم یہاں سے کہیں اور کیوں جائیں؟ باقی رہا مسئلہ روزی کا اور پریشانی کا، تو سب اللہ سے مانگیں، ان شاء اللہ جلد ہی یہ پریشانی ختم ہو جائے گی۔

استاد گمانی صاحب کی اہلیہ تمام طلباء کا کھانا خود تیار کرتی تھیں، اسی (۸۰) طلباء کے کھانے کا انتظام پابندی سے بروقت کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا، مگر وہ بڑی استقامت اور پامردی سے یہ کام کرتیں۔ مولانا حنیف صاحب نے اس کا حوالہ بھی طلباء کو دیا کہ: یہاں ہمیں گویا کہ ماں کے ہاتھ کی روٹی نصیب ہوتی ہے، ایسی شفیق ماں ہمیں اور کہاں ملے گی؟ ایسی روٹی ہمیں کہاں نصیب ہوگی؟ کیا ہوا اگر چند دن فاقہ آ گیا، ہم سب صبر سے کام لیں اور اللہ کی طرف رجوع کریں۔ ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ خزانۂ غیب سے انتظام فرما دیں گے۔ آپ کی ترغیب کا اثر ہوا اور کوئی ایک طالب علم بھی نہ گیا۔

اس رات میں نے خود دیکھا، حضرت گمانوی رحمہ اللہ تہجد کے وقت مسجد میں تشریف لے گئے، نماز پڑھی اور بہت ہی لجاجت سے اللہ کی بارگاہ میں آہ وزاری کرنے لگے، آپ کے الفاظ آج بھی مجھے یاد ہیں، آپ زار وقطار روتے ہوئے بار بار فرما رہے تھے: ''یا اللہ! میرے بچے بھوکے ہیں۔ یا اللہ! میرے بچے بھوکے ہیں، ان کے لیے انتظام فرما دے۔''

حضرت گمانوی رحمہ اللہ اور ان کے پیارے شاگرد مولانا حنیف صاحب رحمہ اللہ کی دعا کی برکت تھی کہ صبح ہی صبح فجر کے متصل بعد سامان سے لدی ہوئی ایک ریڑھی مدرسہ کے پاس آ کھڑی ہوئی، حضرت گمانوی صاحب نے مولانا حنیف صاحب کو بلا کر فرمایا: مولوی حنیف! تُو نے طلباء کو تسلی دی، اللہ کی طرف رجوع کا کہا، اللہ نے تیری سُن لی ہے، سامان آ گیا ہے، جا! وہ ریڑھی سامنے کھڑی ہے، سامان اتار لے۔

ایک مرتبہ میں ''ون یونٹ'' میں مولانا حنیف صاحب کو ملنے گیا تو آپ نے مسجد میں اعلان کیا کہ آج ہمارے ساتھی درس دیں گے، لوگوں نے مجھے دیکھا تو کہنے لگے کہ: یہ تو آپ کے شاگرد معلوم ہوتے ہیں۔ تو انہوں نے اُن کو بتایا کہ: یہ میرے شاگرد نہیں، گمانی شریف کے ساتھ ہیں۔ ہم اکٹھے پڑھتے رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا حنیف صاحب کی کامل مغفرت فرمائے۔ اُن کے درجات بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب کرے۔ پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین ☆☆

مولانا نورمحمد تونسوی مدظلہم

خوش قسمت انسان

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ اُن خوش قسمت انسانوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے حدیث رسول اللہ ﷺ کی خدمت کے لئے چن لیا، یہ ایک بہت بڑا اِعزاز ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو عطا فرماتے ہیں:

این سعادت بزور بازو نیست　　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ اور اس کے نیک بندوں کے ہاں یہ اتنا بڑا اِعزاز ہے کہ حضرت مولانا محمد عمر پالن پوری رحمہ اللہ رائے ونڈ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر اپنے بیان میں فرمایا کرتے تھے کہ: میں ایک مدرسہ میں گیا اور وہاں کے شیخ الحدیث کو کسی علیحدہ کمرہ میں لے گیا اور عرض کیا کہ آپ مجھے منہ کا بوسہ لینے دیں! جس منہ سے آپ اللہ کے نبی ﷺ کی حدیث پڑھاتے ہیں۔ دیکھئے! یہ تو اللہ کے نیک بندوں کے ہاں عزت نصیب ہو رہی ہے۔ نہ معلوم اللہ کے ہاں کتنی عزت ہوگی۔ چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے فضائل درود میں لکھا ہے کہ امام ابوزرعہ مشہور محدث کی وفات کے بعد کسی شخص نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرشتوں کے ساتھ اُڑ رہے ہیں، پوچھا کہ: آپ کو یہ اعزاز کیسے نصیب ہوا؟ جواب دیا کہ: میں نے اپنے ان ہاتھوں سے اللہ کے نبی ﷺ کی چھ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں اور جب بھی حضور اکرم ﷺ کا نام آتا تھا میں ان کے ساتھ درود شریف لکھا کرتا تھا اور مجھے یہ عزت درود شریف کے لکھنے کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے، کیونکہ محدثین رحمہم اللہ جب حدیث لکھتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو حضور ﷺ کے نام کے ساتھ درود شریف لکھتے یا پڑھتے ہیں۔

ہمارے واجب الاحترام شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سالہا سال جامعہ دارالعلوم مدنیہ بہاولپور میں طلباء کو درس حدیث دیا، آپ خاموش طبیعت کے مالک تھے، مسلک اکابر علماء اہل السنۃ دیوبند پر پختگی سے کاربند رہے، آپ حدیث کی تعلیم کے ساتھ ساتھ طلباء کو فرق باطلہ کی تردید بھی پڑھایا کرتے تھے۔

بندہ عاجز ایک دفعہ جامعہ دارالعلوم مدنیہ حاضر ہوا، دل نے چاہا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی زیارت کرلوں، جب کہ وہ طلباء کو درس حدیث دے رہے تھے، آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب کے توسط سے مجھے زیارت کی اجازت مل گئی، آپؒ نے سبق موقوف کردیا، بندہ عاجز نے مصافحہ کیا اور دعا کی درخواست کی، آپ نے میرے حق میں دعا فرمائی اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا میرے حق میں قبول فرمائی ہوگی۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث صاحب کو جنت الفردوس کا اعلیٰ درجہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم ☆☆

☆......☆......☆......☆

☆...... غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "غنیۃ الطالبین" میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ نقل فرمائی ہے جس کا ترجمہ ہے کہ "آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو میرے صحابہ کو برا کہے گی، پس ان کے ساتھ مل کر نہ بیٹھنا، ان کے ساتھ مل کر نہ کھانا پینا، ان کے ساتھ نکاح نہ کرنا، ان کے ساتھ مل کر نماز نہ پڑھنا اور نہ ان کا نماز جنازہ پڑھنا" استاد محترم نے اپنی ساری زندگی اس حدیث مبارکہ پر عمل پیرا ہوکر ہر مقام پر عملاً اس کا مظاہرہ فرمایا۔

اس سلسلہ میں یہ یاد رہے کہ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ فرماتے تھے: نماز جنازہ ایک عبادت ہے کوئی رسمی یا رواجی چیز نہیں، اہل سنت نماز جنازہ میں چار تکبیر کہتے ہیں اور شیعہ پانچ تکبیر کے قائل ہیں، شیعہ کے ساتھ کلمہ اسلام سے لے کر نماز جنازہ تک ہر چیز میں اختلاف ہے، پھر وہ کیوں سنی کے جنازہ میں آئیں؟ یا سنی ان کے جنازہ میں کیوں جائے؟ شیعہ کی کتاب "تحفۃ العوام" کا حوالہ بھی بیان فرماتے جس میں شیعہ کو ان کے نام نہاد امام کہتے ہیں کہ: "اگر کسی سنی کا نماز جنازہ پڑھو تو پانچویں تکبیر میں اس کے لیے بددعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کے پیٹ کو جہنم کی آگ اور انگاروں سے بھر دے۔" حضرت اقدس فرماتے کہ: کیا آپ یہ گوارا کرسکتے ہیں کہ کوئی آپ کے عزیز پر دعا کی بجائے اس قسم کی بددعا کرے......؟

☆......☆......☆......☆

مفتی محمد اسماعیل مدظلہم☆

میرے محسن

پیر طریقت، رہبر شریعت، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی کچھ عرصہ بیمار رہ کر بالآخر سیکڑوں ہزاروں طلباء علماء منتسبین ومتوسلین کو چھوڑ کر اس دار فانی سے رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون بقول کسے یہ سرائے دہر مسافرو! بخدا کسی کا مکاں نہیں ''کل نفسٍ ذائقۃ الموت'' کا امر بی تو اٹل ہے جس سے کسی نفس بشر کو مفر نہیں اور لدو اللموت وابنو اللخراب'' کا مشاہدہ بھی روزمرہ کا معمول ہے، البتہ بعض جانیوالے اپنی مخصوص صفات کے باعث خوبیوں کے مالک ہوتے ہیں کہ پسماندگان اور متعلقین کو مدتوں رُلا جاتے ہیں۔

بندہ کا اگرچہ باضابطہ رشتہ تلمذ حضرت شیخؒ سے نہیں تھا، مگر حضرتؒ نے اپنے بہت سے تلامذہ کی بنسبت کہیں زیادہ شفقت واحسان کا برتاؤ اس ناچیز سے فرمایا، بندہ کی تدریسی زندگی کا آغاز دارالعلوم کراچی سے ہے، وہاں ابھی تیسرا ہی سال تھا بندہ ششماہی امتحان کی تعطیلات میں گھر آیا ہوا تھا کہ ۱۹ جنوری ۱۹۸۶ء کو حضرت والد مرحوم (جو کہ استاذی حضرت نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمدرس وہم سبق تھے) موٹر سائیکل پر بہاول پور جاتے ہوئے ایک حادثے میں جاں بحق ہو گئے، بعدازاں والدہ محترمہ بندہ سے اصرار فرمانے لگیں کہ کراچی سے واپس آ کر اپنے علاقہ میں دینی خدمت کرو۔ اس کی تقریب بھی عجیب ہوئی۔

حضرت شیخؒ اس سے کچھ عرصہ قبل عمرہ کیلئے تشریف لے گئے تھے، خیال آیا کہ حج کر کے جاؤں مگر قانونی طور پر اجازت نہ مل سکی تو بندہ کے بڑے بھائی حاجی سراج احمد صاحب زید مجدہم (جو ان دنوں مع بچوں کے مکہ مکرمہ میں مقیم تھے اور والدہ محترمہ بھی وہیں تھیں) کے مکان پر حج تک ایام پوشیدگی گزارے، بھائی صاحب کی اہلیہ محترمہ اور والدہ مرحومہ نے حضرت شیخؒ کے کھانے، ناشتے وغیرہ کا انتظام کئے رکھا حتیٰ کہ حضرت شیخؒ نے متعدد دفعہ بندہ سے فرمایا مولانا اسماعیل! وہاں مکہ پاک میں

☆ مدیر: جامعہ خلفاء راشدین احمد پور شرقیہ

آپکی والدہ نے میری بہت خدمت کی، حق تعالیٰ ان کو اس کا خوب خوب اجر عطا فرمائے۔ وہاں بھائی صاحب سے فرمایا کہ مدرسہ اسلامی مشن کی انتظامیہ کے اصرار پر شاید میں جامعہ مدنیہ چھوڑ کر چلا جاؤں۔ تم مولانا اسماعیل سے کہو کر وہ کراچی سے بہاول پور آنے کا ذہن بنائیں، بھائی صاحب نے مجھے فون پر کہا کہ حضرت کا ایسا ارادہ ہے۔ اگر وہ فرمائیں تو کراچی سے بہاول پور چلے جانا اور یہ کہ میرا مشورہ بھی یہی ہے کہ اس طرح والدہ محترمہ کے بھی قریب ہو جاؤ گے۔

ادھر رجب کے آخر میں سالانہ امتحانات کے دوران خود حضرتؒ کا فون آگیا کہ ''کاکا تو آنڑاں ای تے دس، میں تے سویرے آنواں گا تے شام نوں چلا جایا کراں گا، پچھے نگرانی وغیرہ ساری تیرے ذمہ ہووے گی۔'' میں نے عرض کی حضرت! ذرا سوچنے اور مشورہ کرنے کا موقع دیا جائے ......فرمانے لگے تیرے بھائی سراج صاحب نے وی تینوں آکھیا ہونڑا اے، تے میں مدرسہ دی کمیٹی نال گل کر لئی اے، تینوں رہائش ومکان وی دینڑ گے......اس کے بعد بندہ نے مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب زید مجدہم کی خدمت میں تحریری استعفیٰ پیش کر دیا۔

دوسرے دن مولانا عثمانی زید مجدہم نے مجھے دارالاہتمام میں بلوا بھیجا، میں حاضر ہوا تو میرا استعفیٰ سامنے رکھا ہوا تھا، پوچھا یہ کیوں لکھا ہے؟ آپ کو یہاں دارالعلوم میں کیا پریشانی ہے؟، میں نے عرض کیا کہ والد صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد سے والدہ محترمہ کا مسلسل اصرار ہے کہ واپسی آجاؤ......فرمانے لگے ہم آپ کی رہائش کا انتظام کر دیتے ہیں۔ آپ والدہ محترمہ کو یہاں لے آئیں......میں نے عرض کیا وہ دیہاتی مزاج عورت ہیں اور پورے خاندان سے الگ اتنی دور کراچی آ کر میرے بچوں کے ساتھ رہنے پر راضی نہ ہونگی......فرمانے لگے کہ ہمارا تو آئندہ سال سے یہ پروگرام ہے کہ آپ کو صرف ترجمہ قرآن پاک کے تین سبق (درجہ ثالثہ درجہ رابعہ اور درجہ خامسہ میں) دیے جائیں اور آپ اس میں دو تین سال لگا کر خوب تیاری کر لیں تا کہ سالانہ تعطیلات میں یہاں دارالعلوم میں دورہ تفسیر کا انتظام کیا جائے، جیسا کہ پنجاب کے بعض مدارس میں ہے (کہ ان سالوں میں ایک طبقے کا مسئلہ حیات ممات اور وسیلہ وتوسل میں خاصہ سخت رویہ تھا) اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت دی ہوئی ہے، ایک تو آپ نے حضرت شیخ مولانا سرفراز صفدر صاحب مدظلہ العالی سے دورہ تفسیر پڑھا ہوا ہے۔ دوسرا یہ کہ آپ کا پڑھانے کا سلیقہ اور سمجھانے کا انداز اچھا ہے کہ میں نے سنا

ہے (حضرت عثمانی مدظلہ اس زمانے میں اسباق سننے کیلئے بعض درسگاہوں کا چکر لگایا کرتے تھے اور اوٹ میں ہو کر کچھ دیر سبق سنا کرتے تھے)......بہر حال دوسرے دن بندہ پھر دارالاہتمام میں حاضر ہوا اور خاصی منت کے بعد رخصت اور اجازت حاصل کر لی۔ البتہ رخصت کرتے وقت کمال شفقت سے مولانا عثمانی مدظلہ نے فرمایا کہ الحمدللہ حق تعالیٰ نے دارالعلوم کو مستغنی فرمایا ہے۔ کسی جانے والے کو کبھی نہیں روکا......صرف آپ سے کہہ رہا ہوں کہ اگر دس سال بعد بھی آپ دارالعلوم واپس آئیں گے تو آپ کو یہاں تدریس کا موقع دیا جائیگا۔ پنجاب کے مدارس میں عموماً بدنظمی کی شکایت ہوتی ہے ممکن ہے آپ وہاں نہ چل سکیں۔ یہاں والا نظم آپ کو وہاں نہ ملے گا......بہر حال بندہ دارالعلوم کراچی سے رخصت ہو کر بہاولپور حضرت شیخؒ کے ہاں اسلامی مشن میں حاضر ہو گیا۔

یہاں شوال میں تعلیم کا آغاز ہوا تو عجیب اتفاق کہ استفتاء (سوالات) تحریری شکل میں بھی خاصے آنے لگے، یہ حضرت شیخؒ کی نظر شفقت ہی تھی کہ اساتذہ کرام میں سے مجھے ہی بلا کر فرمایا کہ میرے پاس اب اتنا وقت نہیں ہوتا کہ ان کے جوابات میں خود لکھوں۔ آپ کتب فتاویٰ سے جوابات بحوالہ لکھ لیا کریں۔ اصلاح اور تصحیح میں کر دیا کروں گا، بندہ نے عرض کی حضرت! یہ تو بڑی ذمہ داری کا نہایت مشکل کام ہے، مجھ سے کیسے ہو سکے گا؟......فرمانے لگے اللہ تعالیٰ نے استعداد اور صلاحیت تو دی ہے جوان آدمی ہو، ہمت کرو! کہیں ناشکری نہ ہو اور محرومی کا سبب نہ بن جائے...... بندہ اگرچہ اسوقت دارالعلوم کراچی میں تخصص فی الفقہ میں پڑھائے جانے والے اصول کلیات اور ضوابطہ کی کاپی جو مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ پڑھایا کرتے تھے، کا بار بار مطالعہ کر چکا تھا اور اس طرح کتب فقہ سے کسی قدر مناسبت پیدا ہو جانے پر فتاویٰ شامی، امداد الفتاویٰ، امداد الاحکام......وغیرہ کتب فقہ کا مطالعہ بھی شروع کر رکھا تھا، ہاں باقاعدہ کسی ماہر کی نگرانی میں فتویٰ نویسی کی مشق نہ ہوئی تھی، سوحُسن اتفاق سے حق تعالیٰ نے حضرت شیخؒ کی صحبت میں یہ صورت پیدا فرما دی، بحمداللہ بندہ نے یہ ذمہ داری بھی لے لی اور اس میں اس قدر محنت ومشقت کی کہ دوسرے ہی سال شوال میں حضرت شیخؒ نے تسلی کیلئے فرما دیا کہ ماشاءاللہ افتاء کے کام سے آپ کو مناسبت پیدا ہو چکی ہے اور اردو انگریزی تعلیم کے باعث تحریر کا سلیقہ بھی آپ کا خوب ہے، بس اب مہر لگا کر کے فتویٰ دے دیا کرو، مگر بایں ہمہ تسلی واعتماد بندہ نے کبھی کوئی فتویٰ حضرتؒ کی تائید وتصدیق کے بغیر جاری نہ کیا۔

ایک دفعہ پیر محمد علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وراثت کے متعلق ایک استفتاء لے کر تشریف لائے، بندہ نے حضرت شاہ صاحب مرحوم کے استفتاء کا جواب لکھا، فرمانے لگے لکھ لیا ہے تو مجھے دو! میں نے عرض کیا، حضرت! حضرت شیخؒ کی تصدیق کے بغیر نہیں دے سکتا۔ انتظار فرماتے رہے، حضرت شیخؒ کسی مجبوری کے باعث خاصی دیر کے بعد تشریف لائے تو تصدیق کرا کر فتویٰ حاضر کیا تو نہایت خوش ہوئے اور دعا دیتے چلے گئے، یاد پڑتا ہے کہ ایک طلاق کے مسئلہ میں مشاورت کیلئے حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب زید مجدہم جامعہ مدنیہ سے حضرت کے پاس تشریف لائے تو اس سلسلہ میں حضرت شیخؒ نے اس بندہ کو بھی درسگاہ سے بلوایا......

حضرت شیخؒ اساتذہ کرام کو بیدار رکھنے کیلئے کبھی کبھی دوران سبق تشریف لے آتے، بندہ ایک دفعہ ہدایہ ثالث کا سبق پڑھا رہا تھا کہ اچانک حضرت تشریف لے آئے، بندہ دیکھ کر اٹھنے لگا تو فرمایا بیٹھو پڑھاؤ میں سبق سننے آیا ہوں......کچھ دیر سنتے رہے بحمداللہ مطمئن ہو کر تشریف لے گئے۔

حضرت شیخؒ کا تکیہ کلام ''کاکا'' یا ''مولانا'' ہوتا اور ان ہر دو الفاظ میں عجیب شفقت اور مٹھاس بھرا ہوتا تھا، ہاں جب کسی کی شرارت یا حرکت نازیبا سامنے آتی تو سخت الفاظ میں تنبیہ بھی فرماتے مثلاً ''او بائی مان! اے کی کیتا اِی''؟

ایک دفعہ درجہ حفظ کے ایک استاد صاحب سے، ایک بچے کو سزا دیتے ہوئے اس کا بازو ٹوٹ گیا بندہ نے اس دن حضرت شیخؒ کو غصے میں دیکھا، بندہ کو بلوا کر فرمایا مولانا اسماعیل! اے ساڈے قاری صاحب دا حال اے، اپنی سختی تے مار شرعاً جائز وی ہے؟ میں تے انہاں قاری صاحبان تو بڑا تنگ ہاں......کچھ اسطرح کے الفاظ فرمائے۔

حضرت شیخؒ مدرسہ کے معاملات میں خاصے محتاط تھے، اپنا کھانا گھر سے ٹفن میں لے آتے جو اسباق کے بعد گرم کرا کر کھا لیتے، ایک دفعہ مدرسہ میں تین علماء خطیب صاحبان آ گئے تو حضرت شیخؒ نے ان کیلئے اپنی جیب سے ہوٹل سے کھانا منگوایا، چونکہ سبزی دال کا سالن تھا، تو ان حضرات نے بے رغبتی تھوڑا سا کھا کر بقیہ رکھ دیا۔ مجھے یاد ہے کہ برتن دیکھ کر حضرت نے فرمایا یہ لوگ جب اتنے اونچے ہیں تو ہمارے پاس کیوں آتے ہیں؟ آخر آنیوالے مہمان کا اکرام اپنی ہمت کے مطابق تو کرنا ہی پڑتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (طاہر والی) کے دو قریبی عزیز کسی امتحان کے

سلسلے میں تقریباً ایک ماہ بہاولپور میں رہائش کے متمنی تھے، غالباً حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے سفارشی رقعہ لیکر آئے تھے، بندہ نے ان سے کہا کہ حضرت مہتمم صاحب آجائیں، ان سے عرض کرتے ہیں......جب صورتحال عرض کی گئی تو مجھے فرمانے لگے: ''کاکا! کسی دنیاوی امتحان دی غرض نال کسے مدرسے وچ رہناتے رہائش تے روٹی دافائدہ حاصل کرنا شرعاً جائز وی ہے......؟'' پھر فرمایا: ''میری طرف توں انہاں حضرات نوں آکھو، کہ مینوں اے درست نئیں لگدا، اس واسطے مجبوری تے معذرت اے''۔ غالباً ان میں سے کسی صاحب نے عرض کی ایک آدھے سبق بھی پڑھ لیا کرینگے فوراً فرمایا: انما العبرۃ للمقاصد''۔

ایک دفعہ کمیٹی کے جنرل سیکرٹری عبدالمجید مرحوم سے اختلاف ہوگیا تو فون کرتے ہوئے فرمانے لگے، محمد حنیف اور عبدالمجید ہنڑ دونوں اکٹھے نہیں چل سکدے کہ اک داکم ہے حدیث پڑھانا اور دوئے داکم اے لوہا کٹنا اور سیمنٹ ویچنا'' بات کھری کھری بغیر لگی لپٹی کے کہہ دینا حضرت شیخ کی عادت مبارک تھی، وہ اپنے حلقہ سے لوگوں کے اصرار پر کونسلر بنے تو لوگوں کے بڑے کام کیے۔ حتیٰ کہ آپ کی دیانتداری اور بےلوثی کی مثال دی جاتی۔

تصوف کی لائن میں حضرت شیخ سلسلہ چشتیہ سے منسلک تھے، حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کے خلفاء اور منتسبین سے گہرا لگاؤ اور تعلق تھا اور اسی لڑی میں پروئے ہوئے تھے ۱۹۶۱ء مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے، انکی وفات کے مولانا عبدالعزیزؒ [چیچہ وطنی والوں] سے تعلق رہا، بعدازاں مولانا ولی محمد رحمہ اللہ [ہڑپہ والوں] سے نسبت رہی، ان کی وفات کے بعد مولانا عبدالمنان صاحب [راولپنڈی والوں] سے منسلک ہوگئے۔

تیسرے سال کے آخر میں حضرت شیخ اور مدرسہ کی کمیٹی کے حضرات کے مابین اختلافات خاصے اُبھر آئے، ادھر جامعہ قاسم العلوم ملتان کے صدر مفتی آنکھوں میں نزول آب کی وجہ سے معذور ہو گئے، ان حضرات کے سامنے بندہ کے چند فتاویٰ جات آئے تو وہاں کے مہتمم صاحب سال کے آخر میں اسلامی مشن تشریف لائے اور اپنا مدعا ظاہر کیا، بندہ نے حضرت شیخ کے سامنے صورتحال رکھی، فرمانے لگے، ''کاکا! اناں کمیٹی والیاں دا حال تے توں دیکھ لیا اے، جس قاسم العلوم وچ افتاء اور تدریس دوناں شعبہ جات وچ کم دا موقع ہے، تاں کوئی حرج نہیں......میرا وی کوئی پتہ نہیں'' (حضرت شیخ صاحبؒ بھی ایک دو

سال بعد دوبارہ جامعہ مدنیہ واپس چلے گئے) حضرتؒ کی اجازت سے بندہ قاسم العلوم ملتان چلا گیا۔

اس کے دوسال بعد قریبی شہر احمد پور شرقیہ میں حق تعالیٰ نے کام کی سبیل پیدا کردی اور مارچ 1992ء سے یہاں تعلیمی کام شروع کردیا۔ یہاں مدرسہ خلفاء راشدین احمد پور شرقیہ میں بھی حضرتؒ دودفعہ تشریف لائے اور مدرسہ کے بارے کچھ مفید باتیں اور مشورے ارشاد فرمائے۔ حق تعالیٰ حضرت شیخ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ہم تمام متعلقین کی طرف سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین یا الٰہ العالمین ☆☆

☆......☆......☆......☆

☆...... فرمایا: ''لیلۃ القدر تمام رات ہوتی ہے، ایک ساعۃ والی بات غلط ہے۔ مولانا عبدالخالق محدث رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ بعض حضرات کو بیدار کردیا جاتا ہے، حضرت بنوریؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت کو بھی بیدار کردیا جاتا تھا۔''

☆...... فرمایا: ''اہل علم کے لیے تعیین اوقات للعلم جائز ہے، اس لیے کہ وہ اس تعیین کو ''ثواب'' نہیں ''آسانی'' سمجھتے ہیں، جیسے ہر جمعرات کا درس۔ لیکن گیارہویں وغیرہ بدعات ہیں۔ کیونکہ انہیں ثواب سمجھا جاتا ہے۔''

☆...... فرمایا: ''بیوی کو تین طلاق دے کر بڑے مسکین بن کر آجاتے ہیں کہ بہت غصے میں طلاق دی ہے، کیا منعقد ہوجائے گی؟ کاکا! کیا کوئی خوشی میں بھی طلاق دیتا ہے؟''

☆...... فرمایا: ''حقوق العباد نہایت اہم ہیں، اپنے ساتھی کے لیے بھی وہی پسند کیا کرو جو اپنے لیے کرتے ہو۔'' پھر فرمایا: ''ایک بزرگ کے گھر میں بہت چوہے تھے، ان کی وجہ سے بہت پریشانی تھی، کسی نے کہا کہ بلی رکھ لیں، چوہے بھاگ جائیں گے، تو ان بزرگ نے عجیب جواب دیا، فرمایا: نہیں! میں بلی رکھوں گا تو چوہے دوسروں کے گھر جائیں گے، تو اُن کو ایذاء ہوگی۔ جو چیز میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہ دوسرے کے لیے کیوں کرو؟ اس لیے بلی نہیں رکھتا۔''

☆......☆......☆......☆

مولانا قاضی محمد اسرائیل گڑنگی

اکابر کی حقیقی نشانی

محترم المقام مولانا سرفراز حمزہ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی!

شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف رحمہ اللہ اس دور کے ایک عظیم انسان اور درویش عالم دین تھے، ان کی قدر اُن کے وصال کے بعد معلوم ہوئی ہے۔ وہ ہمارے اکابر کی حقیقی نشانی اور اُن کی روایات کے امین تھے۔ آپؒ کے وصال سے ایک بڑا خلا پیدا ہوا ہے جو پر ہوتا نظر نہیں آتا، دلی تمنا بھی تھی اور کوشش بھی، مگر لمبے سفر کی وجہ سے حضرت رحمہ اللہ کے جنازے میں شرکت نہ ہوسکی۔ آپؒ کے لیے دعا اور ایصال ثواب کے فاتحہ خوانی کرائی گئی ہے۔

مرحوم کے عظیم خاندان کے تفصیلی احوال جاننے کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ فرمائیں جن میں جٹ گوت کی عظمت رفتہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ [۱] شاہان گوجر، مؤلفہ: مولانا عبدالمالک۔ [۲] تاریخ گوجراں، مؤلفہ: حافظ عبدالحق سیالکوٹی۔ [۳] تاریخ ضیاء البیان، مؤلفہ: پروفیسر عبدالغنی الازہری۔ [۴] تاریخ گوجراں، مؤلفہ: چوہدری محمد حسن سیف۔ [۵] تاریخ گوجر، مؤلفہ: رانا علی حسن چوہان۔ [۶] اے شارٹ ہسٹری آف گوجرز، مؤلفہ: رانا علی حسن۔ [۷] گوجر گونج، مؤلفہ: اکبر خان اجنالوی۔ [۸] گوجر اتہاس۔ [۹] امپیریل گورجرز۔ مؤلفہ: کے ایم منشی۔ [۱۰] گوجری ادب، مؤلفہ: ڈاکٹر صابر آفاقی۔ مرحوم کے خاندان پر میرا ایک مضمون ''ذوطی خاندان......اور......امام ابوحنیفہ نعمانؒ'' اگر مل جائے تو ملاحظہ فرمائیں۔

ایسے پیکر علم وفضل حقیقت میں صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں، جن کا فیض جاری وساری رہتا ہے۔ مولانا مرحوم بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ ہم دُعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

والسلام مع الاکرام......آپ کا مخلص......قاضی محمد اسرائیل گڑنگی۔

بروز منگل......۲۰ ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ......6 نومبر 2012ء......۲۲ کاتک ۲۰۶۹، بکرم گجراتی

حافظ محمد انیس صاحب☆

میرے والد ماجد رحمہ اللہ

اٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے اربابِ نظر
گھٹتے جاتے ہیں میرے دل کو بڑھانے والے

حضرت والد صاحبؒ نے ایک غریب گھرانے میں آنکھ کھولی، آپ کے والدؒ (ہمارے دادا مرحوم) کا نام حافظ خدا بخش تھا، جو کہ عبدالحکیم نزد میاں چنوں موضع ''لاہی'' میں امام مسجد تھے اور بچوں کو قرآن پاک پڑھاتے تھے، اسی رزق سے انہوں نے محترم والد صاحبؒ کی پرورش کی۔ آپ کی والدہ (ہماری دادی مرحومہ) بھی نہایت متقی پرہیزگار خاتون تھیں، شاید یہ انہی کی تربیت کا اثر تھا کہ آپ دینی علوم کی طرف راغب ہوئے۔ قرآن پاک کی تعلیم بھی انہیں سے حاصل کی۔ دادی صاحبہ کو بھی حضرت والد صاحب سے بہت محبت تھی کیونکہ آپؒ بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے، وہ اکثر آپؒ کے پاس بہاولپور رہتیں۔ ان کی وفات بھی بہاول پور میں ہوئی اب وہ اور والد محترم رحمہ اللہ ''ون یونٹ'' والے قبرستان میں مدفون ہیں۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم!
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے؟

ہمارا بچپن

جب میں نے آنکھ کھولی تو ایک شفیق ہستی کو اپنا نگران پایا جنہوں نے صرف دین اور دینی خدمات ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا نہیں بنائے رکھا بلکہ انہوں نے حقوق العباد کا خیال رکھتے ہوئے گویا کہ اپنی زندگی ہمارے لیے وقف کردی تھی۔

ہوش وحواس گم ہوئے کیسا فراق ہے — کر کے عجیب حال وہ کہاں کھو گیا
آسانیاں چلی گئیں ساری اسی کے ساتھ — جینا بھی اب محال ہے وہ کہاں کھو گیا
وہ مزا، وہ حظ، وہ دورِ مے کشی جاتا رہا

☆ ابن شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف رحمہ اللہ

زندگی اب کیا ہے کیفِ زندگی جاتا رہا

مجھے اچھی طرح یاد ہے ان کا کوئی لمحہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد سے غافل نہیں گزرتا تھا۔ وہ بدعتیوں کے آگے ایک بہت بڑی ڈھال تھے۔ خاص طور پر انہوں نے ون یونٹ جامع مسجد اور اس کے اردگرد علاقہ میں صحیح دینی ماحول بنانے کے لیے دن رات جو محنت کی، ان شاء اللہ اس کا اثر ایک عرصے تک رہے گا۔ ان کے دن کا آغاز تہجد اور تفسیر قرآن کے مطالعہ سے ہوتا تھا، روح المعانی، معارف القرآن، بیان القرآن سے استفادہ فرماتے۔ صبح نماز کے بعد درس قرآن دیتے، جس سے بہت لوگوں کی اصلاح ہوئی۔

خدا کی یاد میں دنیائے دُوں سے جو منہ موڑے ہیں
وہی انسان اچھے ہیں، مگر افسوس تھوڑے ہیں

آپ کے قریبی احباب

حاجی کریم بخش جو کہ آپ کے درسِ قرآن میں شرکت فرماتے تھے۔ جب والد صاحبؒ موجود نہ ہوتے تو آپ کی جگہ وہ درس قرآن دیا کرتے تھے، وہ والد صاحبؒ کے اتنا قریب تھے والد صاحبؒ کی بات اور ان کی بات ایک ہوتی تھی۔ حاجی کریم بخش سیٹلائٹ ٹاؤن ہائی سکول میں استاد تھے۔ جو کہ جلدی وفات پاگئے اور والد صاحبؒ کو تنہا چھوڑ گئے۔ یہ بھی پیر بھائی تھے۔ ایک اور ساتھی سردار محمد سلیم صاحب تھے جو کہ آپ کے پیر بھائی تھے وہ بھی والد صاحبؒ سے پہلے وفات پاگئے۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے، والد صاحب کا انہوں نے ہر مشکل گھڑی میں ساتھ دیا، کوئی بھی رکاوٹ آجاتی تو وہ اس کے آگے ڈھال بن جاتے تھے۔

باطل کے آگے چٹان

بریلویوں نے بہت کوشش کی وہ ون یونٹ مسجد پر اپنا قبضہ جمالیں، لیکن وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔ والد صاحبؒ ہمیشہ حق ڈٹ کر بیان کرتے تھے وہ کبھی کسی سے نہ ڈرتے تھے۔

کھلی آنکھوں سے جو کچھ دیکھتا ہوں صاف کہتا ہوں
کسی کے ڈر سے ظلمت کو ضیاء کہہ دوں یہ مشکل ہے
مجھے زنجیر پہنادو! مجھے سولی پہ لٹکادو!

مگر میں راہزن کو راہنما کہہ دوں یہ مشکل ہے

وہ بعض دفعہ حکمرانوں کے خلاف جمعہ کے خطبہ اور عیدین کے خطبہ میں اتنی سخت بات کرجاتے تھے کہ لوگ پریشان ہوجاتے تھے، لیکن والد صاحبؒ کے پایۂ استقلال میں ذرا بھی نرمی نہیں آتی تھی۔ اسی وجہ سے اکثر لوگ خفا بھی ہوجاتے تھے۔ بھٹو دور میں والد صاحبؒ نے گرمیوں میں بکثرت نہانا چھوڑ دیا تھا۔ میں نے اس بابت پوچھا تو فرمایا: کہ پتا نہیں کب جیل جانا پڑ جائے، تو یہ نہانے کی عادت تنگ کرے گی۔

والد صاحبؒ کے معمولات

صبح فجر کی نماز کے بعد درس قرآن، پھر تھوڑی سیر کرتے کیونکہ آپ کو شوگر کا مرض لاحق تھا۔ گھر آکر ناشتہ کرتے، ساتھ ہی ان احادیث کا مطالعہ فرماتے جو آپ نے مدرسے جا کر پڑھانا ہوتی تھیں۔ مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔ آپؒ نے خود مجھے قرآن پاک حفظ کروایا۔ مغرب کے بعد سبق یاد کرواتے صبح کو سبق اور سبقیاں سنتے، مدرسے میں اپنے شاگردوں سے منزل سنواتے یا خود سن لیتے۔ پھر شام کو عصر تک گھر پہنچتے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ والد صاحبؒ مدرسے سائیکل پر جاتے تھے اور میں ان کے پیچھے بیٹھتا تھا، اس سے پہلے آپؒ دارالعلوم مدنیہ پیدل تشریف لے جاتے تھے اور واپسی پر ون یونٹ پیدل واپس آتے۔ کچھ فرصت ہوئی تو سائیکل خرید لی، رات کو عشاء کی نماز کے بعد درس حدیث کا معمول تھا اور اتنے شوق سے درسِ حدیث بیان فرماتے تھے جو کہ دیکھنے کے قابل ہوتا تھا۔ درود شریف کی کثرت فرماتے تھے۔ مسجد میں یا گھر میں اونچی آواز سے لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ آخر میں پھر خاموش ذکر فرمانے لگ گئے تھے۔ آپ نے مزدوری بھی کی تھی۔ کہتے تھے گندم کی بڑی بوری کمر پر اٹھاتا تھا۔ ہمیں بھی ہمیشہ محنت کی تلقین کی۔

کوئی کیوں کسی کا لبھائے دل، کوئی کیوں کسی سے لگائے دل
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے

ہمارے محسن

مجھے اور میرے چھوٹے بھائی عبدالعزیز کو اور بہن کو قرآن پاک خود پڑھایا۔ دینی تربیت بھی کی اور دین کی طرف راغب کرنے کی بے حد کوشش کی۔ قرآن حفظ کرانے کے بعد مجھے، انگریزی،

ریاضی خود پڑھاتے تھے، حالانکہ ان کے معمولات میں فراغت بالکل نہ تھی، لیکن جو محنت انہوں نے ہم پر کی، شاید ہی کوئی والد ایسی محنت اپنی اولاد پر کر سکے۔ یہ انہیں کی محنت تھی کہ میں نے میٹرک سے ایم اے، بی ایڈ تک تعلیم حاصل کی۔ اور آج الحمدللہ دونوں بھائی برسر روزگار ہیں۔

چھوٹے بھائی عبدالعزیز جو کہ اسلامیہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں، انہوں نے انجینئرنگ تک تعلیم حاصل کی۔ اب سعودی عرب میں پی، ایچ، ڈی کر رہے تھے، لیکن والد صاحب کی بیماری کی وجہ سے واپس پاکستان آگئے۔

بزرگوں کی قربت:

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب میں چھوٹا تھا تو والد صاحب چیچہ وطنی میں مقیم حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ کے پاس رمضان شریف میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور پورا رمضان ان کی خدمت میں گذارتے تھے۔ میرا اور چھوٹے بھائی کا نام (محمد انیس اور عبدالعزیز) بھی والد صاحب نے حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری رحمہ اللہ کی ہدایت کے مطابق رکھا۔

حضرت مولانا ولی محمد صاحبؒ ہڑپہ والوں سے بھی گہری محبت تھی۔ انہیں کی قربت کی وجہ سے ہڑپہ میں سرکاری نوکری چھوڑ دی جو کہ ایک معلم کی تھی، ایک سکول میں پڑھاتے تھے۔ والد صاحب اکثر اُن کی خدمت میں حاضر رہتے اور انہی کی ترغیب پر خود کو مکمل طور پر دین کے لیے وقف کر دیا۔ ویسے آپ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری سے بیعت ہوئے تھے۔ حضرت مولانا عبدالمنان رحمۃ اللہ علیہ راولپنڈی والے بھی والد صاحب سے بہت محبت کرتے تھے، جب بھی بہاولپور تشریف لاتے تو ہمارے گھر تشریف فرما ہوتے۔ انہوں نے والد صاحبؒ کو خلافت عطا فرمائی۔ والد صاحبؒ جس طرح ان کی خدمت کرتے تھے وہ قابل تحسین تھی۔ اس طرح بزرگوں کی خدمت میں انہوں نے تصوف وسلوک کی منازل طے کیں۔

جس قلب کی آہوں نے دل پھونک دیئے لاکھوں
اس قلب میں یااللہ! کیا آگ بھری ہوگی؟

والد صاحبؒ میں اتنی سادگی تھی کہ وہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ جو کچھ میں نے دیکھا، اُن کی زندگی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل نمونہ تھی، کوئی کام بھی اتباع سنت سے ہٹ کر نہیں کرتے تھے،

چاہے کوئی ناراض بھی ہو جائے۔

کس کس کمال کا کوئی اب تذکرہ کرے؟ ان کے تو ہر کمال میں لاکھوں کمال ہیں!

اساتذہ سے محبت واُنس

اپنے استاد حضرت مولانا غلام محمدؒ مقیم کبیر والا ضلع خانیوال کو بہت یاد کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ان کی وجہ سے آج میں دین کا عالم ہوں، نہیں تو شاید دنیا کے عام لوگوں کی طرح ہوتا۔ استاد کے حکم پر کئی کئی میل دور جا کر گندم پسوا کر آتے۔ ابتدائی تعلیم آپؒ نے اُنہی سے حاصل کی تھی اور حضرت مولانا غلام محمدؒ کے ساتھ ان کی وفات تک تعلق رہا۔ دارالعلوم کبیر والہ سے درس نظامی کیا۔ اپنے وہاں کے اساتذہ کو بھی بہت یاد کیا کرتے تھے۔

''جامعہ اسلامیہ عباسیہ، بہاول پور'' میں تخصص فی التفسیر والحدیث کیلئے تشریف لائے، یہاں پر استاد عبدالرشید نعمانیؒ، مولانا شمس الحق افغانیؒ سے استفادہ کیا۔ یہ لوگ بھی والد صاحبؒ سے بہت محبت کرتے تھے۔ ایک شخص نے مجھے بتایا کہ مولانا شمس الحق افغانیؒ کے پاس لوگ مسائل پوچھنے آتے تھے تو وہ فرمایا کرتے تھے مولوی محمد حنیف سے جا کر مسئلہ پوچھو۔

مولانا عبدالرشید نعمانیؒ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے اور ان سے علمی مباحثے ہوتے۔ مسائل بیان کئے جاتے۔ انہی کے حکم پر والد صاحبؒ نے ون یونٹ کی جامع مسجد کی امامت 1964ء میں سنبھالی۔ اور یہ فرض 45 برس تک نبھایا اور آخر کار فالج کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کی امامت سے سبکدوش ہو گئے اور اس کے بعد صرف دو سال زندہ رہے۔ ستمبر 2010ء میں مسجد کو چھوڑا اور انوار آباد (تھانہ بغداد روڈ نزد جامع مسجد) اپنے گھر میں جو کہ خود اپنے ہاتھوں سے تعمیر کروایا تھا، رہائش پذیر ہو گئے۔

صبر وقناعت:

ایک اور چیز جو والد صاحبؒ کے مزاج کا حصہ تھی وہ انتہاء درجے کا صبر وقناعت تھی۔ مسجد والوں نے صرف 50 روپے مشاہرہ مقرر کیا، یہ 1964ء کی بات ہے۔ اسی میں گزارا کیا۔ 1965ء میں دارالعلوم مدنیہ تشریف لے گئے اور ان سے کہا میں یہاں دین پڑھانا چاہتا ہوں، انہوں نے بلا تنخواہ مقرر کر لیا۔ اس طرح ایک سال تک مدرسے کی خدمت بلا تنخواہ کرتے رہے، آخر کار مولانا غلام مصطفیٰ

(جو کہ مہتمم دارالعلوم مدنیہ تھے)، خدا اُن کی مغفرت فرمائے، اُن کے اصرار کرنے پر شاید 50 روپے ماہوار وظیفہ قبول فرمایا، کیونکہ والد صاحبؒ کا اور کوئی ذریعہ آمدن نہ تھا، نہ زمین تھی نہ کوئی مکان۔ پھر 1967ء یا 1968ء میں شادی بھی ہوگئی۔ لیکن ان کی خاص بات یہ تھی کبھی مسجد والوں سے یا مدرسہ والوں سے تنخواہ بڑھانے کا اصرار نہ کیا، جتنا بھی انہوں نے دیا اسی میں گذر اوقات فرمائی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ گھر میں اتنی برکت تھی ہمیں کبھی بھی کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہوئی، جو دل چاہتا تھا کھاتے تھے، جو دل چاہتا تھا پہنتے تھے۔

والد صاحب گھر سے مدرسے کیلئے جاتے تو کھانا ٹفن میں ساتھ لے جاتے اور دوپہر کا کھانا وہیں تناول فرماتے۔ لوگ صدقہ خیرات زکوٰۃ مدرسے کیلئے آپؒ کے پاس جمع کرواتے تھے اس میں اتنی احتیاط کرتے تھے کہ بیان سے باہر ہے۔ رسید خاص طور پر کاٹتے اور سارا حساب کتاب فرماتے، ذرا بھی شک ہوتا تو اپنی جیب سے پیسے اس میں شامل فرمادیتے۔ ان کی زندگی کا ہر ہر لمحہ اللہ سے ڈر اور اتباع رسول ﷺ کا مظہر تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے وہ گھر جو انہوں نے ہمارے لیے انوار آباد میں بنوایا اس کے پلاٹ خریدنے کیلئے پیسے نہ تھے، لیکن ایسی برکت ہوئی کہ پلاٹ بھی خرید فرمالیا بلکہ مکان بھی تعمیر ہوگیا۔ وہ ہستی جس نے ہمیں اتنی محبت دی اتنا پیار دیا کہ آج جب بھی ان کی یاد آتی ہے تو بے اختیار آنکھوں سے اشک نکل آتے ہیں شاید اتنا شفیق باپ کسی کو نصیب ہوا ہو!

جنہیں دیکھ کر جیتے تھے ہم   وہ لوگ آنکھوں سے اوجھل ہوگئے

غالباً فروری 2008ء میں فالج کا حملہ ہوا جو کہ بائیں طرف تھا لیکن پھر بھی والد صاحبؒ نے ہمت نہ ہاری چلنے کی کوشش کرتے رہے، ان کے شاگردوں نے بھی ان کا بہت ساتھ دیا، آخر کار آپؒ لاٹھی کے سہارے چلنے کے قابل ہوگئے۔ آپؒ ہمیشہ خدا سے دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ کبھی کسی کا محتاج نہ کرنا، اپنی موت تک مدرسے جاتے رہے اور حدیث رسول کا درس دیتے رہے آپؒ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔ اور آخری دنوں میں حالانکہ ہمت ختم ہو چکی تھی لیکن اپنے شاگردوں کو اصرار کرکے وفات سے 10,12 دن پہلے مدرسے تشریف لے گئے اور طلباء کو حدیث شروع کروا آئے۔ یہ ان کا آخری حدیث کا سبق تھا۔

آپؒ پر جتنی بھی تکلیفیں آئیں جتنے بھی بیمار رہے، لیکن ہمیشہ خدا کا شکر ادا کرتے رہے، کبھی

بھی خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوئے۔

والدؒ صاحب کے خاص شاگرد:

مولانا محمد رشید صاحب، مدرس دارالعلوم مدنیہ، مولانا صہیب احمد صاحب، مدرس دارالعلوم مدنیہ، مولانا قاری محمد صادق مدرسہ عثمان وعلی، مولانا محمد صادق، مدرس دارالعلوم مدنیہ۔ مولانا عمر فاروق، مولانا محمد الیاس (جو کہ آپؒ سے بیعت تھے، اور آپ کے خلیفہ بھی ہیں) مولانا جمیل الرحمٰن عباسی اور ہزاروں شاگرد جن کے نام مجھے اب یاد نہیں ہیں بہت محبت کرتے تھے۔ ان کے خاص عقیدت مندوں میں شیخ مختار مرحوم، ان کے بیٹے شیخ عثمان، محترم عبدالمتین، حافظ طالوت صاحب، محترم خلیل شاہ صاحب، قاری منظور احمد صاحب اور سیکڑوں ساتھی جن کے نام مجھے یاد نہیں شامل تھے۔ دارالعلوم مدنیہ اور علاقہ بھر کے بہت سے لوگوں نے آپؒ سے بھی بیعت کی۔ مدرسہ کے طالب علموں کے لیے عید قربان کے موقع پر کھانے کا اہتمام فرماتے تھے اور ہمیں بھی ان کی خدمت کی تلقین کرتے تھے، مدرسہ دارالعلوم مدنیہ کے لیے خاص طور پر قربانی کی کھالیں اکٹھی کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ ''دارالعلوم اسلامی مشن'' میں بھی پانچ سال بطور مہتمم خدمات سرانجام دیں اور دورۂ حدیث شروع کروایا۔ لیکن پھر دوبارہ دارالعلوم مدنیہ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے کام شروع کردیا۔

اسفار حرمین

تین مرتبہ حج بیت اللہ کیلئے تشریف لے گئے 1987ء میں پہلے حج پر گئے تھے وہیں تھے کہ دادا جی کا انتقال ہوگیا، وہاں اطلاع ملی تو واپس آکر بتایا میں وہاں بہت روتا رہا اور دادا مرحوم کے لیے دعا کرتا رہا، پھر 1993ء میں حج کے لیے تشریف لے گئے آخری حج غالباً 2001ء میں فرمایا بیت اللہ اور روضہ رسولؐ کی زیارت کیلئے بہت بے تاب رہتے تھے۔ اور ان گذرے ایام کو یاد کرکے اشک بار ہوجایا کرتے تھے۔

علالت

2011ء جب شعبان، رمضان کی تعطیلات ہوئیں تو والد صاحب بہت بیمار ہوگئے، عارضہ جگر لاحق ہوگیا تھا، ان کو ملتان ''فاطمہ ہسپتال'' لے گئے جہاں ڈاکٹر نوید اسلم نورانی صفت فرشتہ نے بڑی توجہ کے ساتھ والد صاحبؒ کا علاج فرمایا، آخر کار والد صاحب صحت یاب ہوگئے اور دوبارہ شوال

میں مدرسے جا کر پڑھانا شروع کر دیا اور 2012ء شعبان رمضان کی چھٹیوں تک پڑھاتے رہے۔ رمضان کے بعد پھر علیل ہو گئے۔ بار بار بخار ہونا شروع ہوا، ٹیسٹ کروائے گئے تو پتا چلا کہ جگر میں دوبارہ زخم ہو گیا ہے۔ اور ڈاکٹروں نے بھی جواب دے دیا۔

جا رہا ہے کون اشکوں کا طوفاں چھوڑ کر — قلب حیراں، رُوح بریاں، چشم گریاں چھوڑ کر

آخری دنوں کے حالات

آخری ایام میں اُن کی زبان سے جو آخری لفظ نکلتا تھا وہ ''اللہ'' تھا، اُن سے جو کوئی بھی پوچھتا کہ ''حضرت! کیا حال ہے؟'' تو فرماتے: اللہ کا شکر ہے۔ الحمد للہ۔ جب تک زبان ساتھ دیتی رہی اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہے۔ درود شریف اور تیسرے کلمے کی کثرت تھی۔ زبان پر ہر وقت ورد جاری رہتا تھا۔ آخری دس بارہ دنوں میں میں اُن کو قرآن پاک اُونچی آواز سے پڑھ کر سناتا تھا، حالانکہ وہ بول نہیں سکتے تھے، لیکن جب قرآن پڑھتا تو ان کی آنکھیں مجھے غور سے دیکھتی رہتیں اور ان کے لب بھی ہلتے ہوئے محسوس ہوتے، تینوں کلموں کو بھی اونچی آواز سے پڑھتا تھا، ایسے محسوس ہوتا تھا وہ بھی میرے ساتھ ساتھ کلمے پڑھ رہے ہیں۔ کبھی بے اختیار اُونچی آواز نکلتی تو وہ لفظ اللہ ہوتا تھا۔ اوپر تکتے رہتے تھے شاید خدا کی طرف دھیان ہوتا تھا۔ جب میں اپنے کان اُن کے ہونٹوں پر لگاتا تو لفظ اللہ میرے کانوں میں صاف سنائی دیتا تھا۔ جب آخری سانس نکلا تو زبان پر کلمہ **لا الہ الا للہ** جاری تھا۔

رٹ تیرے نام کی لگی دیکھی — ہوش جب بھی برائے نام آیا

آخر کار جمعۃ المبارک 12 اکتوبر بعد نماز مغرب اس دنیا سے رحلت فرما گئے اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہمیں اس دنیا میں تنہا چھوڑ گئے، اب ان کی یادیں ہیں جو شاید تا زندگی ہمیں ان کی یاد میں رُلاتی رہیں گی۔

بیتے دن کچھ ایسے ہیں — تنہائی جنہیں دہراتی ہے

بے مثال جنازہ

ان کا جنازہ ہماری زندگی کا ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے، مرکزی عیدگاہ بہاولپور پوری کی پوری لوگوں سے بھر گئی تھی۔ بکثرت حفاظ، قراء، علماء، مشائخ حتیٰ کہ بڑے بڑے شیوخ حدیث بھی موجود تھے۔ سب کی آنکھیں اشک بار تھیں، لوگ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، اُن کے آخری دیدار

کیلئے انتظامیہ سے لڑ رہے تھے۔ (میں اُن لوگوں سے معذرت خواہ ہوں جو رش کی وجہ سے اُن کے آخری دیدار سے محروم ہو گئے۔) شاید اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیج دیا تھا کہ ہر طرف لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔

موت اُس کی ہے کرے جس پہ افسوس زمانہ — یوں تو دُنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

شاید اس جنازے کی وجہ سے خدا ہماری بھی بخشش فرما دے۔ اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس طریقے سے بتا دیا وہ کس برگذیدہ ہستی سے محروم ہو گئے ہیں، جن کی کمی شاید اب تا قیامت پوری نہ ہو سکے۔

یہ رِحلت ہے کس آفتابِ ہُدیٰ کی؟
یہ ہر سمت ظلمت ہے کیوں اِس بَلا کی؟
یہ رہ رہ کہ اُف کس کی یاد آ رہی ہے؟
یہ کیوں دِل میں ٹیسیں ہیں اُف اِس بلا کی؟
کلیجے ہیں کیوں آج شَق اہلِ دِل کے؟
جدائی ہے یہ آج کس دُلربا کی؟

مولانا مفتی عطا الرحمٰن دامت برکاتہم نے والد صاحبؒ کا جنازہ پڑھایا، خدا تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے، انہوں نے آخری وقت میں ہماری بہت دلجوئی فرمائی اور ہمیں ہر طرح سے سنبھالا۔

والد صاحبؒ ''ون یونٹ چوک'' کے قریب والے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے، خدا تعالیٰ اُن پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی قبر کو منور فرمائے۔ آمین۔ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جملہ قائین سے التماس ہے کہ ہمارے لیے دعا کریں کہ خدا ہمیں صبر عطا فرمائے اور والد صاحبؒ کی مغفرت فرمائے، اُن کو جنت الفردوس میں بلند سے بلند تر مقام نصیب فرمائے۔ آمین۔

چھپ گیا آفتاب شام ہوئی — اک مسافر کی رہ تمام ہوئی
شب سیہ پوش ہوگئی غم سے — صبح کی آنکھ لالہ فام ہوئی
جب ملے دل سے دل قریب ہوا — روح سے روح ہم کلام ہوئی
لاکھ گرہوں میں بند تھی پھر بھی — مشک وعنبر کی موج عام ہوئی

پروفیسر عبدالعزیز صاحب☆

میرے والد گرامی رحمہ اللہ

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علماء کو یہ شرف نصیب فرمایا ہے کہ وہ دین کو علماً وعملاً ہر دور میں محفوظ رکھتے ہیں اور پھر صحیح حالت میں اگلی نسل تک پہنچاتے ہیں۔ الحمدللہ آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی دین اپنی اصلی اور صحیح شکل میں موجود ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا۔

خاص طور پر گزشتہ صدی میں اللہ پاک نے ہمارے اکابر دیوبند سے یہ کام خوب خوب لیا ہے، علماء دیوبند کی لڑی میں ہمارے والد ماجد شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ بھی تھے۔ آپ علیہ الرحمۃ نے اپنی ساری زندگی درس وتدریس اور دعوت وارشاد میں گزاری، میں نے جب سے ہوش سنبھالا، اُن کو ہمیشہ دین کی خدمت میں مصروف پایا۔ آپ نے اپنے وقت کے کبار علماء سے استفادہ کیا، جن میں علامہ شمس الحق افغانی، مولانا عبدالخالق، مولانا منظور احمد نعمانی، مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہم اللہ جیسے اساطین علم شامل ہیں۔

آپ کے معمولات میں روزانہ صبح کی نماز کے بعد درسِ قرآن پاک دینا، پھر عصر تک درس و تدریس میں مشغول رہنا، عصر تا عشاء مریدین وعوام الناس کے مسائل کے جوابات دینا، راہ نمائی کرنا، عشاء کے بعد درسِ حدیث دینا شامل ہیں۔ درسِ حدیث کے بعد سونے کی تیاری فرماتے، تاکہ تہجد وذکر اللہ کے لیے جلد اور بسہولت بیدار ہوسکیں۔ میں نے ہمیشہ ان معمولات پر استقامت سے کاربند دیکھا۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کو قرآن وحدیث سے عشق تھا، جو آخر تک رہا، اسکول کی تعلیم کے وہ قائل نہیں تھے، اس لیے مجھے بنیادی تعلیم بھی انہوں نے خود گھر میں دی، اس کے ساتھ ساتھ بھائی انیس صاحب کو قرآن پاک حفظ کرایا۔ پابندی سے روزانہ صبح وشام ان کو قرآن مجید کا دور کراتے تھے۔ مجھے فرماتے تھے کہ گھر ہی پڑھا کرو، سکول جانے کی ضرورت نہیں، شاید اُن کا ارادہ مجھے عالم

☆ ابن شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف رحمہ اللہ

بنانے کا تھا، لیکن جب میری عمر آٹھ سال ہوگئی تو میرے شوق کو دیکھتے ہوئے مجھے سکول داخل کرادیا، اور میں ڈائریکٹ تیسری کلاس میں داخل ہوا۔ یہ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ وہ جبر کے قائل نہیں تھے، نہ ہی دین میں وراثت کے قائل تھے۔ اس لیے ساری زندگی ہمیں شفقت اور محبت سے دین کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ البتہ نماز کی پابندی کے لیے سختی فرماتے تھے، اور قرآن پاک کی روزانہ تلاوت کی تلقین فرماتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے کہ دین میں اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں کی کامیابی رکھی ہے، لیکن یہ کامیابی اسی وقت ملتی ہے جب دین پر بغیر کسی ریاکاری کے اخلاص کے ساتھ پوری طرح کاربند رہا جائے۔ ہم پر بھی انہوں نے عالم بننے کے لیے شاید اس لیے سختی نہیں کی تھی کہ کہیں ہم دین کو پیشہ نہ بنالیں، اور بجائے اجر وثواب کے آخرت میں سزا کے حق دار ٹھہریں۔ ہمیں ہمیشہ یہ تلقین کرتے تھے کہ پیشہ جو بھی اپناؤ، لیکن پوری ایمانداری سے نبھاؤ اور دین پر کاربند رہو۔ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے دین ودنیا دونوں میں سرفراز کرے گا۔

وہ خود کیونکہ عالم باعمل تھے، اس لیے اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے کہ: دین کا عالم بننے کے بعد دین کا عامل ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لیے ان کی پوری زندگی بغیر ریاکاری کے دین پر عمل کرتے گزر گئی۔ اُن کی پُر خلوص محنت کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

انہوں نے ہمیشہ دین کو اہمیت دی، دنیا کو انہوں نے جوتے کی نوک پر رکھا، 1964ء میں انہوں نے دین کی اشاعت کی خاطر ہی سکول کی پُرکشش نوکری چھوڑ کر ہڑپہ شہر سے بہاول پور کی طرف ہجرت کی۔ اور اس ہجرت میں وہاں کے بزرگ مولانا ولی محمد رحمہ اللہ کا بہت اہم کردار تھا۔ اللہ نے ان کی ہجرت کو قبول فرمایا اور بہاول پور کی سب سے عظیم درسگاہ ''دارالعلوم مدنیہ'' میں دینی خدمات کے لیے وہ وقف ہوگئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ون یونٹ کالونی کی جامع مسجد میں امامت وخطابت کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔

ابتدا میں حالانکہ مدرسہ میں بھی بغیر وظیفہ کے پڑھاتے تھے، مسجد سے بھی کوئی معقول تنخواہ نہیں ملتی تھی، لیکن آپ انتہائی صبر وشکر سے اسی پر قناعت فرماتے تھے۔ کوئی آپ کو قرآن پاک کی ٹیوشن پڑھانے کے لیے کہتا تو سختی سے رد فرمادیتے تھے کہ کہیں دین کے کسی کام میں کمی نہ آجائے۔ اور انہیں

فرماتے کہ اپنے بچوں کو مسجد یا مدرسہ میں بھیجو تا کہ انہیں قرآن کی قدر معلوم ہو۔

اُن کی ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ دین کے خلاف کوئی بھی بات برداشت نہیں کرتے تھے، جب بھی کوئی خلاف شرع کام یا بات دیکھتے تو بلا جھجک ٹوک دیتے تھے،اوراس میں کسی کا لحاظ نہیں فرماتے تھے۔ بدعات کے سخت خلاف تھے،مسجد میں انہوں نے ایسا ماحول بنایا ہوا تھا کہ بدعتیوں کی جرأت نہیں تھی کہ وہاں کوئی خلاف شرع کام کرسکیں۔اُن کی اس پُرخلوص محنت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کو پورے بہاول پور میں ایک مقام دیا ہوا تھا، نہ صرف دینی حلقوں میں بلکہ دنیاوی حلقوں میں اپنی دین داری کی وجہ سے قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔حالانکہ وہ کوئی شُعلہ بیان مقرر بھی نہ تھے، وہ تو زیادہ وقت مسجد ومدرسہ میں گزارتے تھے،اپنے اردگرد دنیاداروں بالخصوص مالداروں کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

میں جب میٹرک کررہا تھا تو اچانک بیمار ہوگیا، بہاول پور کے تقریباً سب ڈاکٹروں سے علاج کرایا،مگر افاقہ نہ ہوا، ہلکا ہلکا بخار رہتا تھا، ڈاکٹروں نے ٹیسٹ وغیرہ کیے مگر کچھ سمجھ نہیں آتا تھا۔ ہومیو پیتھک اور سراجیہ دواخانے سے (یونانی) علاج کرا کے بھی دیکھ لیا،لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔اسی طرح چار ماہ گزر گئے۔ایک دن میں طویل بیماری کی وجہ سے بے ہوش ہوگیا تو گھر والے پریشان ہوگئے، جب میری آنکھ کھلی تو والد صاحب کا چہرہ نظر آیا،اُس دن میں نے والد صاحب کی آنکھوں میں پہلی بار آنسو دیکھے، وہ اللہ تعالیٰ سے میری صحت کے لیے دُعا کررہے تھے۔اور والدہ ماجدہ بھی صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر میرے لیے دُعا کر رہی تھیں۔

والد صاحب کا معمول تھا کہ جب کوئی تکلیف ہوتی یا کوئی ضرورت پیش آتی تو دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے اور والدہ کو بھی اسی کی ترغیب دیتے اور تلقین کرتے تھے۔اس دن والدین کی دُعا کے بعد ہومیو پیتھک ڈاکٹر اشرف سعید صاحب سے دوبارہ علاج شروع کرایا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس دن کے بعد میں صحت یاب ہونا شروع ہوگیا۔اللہ تعالیٰ نے مجھے نئی زندگی عطا کی۔

بیماری کے فوراً بعد میں نے میٹرک کا امتحان دیا لیکن بہت کم نمبروں سے پاس ہوسکا، میرا شوق انجینئر بننے کا تھا، لیکن میٹرک میں نمبر اتنے کم تھے کہ ایف۔ ایس۔سی میں داخلہ نہیں مل سکتا تھا، لیکن والد صاحب کی دُعاؤں سے مجھے بہاول پور کے دونو کالجوں میں خصوصی نشستوں پر داخلہ مل گیا۔ بلکہ پوسٹ گریجویٹ کالج کے پرنسپل تو خود والد صاحب کے پاس تشریف لائے کہ آپ کے بیٹے کا

داخلہ ہوگیا ہے۔آپ اسے ہمارے کالج میں ہی پڑھائیں۔لیکن میں نے ایس۔سی کالج کو ترجیح دی۔ یہ اُن کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ میں انجینئر بھی بن گیا اور ساتھ ہی ان کی دعاؤں کی بدولت پہلے ''پی۔ ٹی۔سی۔ایل'' میں رہا، جب وہاں دل نہ لگا تو اب درس وتدریس کے شعبہ میں آ گیا ہوں۔

حضرت والد صاحب حالانکہ دین سے جڑے ہوئے تھے،لیکن چونکہ مخلص تھے اور حق گو تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام حلقوں میں ایسی عزت بخشی تھی کہ بڑے بڑے دنیا دار ایسی عزت کو ترستے ہیں۔میں خود اپنا تعارف آج بھی اپنے والد ماجد کے واسطے سے کروانے پر فخر محسوس کرتا ہوں۔اور والد صاحب کا نام لیتے ہی فوراً کام ہوجاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں والد صاحب کی عزت ڈال دی ہے، والد صاحب کا نام سن کر وہ اخلاص سے کام کرتے ہیں تو فوراً کام ہوجاتا ہے۔اور اگر میں فقط اپنا تعاف کروا کے کوئی کام کروانا چاہوں تو مجھ سے بھی ہر جائز وناجائز کام کی توقع کی جاتی ہے،لیکن والد صاحب کے معاملے میں ایسا نہیں ہے۔لوگ دل سے اُن کا احترام کرتے ہیں اور بدلے میں صرف دُعائیں چاہتے ہیں۔اب احساس ہوتا ہے کہ والد صاحب نے کیا کمایا۔

تمہارے ساتھ گئے تھے سکون وصبر وقرار
تمہاری طرح وہ پھر لوٹ کر نہیں آئے

انہوں نے پوری زندگی کبھی تنخواہ میں اضافے کا مطالبہ نہیں کیا، نہ مدرسہ والوں سے نہ مسجد والوں سے۔صرف اللہ پر توکل کیا۔اسی توکل کی وجہ سے الحمدللہ گھر میں بہت برکت تھی۔اور اپنے خاندان میں ہم امراء تصور کیے جاتے تھے، حالانکہ پورے خاندان میں شاید سب سے کم آمدنی ہمارے والد صاحب ہی کی تھی۔لیکن برکت اتنی تھی کہ کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوئی۔

والد صاحب کا تقویٰ بھی بے مثال تھا، مدرسہ یا ختم نبوت کے چندہ کی رقم بالکل علیحدہ رکھتے تھے، والدہ صاحبہ کو اتنی اجازت بھی نہیں تھی کہ (ریزگاری وغیرہ کے لیے) ان پیسوں سے پیسے تبدیل کرلیں۔ بلکہ وہی نوٹ وہی پیسے پہنچاتے تھے۔اسی طرح ان پیسوں میں بھی صدقات، زکوٰت اور خیرات کے پیسے علیحدہ علیحدہ رکھتے تھے۔

مسجد کی انتظامیہ کو مسجد کے لیے چندہ جمع کرنے سے منع کیا ہوا تھا، فرماتے تھے کہ: اللہ کے گھر کے لیے اللہ کے بندوں سے چندہ مانگنا مناسب نہیں ہے۔ان کو پختہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے

گھر کی ضروریات مانگے بغیر از خود پوری فرمائیں گے۔

حضرت والد صاحب کو اکابر دیوبند سے بہت زیادہ محبت وعقیدت تھی، اپنے بیان میں ان کا ذکر ہمیشہ فخر سے کرتے تھے، اور اکابر دیوبند کی قربانیوں اور تحاریک کو خوب کھول کھول کر بیان فرماتے تھے۔ موجودہ زمانے کی تمام صحیح العقیدہ دینی تحاریک سے بھی بہت محبت رکھتے تھے۔ اور اکثر جہاد، تبلیغ، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تصوف اور ختم نبوت سمیت دین کے ہر شعبے کے کام میں مصروف لوگوں کے لیئے دعائیں فرمایا کرتے تھے۔ اپنے بیان میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ: قربِ الٰہی حاصل کرنے کے مختلف طریقے ہیں، جن میں جہاد، تبلیغ، ذکر، اور ختم نبوت کی تحاریک میں شمولیت بھی ہے۔

حضرت مولانا محمد احمد بہاول پوری مدظلہم سے خاص اُنس تھا، اکثر اُن کے گھر تشریف لے جاتے، بعض دفعہ مجھے بھی ساتھ لے جاتے، اور اُن سے دعاؤں کی درخواست کرتے تھے۔ وہ بھی حضرت والد صاحب رحمہ اللہ سے خاص شفقت فرمایا کرتے تھے۔

اسی طرح مولانا محمد مسعود ازہر مدظلہ بھی حضرت والد ماجد کی بہت عزت کرتے تھے۔ اپنی رہائی کے بعد دو تین بار حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں تشریف لائے تھے۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت بہاول پور کے مبلغ مولانا محمد اسحاق ساقیؔ سے بھی والد صاحب ختم نبوت کے کام کی وجہ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ اُن کا بہت اکرام فرماتے تھے، وہ جب بھی تشریف لے آتے تو والد صاحب رحمہ اللہ اُن کو اپنی جگہ مصلے پر کھڑا کر دیتے تھے۔

جو لوگ ذکر اذکار (تصوف) میں لگے ہوئے ہوتے، اُن پر بھی خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ اور اُن کی بہت حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ سے بیعت تھے، مولانا ولی محمد رحمہ اللہ اور مولانا عبدالمنان رحمہ اللہ سے خلافت ملی، اکثر رمضان میں انہی بزرگوں کی خدمت میں تشریف لیجاتے تھے۔ رمضان المبارک میں قرآن مجید کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ رمضان المبارک میں چار یا پانچ قرآن پاک ختم فرمالیتے تھے۔ ایک تراویح میں، ایک نوافل میں، ایک بھائی صاحب کی منزل سننے میں، باقی اپنے طور پر۔ گھر والوں کو بھی خصوصی ہدایت فرماتے تھے۔

ہر سال شعبان کی تعطیلات میں ''عبدالحکیم'' اپنے بہن بھائیوں اور دادا جان کی قبر پر تشریف

لے جاتے تھے۔ آخری دفعہ اپنی وفات سے تین سال قبل میرے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔ رات وہاں قیام کیا، صبح جب والد صاحب رحمہ اللہ تہجد کے لیے اٹھے تو ضعف وعلالت کی بنا پر چارپائی سے اتر کر چل نہ سکے۔ تو مجھے آواز دی کہ مجھے سہارا دو، میں چل نہیں سکتا، میں سہارا دے کر بیت الخلاء لے گیا، اور پھر واپس لے آیا۔

صبح ملتان لے کر گئے تو پتہ چلا کہ ''فالج'' کا حملہ ہوا ہے۔ میں بہت پریشان تھا، لیکن والد صاحب رحمہ اللہ مسلسل اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے یہ دعا کر رہے تھے کہ: ''یا اللہ! مجھے اس قابل رکھ کہ میں مرتے دم تک تیرے دین کی خدمت کرتا رہوں، کم از کم تدریس حدیث سے جڑا رہوں۔''

جب گھر تشریف لائے تو چلنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے، تاکہ تعطیلات ختم ہوتے ہی مدرسہ میں تدریس کے فرائض شروع کر سکیں۔ حالانکہ ہم بار بار درخواست کرتے رہے کہ اب آپ کو مشقت کی ضرورت نہیں ہے، ساری زندگی آپ نے دین کی خدمت کی ہے، اب آپ کچھ آرام کر لیں! لیکن اُن کی ایک ہی خواہش تھی کہ: مرتے دم تک حدیث سے جُڑا رہوں۔ آخر وہ تعطیلات ختم ہونے تک اس قابل ہوگئے کہ لاٹھی کے سہارے خود چلنے لگے، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور اُن کی قوتِ ارادی کا کمال تھا کہ تعطیلات ختم ہوتے ہی دوبارہ انہوں نے تدریس کا آغاز کر دیا اور مرتے دم تک تدریس سے جڑے رہے۔

کچھ ایسے بھی اُٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

دینی خدمت کا شوق اُن پر اتنا غالب تھا کہ اس حالت میں بھی مدرسہ سے کوئی چھٹی نہیں کرتے تھے، اور باقاعدگی سے مدرسے تشریف لے جاتے تھے۔ ''دارالعلوم مدنیہ'' میں تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ ''دارالترتیل للبنات'' میں بھی بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھاتے تھے۔ مولانا مسعود ازہر صاحب نے جب حضرت والد صاحب رحمہ اللہ سے ''دارالترتیل للبنات'' میں تدریس کی درخواست کی تو ساتھ ہی وظیفہ کا بھی پوچھا؟ تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: وظیفہ کی تو مجھے ضرورت نہیں، البتہ دارالترتیل کی وین مجھے گھر سے لے جایا کرے اور چھوڑ جایا کرے تو مختلف ویگنوں پر بیٹھ کر گھر سے مدنیہ جانے اور پھر گھر آنے میں جو وقت ضائع ہوتا ہے، وہ میں ''دارالترتیل'' میں دے دوں گا۔ اس کے بعد

سات، آٹھ سال مدنیہ کے ساتھ ساتھ ''دارالترتیل'' میں بخاری و ترمذی پڑھاتے رہے۔

''دارالترتیل'' کے خالد شاہ صاحب مدرسہ کی وین میں حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کو لے بھی جاتے اور واپس چھوڑ بھی دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: اگر میں کبھی کسی وجہ سے نہ آسکتا تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ اُن سے وقتی ناراضگی کا اظہار فرماتے تھے۔ اور فرماتے: میں تو بوڑھا ہو کر بھی کوشش کرتا ہوں کہ چھٹی نہ کروں اور الحمدللہ اس کوشش میں کامیاب رہتا ہوں اور آپ جوان ہو کر بھی چھٹی کر لیتے ہیں؟ حالانکہ جب خالد شاہ صاحب نہ آتے تھے تو میں اپنی گاڑی پر والد صاحب کو مدرسہ چھوڑ آتا تھا۔ لیکن وقت کا جو ضیاع ہوتا تھا، اس کی وجہ سے افسردہ ہوتے تھے۔ کہ آج میں پورا وقت نہیں پڑھا سکوں گا۔ مجھے بھی گاہے بگاہے تلقین فرماتے رہتے کہ: ملازمت کے اوقات کی پابندی کیا کرو!۔

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ پر اللہ کا خاص کرم تھا کہ انہیں تین مرتبہ اپنے گھر کی زیارت نصیب فرمائی۔ تینوں دفعہ والد صاحب کے پاس کوئی ذاتی وسائل نہیں تھے کہ حج پر جاسکتے، لیکن سچی طلب تھی اور تڑپ تھی، لہٰذا بلاوا آگیا۔ چنانچہ 1987 میں رمضان المبارک میں عمرہ کرنے گئے اور حج کر کے چار ماہ بعد واپس تشریف لائے۔ باقی دو مرتبہ ''حج بدل'' کے لیے تشریف لے گئے۔

ایک عجیب بات یہ تھی کہ تین سال قبل جب انہیں مدرسہ کی تعطیلات کے دوران فالج ہوا تو اس کے بعد سے ہر سال رمضان سے پہلے بیمار ہو جاتے تھے، اور مدرسہ کی تعطیلات ختم ہوتے ہی شوال میں طبیعت ٹھیک ہو جاتی تھی۔ اور مدرسہ جانا شروع کر دیتے تھے۔ یہ معمول تین سال جاری رہا، اس سال بھی رمضان سے پہلے ''دارالعلوم مدنیہ'' کے استاذ الحدیث حضرت مولانا فیض محمد صاحب مدظلہم ملنے کے لیے تشریف لائے تو انہیں فرمایا کہ: ہر سال میں رمضان سے پہلے بیمار ہو جاتا ہوں، اس سال الحمدللہ بیمار نہیں ہوں، اللہ کا شکر ہے۔ لیکن اس بات کے چند دن بعد بخار ہو گیا۔ جو بعد میں مرض الموت ثابت ہوا۔

اس رمضان میں مَیں سعودیہ سے چھٹیوں پر گھر آیا ہوا تھا، والد صاحب بیمار ہو گئے، ڈاکٹر عثمان غنی کو دکھایا، انہوں نے دوائی تجویز کی، اس سے ٹھیک ہو گئے۔ عید کے دوسرے دن میں نے واپس سعودیہ جانے کی اجازت لی تو بخوشی عنایت فرما دی۔ چنانچہ میں چلا گیا۔ وہاں پہنچتے ہی خیال آیا کہ اس دفعہ والد صاحب کی طرف سے عمرہ کروں۔ پہلے مدینہ شریف میں روضۂ رسول پر حاضری دی، والد

صاحب کا سلام بھی عرض کیا، پھر مدینہ منورہ سے عمرہ کی نیت کر کے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گیا، وہاں پہنچ کر والد صاحب کی طرف سے عمرہ کیا۔ اور اپنے ''جامعہ ملک السعود، ریاض'' میں واپس چلا گیا۔

وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ والد صاحب کو دوبارہ بخار ہو گیا ہے، والد صاحب کی علالت کا سن کر دوبارہ پاکستان آگیا۔ ڈاکٹروں سے مشورہ کیا، سب نے ٹیسٹ رپوٹیں دیکھ کر صبر کا مشورہ دیا۔ اس کے بعد والد صاحب رحمہ اللہ دن بدن کمزور ہوتے چلے گئے۔

وفات سے سات آٹھ دن قبل ''دارالعلوم مدنیہ'' کے کچھ اساتذہ ملاقات کے لیے آئے تو ان سے والد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میں نے مدرسہ جانا ہے، بخاری شروع کرنی ہے، مَیں آخری بار بخاری کو دیکھنا چاہتا ہوں، مجھے لے چلو!'' حالانکہ ڈاکٹروں کے منع کرنے کی وجہ سے ہم نے اُن کو بیماری کی نوعیت کا نہیں بتایا تھا۔

دوسرے دن مدرسہ کے کچھ ساتھی ان کو مدرسہ لے گئے۔ جہاں انہوں نے نہایت ہی کمزوری کی حالت میں بخاری شریف کا پہلا سبق پڑھایا، جب وہ ساتھی واپس چھوڑنے آئے تو ان کو حکم فرمایا کہ: مجھے کل پھر لے جانا!

گھر آ کر فرمایا: ''میرے کفن کا کپڑا خرید لو! اسے پانی سے دھو بھی لو، تاکہ پاک ہو جائے، پھر آبِ زمزم میں بھگو لینا!'' پھر فرمانے لگے: میں جو لیٹا ہوا ہوں، میری ٹانگیں کس طرف ہیں؟ ہم نے کہا: جنوب کی طرف! فرمانے لگے ٹھیک ہے۔ اس کے بعد کلمات مبارکہ سنانے لگے اور فرمانے لگے گواہ رہنا۔ اس دن کے بعد انہوں نے بولنا بند کر دیا تھا۔ کمزوری تھی کہ دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ کبھی کبھی منہ سے ''اللہ'' کا لفظ نکلتا تھا، یا کبھی ہمیں دیکھ کر ہلکا سا مسکرا دیتے تھے۔ خاص طور پر جب اپنے پوتوں کو دیکھتے تو مسکرا دیتے تھے۔

فقیرانہ آئے صدا کر چلے   میاں خوش رہو ہم دُعا کر چلے

آخر کار 12 اکتوبر بروز جمعۃ المبارک کو نمازِ مغرب کے بعد ان کی حالت غیر ہو گئی، ہم سب گھر والے اُن کے اِرد گرد جمع ہو گئے اور کلمہ پاک کا ورد کرنے لگے، آہستہ آہستہ اُن کا سانس کم ہوتا چلا گیا، اور چند منٹوں میں ہی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

وہ جا رہے تھے، میں رو رہا تھا   قضا کھڑی مسکرا رہی تھی

والد صاحب کے قریبی ساتھیوں اور تعلق داروں میں مولانا مفتی عطاء الرحمٰن، مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی، مولانا فیض محمد، مولانا شبیر الحق کشمیری، مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ، مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی، مولانا محمد صدیق، پروفیسر رفیق احمد، چیچہ وطنی، پروفیسر نثار، ساہیوال، حاجی کریم بخشؒ اور حاجی نذیر احمدؒ شامل ہیں۔

اور آپ کے خاص تلامذہ میں مولانا محمد صادق جمال پوری، مولانا محمد رشید، مولانا قاری محمد صادق، مولانا سید علی اصغر شاہ، مولانا محمد زبیرؒ، مولانا حبیب اللہ شاہ، مولانا محمد صابر، مولانا محمد الیاس، مولانا شفیق الرحمٰن حیات پوری، مولانا عبد الصمد، مولانا عبد الستار، مولانا حبیب اللہ، سیٹلائٹ ٹاؤن، مولانا عطاء الرحمٰن، مولانا عمر فاروق، مولانا صہیب احمد اور بالخصوص مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب شامل ہیں۔

ہم تمام اہل خانہ حضرت والد صاحب کے تمام احباب، ساتھیوں، تلامذہ، مریدین، متعلقین، اور منتسبین کے بے حد شکر گزار ہیں جنہوں نے حضرت والد صاحب کی خدمت کی، ہم سے تعاون کیا، والد صاحب کو غسل دیا، تجہیز وتکفین میں ہمارا ہاتھ بٹایا، جنازہ میں شرکت کی، ہم سے تعزیت کی، ہمیں حوصلہ دیا، ہمارا خیال رکھا، اور ہمارے والد محترم کے لیے ایصال ثواب کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

اسی طرح مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب کے ہم خاص طور پر شکر گزار ہیں کہ انہوں نے بڑے احسن طریقے سے ہماری راہ نمائی کی، حضرت والد محترم کے حالات اکٹھے کرنے پر محنت کی، سچی بات یہ ہے کہ ہم نے بھی اُنہی کے توجہ دلانے پر، اور اُن کے ترغیب دینے پر کچھ لکھا ہے۔

اسی طرح حمزہ بھائی کا بھی بہت بہت شکریہ جو والد صاحب کے حالات جمع کرنے، انہیں ترتیب دینے اور کمپوز کر کے شائع کرانے میں مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب سے تعاون کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کی محنت کو قبول فرمائے۔ حضرت والد صاحب کے درجات کو بلند فرمائے، جنت الفردوس کا اُونچا مقام ان کو نصیب فرمائے۔ اور ہم سب کو حضرت والد صاحبؒ کی سوانح سے سبق حاصل کر کے اس کے مطابق اپنی زندگی بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حق مغفرت کرے، عجب آزاد مرد تھا......!

مولانا فیض محمد مدظلہم☆

عظیم انسان

دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ جانے ہی کے لیے آیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے بعض محبوب بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جو خود تو چلے جاتے ہیں لیکن اُن کا نام اور اُن کا کام باقی رہتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے بھی محبوب ہوتے ہیں اور عند الناس بھی محبوب ہوتے ہیں، اُن کی زندگی انسانیت کی خیر خواہی اور انسانیت کی ہمدردی میں گزرتی ہے، اُن کی موت پر آسمان بھی روتا ہے اور زمین بھی روتی ہے۔ اور ان کو موت کے وقت ''ارجعی الیٰ ربك راضیة مرضیة ''(لوٹ اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تُو اس سے راضی ہے اور وہ تجھ سے راضی ہے۔) کی خوشخبری ملتی ہے۔

اِنہی نیک بخت ہستیوں میں ہمارے بزرگ، ہمارے دوست شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ بھی تھے، حضرت سے تعلق تو بہت پہلے سے تھا، لیکن جب سے دار العلوم مدنیہ میں اللہ تعالیٰ نے پڑھانے کی توفیق عطا فرمائی تو حضرت سے تعلق میں پختگی آئی۔ تقریباً پچیس سال کی طویل رفاقت میں بار بار حضرت کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، سفر وحضر کا ساتھ ملا، حضرت رحمہ اللہ کا ظاہر وباطن ایک جیسا تھا، آپؒ میرے بچوں کے استاذ تھے۔ ہمارے خاندان کی اکثر مستورات کا روحانی تعلق بھی آپؒ سے تھا، آپ بارہا ہمارے گھر تشریف لائے۔ دورۂ حدیث کی کلاس کی سالانہ ضیافت پر آپؒ ضرور تشریف لاتے تھے، ہر قسم کے تکلفات سے بالکل پاک تھے، اچھے دوست، اچھے استاذ، اچھے مربی اور اچھے والد تھے۔ اپنے اکابر کے مسلک پر سختی سے عمل کرنے والے تھے، خود بھی ساری زندگی اتباعِ سنت میں گزاری اور اسی کا درس اپنے متوسلین کو دیا۔

حضرتؒ علم وتقویٰ کی ایک مثال تھے، تواضع وعاجزی کا نمونہ تھے، آہستہ آہستہ گفتگو فرماتے تھے، حالات حاضرہ سے باخبر رہتے، ہمیشہ مشتبہ مال سے اپنے آپ کو بچاتے رہے، ساری زندگی مدرسہ میں رہ کر مدرسہ کی روٹی سے اپنے آپ کو دور رکھا۔ ایک مرتبہ سہ روزہ پر جا رہے تھے، ایک نیک ملازم جو

☆ استاذ الحدیث: دار العلوم مدنیہ، بہاول پور

حضرت کا جاننے والا تھا، اُس نے حضرت کو کیلے لے کر دیئے، حضرت نے وہ کیلے ایک دوسرے آدمی کے حوالے کر دیئے۔ آپؒ وقت کے بہت پابند تھے، ہمیشہ وقت پر مدرسہ میں پہنچنا حضرت کا معمول تھا۔ حالانکہ آپ کی رہائش مدرسہ سے کافی دور تھی۔

آپ کی عادت تھی کہ جب بھی کوئی شاگرد مسجد میں پہنچ جاتا تو آپ نماز اُسی سے پڑھواتے، بیان کا وقت ہوتا تو بیان بھی اپنے شاگرد سے کروا لیتے، اہل حق کی تمام تنظیموں سے محبت فرماتے، سب کے لیے دُعائیں کرتے، مدرسہ میں جس طرح طلباء سے شفقت فرماتے ٹھیک اسی طرح اساتذہ سے بھی شفقت اور محبت والا معاملہ فرماتے تھے۔ مشورہ مانگنے والے کو خیر خواہانہ مشورہ دیتے۔

آپؒ جگر کے کینسر میں مبتلا تھے، رحلت سے چند دن قبل آپ کی زیارت کے لیے گھر جانا ہوا، آپ کے خدمت گار بیٹے آپ کی خدمت میں مصروف تھے، مَیں نے دِل لگی اور تسلی کے لیے عرض کیا کہ: حضرت! بخاری شریف آپ کا انتظار کر رہی ہے، مدرسہ میں تشریف لائیں اور اسباق پڑھائیں! دوسرے دن جب میں مدرسہ میں گیا تو حیران رہ گیا کہ حضرت شدید علالت کے باوجود مدرسہ میں تشریف لا چکے تھے۔ دل کو بڑی خوشی اور تسلی ہوئی۔

اب حضرت اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، اُن کی موت سے پیدا ہونے والا خلا یقیناً پُر نہیں ہو سکتا، اللہ پاک اُن کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور اُن کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ برخوردار عزیزم محمد انیس سلمہ، عبدالعزیز سلمہ اور حضرت کی بیٹی سلمہا، سب کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ صبر جمیل نصیب فرمائے اور اُن کو دارین کی سعادتیں نصیب فرمائے۔ آمین ☆☆

☆......☆......☆......☆

استادِ محترم نے فرمایا

۱......انسان کا کردار کبھی چھپا نہیں رہ سکتا، ضرور بالضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے۔

۲......کہیں بھی ملازمت کریں، تو دو چیزوں کا خاص خیال رکھیں [۱] اپنی ڈیوٹی اور ذمہ داری پوری کریں۔ [۲] اور اُس ادارے یا محکمے کے انتظامی معاملات میں دخل اندازی بالکل نہ کریں۔

مولانا سرفراز احمد

فاضل و متخصص: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور

مولانا محمد صادق جمال پوری مدظلہم ☆

یادگارِ اسلاف، ولی کامل، شیخ الحدیث، استاد محترم

حضرت اقدس مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ

خداوند قدوس نے جب اپنے کسی بندے سے کام لینا ہوتا ہے تو اس کے دل میں اس جگہ جانے کا خیال ڈال دیتے ہیں کہ ”فلاں جگہ جا کر کام کرو!“ پھر کبھی تو اس بارے میں غیبی اشارات بھی مل جاتے ہیں، کبھی اللہ تعالیٰ کا کوئی مقبول بندہ اس طرف جانے کی ترغیب دے دیتا ہے اور کبھی فقط دلی رجحان اس طرف ہو جاتا ہے اور دل اس پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ جیسے حضرت علی ہجویری رحمہ اللہ (جن کو داتا گنج بخش کہا جاتا ہے ان) کے بارے میں آتا ہے کہ وہ دمشق میں رہتے تھے، ایک رات خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آپ لاہور چلے جائیں“ چنانچہ حضرت لاہور تشریف لے آئے۔ پھر دنیا نے دیکھا کہ آپ سے مخلوق خدا کی اصلاح احوال کا کتنا بڑا کام ہوا۔

ہمارے استاد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی اللہ رب العزت نے علاقہ بہاول پور میں اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمایا، حالانکہ آپ دارالعلوم کبیر والہ سے فراغت کے بعد ”مولوی فاضل کورس“ کر کے ہڑپہ (چیچہ وطنی) کے ایک اسکول میں ملازمت اختیار کر چکے تھے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دین متین کی خدمت کے لیے قبول فرما لیا تھا، اس لیے آپ کے اس طرف آنے کے اسباب پیدا فرما دیئے۔ چنانچہ ہڑپہ میں رائے پوری سلسلہ کے ایک عظیم بزرگ، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ اور مولانا پیر جی عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ (گیارہ چک چیچہ وطنی) کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ سے استاد محترم کا تعلق قائم ہوا۔ پھر مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ ہی کے واسطے سے استاد محترم کا حضرت پیر جی عبدالعزیز صاحب سے بھی تعلق قائم ہو گیا۔

مولانا ولی محمد صاحب نے استاد محترم کو ترغیب دی کہ آپ عالم دین ہیں، اسکول کی ملازمت ترک کر کے دین کی خدمت کریں۔ چنانچہ استاد محترم کی بہاول پور تشکیل فرما دی، اور آپ کو اپنا خصوصی

☆ فاضل واستاذ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور

والا نامہ دے کر ''جامعہ عباسیہ'' حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ کی خدمت میں پڑھنے کے لیے بھیج دیا، نعمانی صاحب نے مولانا ولی محمد صاحب کا مکتوب دیکھا تو داخلہ عنایت فرما دیا اور استاد محترم نے ''جامعہ عباسیہ'' میں ''علامہ کورس'' کیا۔

حضرت نعمانی صاحب نے استاد محترم سے پوچھا کہ: آپ بیان کر لیتے ہیں؟ استاد جی نے عرض کیا: نہیں! انہوں پوچھا: کوئی تقریر وغیرہ؟ عرض کیا: مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا۔ فرمایا: قرآن مجید کا ترجمہ تو کر لیتے ہیں ناں؟ (یعنی درسِ قرآن تو دے ہی لیں گے ناں؟) استاد محترم نے عرض کیا: جی! یہ کرلوں گا۔ چنانچہ میں نعمانی صاحب نے استاد محترم کو ''جامع مسجد ون یونٹ'' بہاول پور کا امام وخطیب مقرر کر دیا۔ وہاں استاد محترم کا مشاہرہ 10 روپے مقرر ہوا۔ حالانکہ ہڑپہ اسکول میں آپ کی تنخواہ 300 روپے ماہوار تھی۔ لیکن چونکہ خداوند قدوس اپنے اس بندے کو قبول فرما چکے تھے، اس لیے استاد محترم نے انتہائی قناعت سے زندگی بسر کی۔ چنانچہ 40 سال اس مسجد میں امام وخطیب رہے، آخر وقت میں آپ کا مشاہرہ صرف 2500 تھا۔ جبکہ موجودہ امام صاحب کا مشاہرہ 8,000 ہے۔

دوسرے سال 1965ء میں ''دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور'' تشریف لائے، تو جامعہ کے بانی ومہتمم مولانا غلام مصطفیٰ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مدرسہ کے حالات انتہائی کمزور ہیں، ہم آپ کو تنخواہ نہیں دے سکیں گے، آپ بلا تنخواہ پڑھانا چاہیں تو بے شک پڑھائیں۔ استاد محترم نے خندہ پیشانی سے قبول فرمایا اور بلا تنخواہ پڑھانا شرع کر دیا۔ دوسرے سال اہل مدرسہ نے 50 روپے تنخواہ مقرر کی۔ استاد محترم اس کو بھی زیادہ سمجھتے تھے، فرماتے مجھے تو پچاس روپے بھی زیادہ لگتے ہیں۔

گویا استاد محترم کی بہاول پور میں کل 60 روپے آمدنی تھی۔ 10 روپے مسجد والوں کی طرف سے اور 50 روپے مدرسہ والوں کی طرف سے۔ اسی پر آپ نے گزارا فرمایا۔ پھر بتدریج دونوں طرف کی تنخواہ بڑھتی رہی، 47 سال آپ نے تدریس فرمائی، آخر وقت میں آپ کی تنخواہ مدرسہ سے صرف 10,000 ہزار تھی۔ آپ کی قناعت، خودداری اور صبر وشکر ہی کی برکت تھی کہ اللہ نے ساری زندگی امن وسکون نصیب فرمایا، اولاد کو اچھا روزگار میسر ہوا۔ اللہ نے ان کو دیا اور ماشاء اللہ خوب دیا۔ الحمدللہ

جہد مسلسل......اور......استقامت

الاستقامة فوق الكرامة کا مقولہ مشہور ہے۔ تاریخ عالم پر نظر دوڑائیں تو، معلوم ہوتا ہے

کہ اللہ کے نبی، صحابہ اور اولیاء کرام سب کے سب زندگی بھر استقامت سے دین پر قائم رہے، اور کامیابی بھی تبھی ملتی ہے جب انسان استقامت اختیار کرے، استاد محترم نے بھی خوب استقامت سے جہد مسلسل کرتے ہوئے زندگی گزاری۔

پہلے دو تین سال اپنے گھر ''ون یونٹ کالونی'' سے ''دارالعلوم مدنیہ'' پیدل تشریف لاتے رہے، اور بلا مبالغہ بلاناغہ آتے تھے، ایک دن کا ناغہ بھی گوارا نہیں تھا۔ حالانکہ تقریباً 4 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔ پھر سائیکل پر تشریف لاتے تھے۔ 1987ء میں آپ کو پھوڑے کی تکلیف ہوئی تو سائیکل پر آنا مشکل ہو گیا۔ پھر آپ بس وغیرہ پر آنے لگے۔

خودداری......اور......قناعت

''خودداری'' غیرت وعزتِ نفس کے مترادف ہے۔ جو کہ استاد محترم میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آپ نے کبھی بھی مدرسہ یا مسجد والوں سے کسی قسم کا کوئی مطالبہ نہیں کیا، حتیٰ کہ کبھی مدرسہ سے کھانا بھی نہیں لیا۔ ہمیشہ گھر سے اپنا کھانا ساتھ لاتے تھے۔ اپنی اسی معمولی آمدنی پر قناعت فرماتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ: الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صدقہ اور زکوٰۃ کے مال سے بے نیاز کیا ہے۔

رمضان المبارک میں مدارس عربیہ کے شعبہ کتب میں کی سالانہ تعطیلات کی وجہ سے طلباء اپنے اپنے گھروں میں ہوتے ہیں، مدرسہ تقریباً خالی ہوتا ہے۔ اس دوران اگر گوشت وغیرہ آ جاتا تو استاد محترم حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ [مہتمم: دارالعلوم مدنیہ] وہ گوشت اساتذہ کے گھر بھجوا دیتے، تاکہ ضائع نہ ہو۔ دیگر اساتذہ کی طرح استاد محترم شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کے پاس بھی بھجواتے، لیکن استاد محترم نے کبھی بھی وہ گوشت بلا معاوضہ قبول نہیں فرمایا۔ مولانا محمد رشید صاحب مدظلہ [استاذ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ] اور بذات خود میرے ساتھ بھی ایسا ہوا کہ ہم حضرت مہتمم صاحب کے فرمانے پر گوشت لے گئے، تو استاد محترم نے اُسے تلوایا، اور بازار کے ریٹ کے مطابق مدرسہ میں رقم جمع کرا دی۔ واپس شاید اس لیے نہ فرماتے تھے کہ مہتمم صاحب کی دل شکنی نہ ہو۔

اسی طرح مدرسہ کی طرف سے ہر سال تمام اساتذہ کو کپڑے دیئے جاتے ہیں، استاد محترم نے وہ کپڑے بھی کبھی استعمال نہیں فرمائے، بلکہ اول تو لیتے ہی نہیں تھے، مہتمم صاحب کے اصرار پر مجبوراً لینے پڑ جاتے تو لے کر غرباء ومستحقین میں تقسیم فرما دیتے، خود بالکل استعمال نہیں فرماتے تھے۔

آپ کی خودداری اور قناعت کی برکت سے اللہ نے آپ کو دلی سکون واطمینان تو دیا ہی تھا، مزید نعمتوں سے بھی خوب نوازا۔ چنانچہ آپ نے ساری زندگی دیسی گھی ہی استعمال فرمایا، اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے انتظام فرمادیتے تھے۔ ڈالڈا گھی استعمال نہیں فرماتے تھے۔

اس معاملہ میں آپ کو اپنے پیر ومرشد حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ سے مشابہت ومناسبت حاصل تھی۔ حضرت مولانا ولی محمد صاحب کا معمول تھا کہ وہ خالص دیسی گھی اور بغیر کھاد ملی کھیتی کی گندم استعمال فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کے لیے بھی انتظام فرمادیتے تھے۔ چنانچہ اُن کے بہاول نگر میں مقیم ایک مرید صرف انہی کی خاطر کچھ رقبے پر گندم کاشت کرتے جس میں کھاد نہیں ڈالتے تھے۔

سلوک واحسان......اور......اجازت وخلافت

استاذ محترم سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں رائے پوری حضرات سے منسلک تھے، چنانچہ اصل بیعت تو آپ کی حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ سے تھی، ان کے بعد ان کے خلفاء حضرت مولانا ولی محمد صاحب، حضرت مولانا پیر جی عبدالعزیز صاحب، حضرت مولانا عبدالمنان صاحب رحمہم اللہ سے آپ نے سلوک واحسان کی منازل طے فرمائیں۔ زیادہ تر تعلق تو مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ سے تھا۔ خود بھی ان کی خدمت میں جاتے، اور اپنے تلامذہ کو بھی لے جاتے۔ چنانچہ میرا تدریس کا پہلا سال تھا تو مجھے بھی خود ساتھ لے کر گئے اور بیعت کرایا۔ اُسی موقع پر حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ نے استاد محترم کے بارے میں بتایا کہ یہ اتنے زور زور سے ذکر کرتے تھے دو دوا یکڑ تک ان کی آواز جاتی تھی۔ واقعۃً استاد محترم کو ذکر سے بہت شغف تھا۔ بہت کثرت سے ذکر فرماتے تھے گویا کہ "اُذکروا اللّٰہ ذکراً کثیرا" کے قرآنی حکم پر پوری طرح عمل پیرا تھے۔ اسی ذکر کی برکات تھیں کہ ساری زندگی دین کا شوق اور ولولہ رہا، آپ خود تو بوڑھے ہوگئے مگر آپ کا حوصلہ، استقامت اور خدمت واشاعت دین کا جذبہ جوان رہا۔

جب سلوک کی منازل طے ہوگئیں تو آپ کو حضرت مولانا ولی محمد صاحب اور حضرت مولانا عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ نے اجازت وخلافت سے بھی نوازا۔ ایں سعادت بزور بازو نیست۔

حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ تو حضرت مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے، جبکہ مولانا عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ جو کہ اصل میں بدوکی، حافظ آباد روڈ گوجرانوالہ کے تھے، اور "ڈی، این،

ٹیکسٹائل مل" راولپنڈی میں رہتے تھے وہ سہارن پور کے فاضل تھے۔

حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد استاذِ محترم مجھے حضرت رائے پوری کے خلیفہ حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں ڈھڈیاں شریف، سرگودہا لے گئے، "کھوٹی" سے 6/7 کلومیٹر کا فاصلہ پیدل طے کیا، ویسے بھی دن بھر کی تھکاوٹ تھی، اس لیے استاذِ محترم رحمہ اللہ نے وہاں مقیم ایک عالم مولانا سلیم اللہ صاحب سے فرمایا کہ: مجھے 3 بجے جگا دینا، اور میرے بارے میں فرمایا کہ: اِن کو نہ جگانا، یہ تھکے ہوئے ہیں، مقررہ وقت پر انہوں نے جگایا، آپ آہستگی سے اٹھے، مجھے جگانے کی بجائے خود ہی باہر تشریف لے گئے، وضو کیا اور آ کر نماز کے بعد ذکر میں مشغول ہوگئے، ہلکی ہلکی آواز سے ذکر کر رہے تھے کہ کہیں میری آنکھ نہ کھل جائے، مگر میں سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ دوسروں کا کس قدر خیال ہے۔ اور یہ بھی کہ استقامت کا یہ عالم ہے کہ بڑھاپا، سفر، تھکاوٹ کے باوجود تہجد وذکر کا ناغہ گوارا نہیں۔

اسی طرح فیصل آباد کے S.D.O جناب شعیب صاحب جو سلسلہ رائے پور سے وابستہ تھے، اُن کے گھر بھی لے گئے، پتہ معلوم نہ تھا، پوچھتے پاچھتے جا پہنچے، وہ دیکھ کر سخت حیران ہوئے کہ حضرت! کیسے؟ فرمایا: آپ سے ملاقات کو جی چاہ رہا تھا، اللہ نے دل میں ڈال دیا اور ہم اسی طرف چلے آئے، اور آپ کا گھر مل گیا۔ دن بھر کے سفر کی تھکاوٹ کے باوجود اس رات بھی استاذ محترم رحمہ اللہ نے نہ تہجد کا ناغہ کیا اور نہ ذکر چھوڑا۔

ایک مرتبہ ہڑپہ جاتے ہوئے خانیوال نماز کا وقت ہوگیا تو ہم وہاں اُتر گئے، نماز کے بعد دوسری بس پر سوار ہوئے تو اس میں کوئی سیٹ خالی نہیں تھی، میں نے ایک نوجوان کو کہا کہ: یہ ہمارے استاذ بوڑھے ہیں، آپ ان کو سیٹ دیدیں، تو استاذِ محترم نے فرمایا: نہیں! اس پر اسی کا حق ہے جو پہلے سے بیٹھا ہے۔ اور خود سیٹوں کے درمیان نیچے ہی بیٹھ گئے اور مجھے کپڑا بھی نہ بچھانے دیا۔

بشارات:

استاذِ محترم رحمہ اللہ کی حیات میں مَیں نے ایک خواب دیکھا، جس کا اُن سے تذکرہ بھی کیا، کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ جمع ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں، میں بھی اُن کے ہمراہ انتظار میں کھڑا ہو جاتا ہوں، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید ریش بزرگ آ رہے ہیں،

میں سوچتا ہوں کہ ہم نے تو صحیح احادیث میں پڑھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کے صرف چند بال سفید تھے۔ اِن کے تو اکثر بال سفید ہیں، وہ بزرگ قریب تشریف لاتے تو اُن کا چہرہ استاذِ محترم کے چہرے کے مشابہ معلوم ہوتا ہے، میں لوگوں سے کہتا ہوں کہ: یہ تو ہمارے استاد شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف صاحب ہیں، وہ کہتے ہیں: نہیں! یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں خاموش ہوجاتا ہوں۔ غالباً اِس سے استاذِ محترم کی ''اتباعِ سنت'' کی طرف اشارہ ہے۔

اسی قسم کا ایک خواب استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہم کے بارے میں بھی دیکھا تھا، جس کا کبھی کسی سے تذکرہ نہیں کیا، آج جی چاہتا ہے کہ وہ بھی بیان کردوں۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں، ساتھ صحابہ کرام ہیں، خاص کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ساتھ ہیں۔ قریب سے دیکھتا ہوں تو استاذ مفتی صاحب کی شباہت معلوم ہوتی ہے، آپ کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ غالباً یہ ان حضرات کے اخلاص کی طرف اشارات ہیں۔

ابھی چند دن قبل مولانا محمد رشید صاحب مدظلہم نے خواب میں دیکھا کہ: ''استاذِ محترم جوانی کی حالت میں ہیں۔'' اس سے ہم نے اندازہ لگایا کہ آپؒ جنت میں ہیں۔

اسی طرح میں نے خواب میں دیکھا کہ: استاذِ محترم حج پر جارہے ہیں، ہم آپ کو روانہ کرنے جارہے ہیں، اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ آپؒ اس دنیا سے پاک ہوکر جارہے ہیں۔ واللہ اعلم

اندازِ تدریس......اور......اخلاص فی التدریس

استاذِ محترم کا اندازِ تدریس بہت ہی عمدہ اور اعلیٰ تھا، سادہ مگر دلکش، مختصر مگر پُر مغز تقریر کہ اکثر سوالات اسی تقریر سے حل ہوجاتے تھے، سوال جواب کا انداز بہت کم اختیار فرماتے، صرف درسی تقریر ہی سے تمام اشکالات کافور ہوجاتے تھے۔ جب ترجمہ کراتے تو ضمائر کے مراجع کا بطور خاص اہتمام فرماتے، اور خوب یاد کراتے، جس سے سبق جلدی ازبر ہوجاتا تھا۔ اور اندازِ تفہیم تو ماشاء اللہ بہت ہی نرالا تھا۔ مادۂ تفہیم اللہ تعالیٰ نے وافر عطا فرمایا تھا۔

فنون منطق ونحو وغیرہ کی کتب بھی پڑھاتے تو یوں لگتا تھا کہ گویا علوم کی دینی کتب پڑھا رہے ہیں، یعنی دینی جذبہ وخلوص اس قدر تھا کہ وہ سبق بھی لطف ولذت والے ہوجاتے تھے۔ اب سے تقریباً 32 سال قبل کی بات ہے جب استاذِ محترم کی جوانی تھی، ایک روز آپؒ ''شرح جامی'' کا سبق پڑھا رہے

تھے کہ ''جامعہ خیر المدارس، ملتان'' کے استاذ الحدیث حضرت مولانا شبیر الحق کشمیری صاحب مدظلہم تشریف لے آئے اور سبق سننے بیٹھ گئے، استاذ محترم کے درس کی شہرت ان تک بھی پہنچی تھی، استاذ محترم ان کے آنے سے بالکل نہیں گھبرائے کہ ایک اتنا بڑا عالم اور بالخصوص ایک ماہر مدرس موجود ہے، سبق کیسے پڑھاؤں؟ نہیں! بلکہ حسب معمول انتہائی سکون واطمینان اور دلجمعی سے خوب کھل کر سبق پڑھایا۔ جب سبق ختم ہوا تو مولانا شبیر الحق صاحب فرمانے لگے: شرح جامی کا سبق اور اتنا لذیذ؟ پہلی دفعہ سنا ہے۔

استاذ محترم ہر سبق رضائے باری تعالیٰ کی خاطر انتہائی خلوص اور دیانت داری سے پڑھاتے، اگر کبھی بھول چوک یا سہو ہوجاتا تو دوسرے دن بلا جھجک اپنی غلطی کا کھلم کھلا اعتراف کرکے تصحیح کرادیتے اور گزشتہ دن کے لکھوائے اور پڑھائے ہوئے پر لکیر ''نسخ'' پھیر دیتے۔ اس میں عار بالکل محسوس نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ پوری کوشش ہوتی تھی کہ دین بغیر ردوبدل کے من وعن آگے پہنچے۔

اتباعِ سنت......اور......تردید بدعت

علماء نے لکھا ہے کہ قبولیت اعمال کے لیے تین شرائط کا ہونا ضروری ہے، ورنہ کوئی عمل مقبول نہیں۔ [۱] ایمان...... [۲] اخلاص...... [۳] اتباع سنت۔ اگر ''ایمان'' نہ ہو تو بھی کوئی عمل قبول نہیں، مشرکین مکہ حاجیوں کی خدمت کرتے تھے، بیت اللہ کی خدمت کرتے اور دیگر کام بھی، مگر ان کا کوئی عمل قبول نہیں، کیونکہ ایمان نہیں تھا۔ ''اخلاص'' نہ ہو، ریا کاری ہو تو بھی عمل مقبول نہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ریا کار کا عمل قیامت کے دن اُس کے منہ پر ماردیا جائے گا۔ بلکہ یہاں تک آتا ہے کہ ایک شہید کو بلایا جائے گا، وہ کہے گا کہ: یا اللہ! مَیں نے آپ کے دین کی خاطر قربانی دی، اللہ فرمائیں گے: نہیں! تُو جھوٹ بولتا ہے، تُو نے تو اس لیے جان دی تھی کہ تو غازی کہلائے، تجھے بہادر کہا جائے، لوگ تیری تعریفیں کریں۔ یہ سب کچھ تجھے دنیا میں مل چکا، اب میرے پاس تیرے عمل کا کوئی بدلہ نہیں، لہٰذا اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اسی طرح ''اتباع سنت'' نہ ہو تو بھی عمل قبول نہیں ہوتا۔ بلکہ عمل جو سنت کے مطابق نہ ہو، دین سمجھ کر کیا جائے تو بدعت کہلاتا ہے، اور ''کل بدعة ضلالة''، (ہر بدعت گمراہی ہے۔) اور ''کل ضلالة فی النار'' (ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔) کے فرامین نبوی مشہور ہیں۔ حتی کہ علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ ''بدعتی کو توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی۔'' اور توفیق ہو بھی کیسے سکتی ہے؟ جب وہ اسے سمجھتا ہی عین دین ہے تو توبہ کیوں کرے گا؟ اور ''اتباع سنت'' تو ''کرامت'' سے

بھی بڑھ کر ہے، حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ ان کے ایک مرید نے ان سے سوال کیا کہ حضرت! میں 20 سال آپ کی خدمت میں رہا، کبھی بھی آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ حضرت نے فرمایا: کرامت نہیں دیکھی تو کیا ہوا؟ کیا تم نے کبھی میرا کوئی عمل خلافِ سنت دیکھا ہے؟ اُس نے عرض کیا: نہیں! حضرت نے فرمایا: یہ سب سے بڑی کرامت ہے۔

استادِ محترم حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ بھی ''اتباعِ سنت'' کا خوب اہتمام فرماتے تھے۔ ہر ہر عمل میں اتباع سنت کا خوب خیال رکھتے تھے۔ مولانا عبدالشکور صاحب ون یونٹ والے فرماتے ہیں کہ: میں نے ایک دن استادِ محترم سے عرض کیا کہ: حضرت! حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو آدمی چالیس 40 دن بلاناغہ تکبیر اولیٰ سے نماز پڑھتا ہے اسے دو پروانے ملتے ہیں: ......۱جہنم سے آزادی......۲نفاق سے برأت۔ مَیں کئی دفعہ کوشش کر چکا ہوں کہ کم از کم ایک مرتبہ تو چالیس دن اس اہتمام کے ساتھ نماز پڑھ لوں۔ لیکن کبھی چالیس دن مکمل نہیں کر سکا، کوئی نہ کوئی ناغہ ہو جاتا ہے۔ کبھی مہینہ بعد، کبھی 35 دن بعد، اور کبھی تو 37 دن تک بھی گیا ہوں، لیکن پھر ناغہ ہو جاتا ہے۔ اس پر استادِ محترم نے تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا: الحمدللہ میں کئی مرتبہ اس کو پورا کر چکا ہوں۔ اسی طرح لنگی کا اہتمام فرماتے کیونکہ اصل سنت تو وہی ہے۔ کبھی شلوار بھی پہن لیتے تھے۔

جس طرح اتباع سنت کا اہتمام تھا، اسی طرح بدعت کی تردید و بیخ کنی کی بھی فکر رہتی تھی۔ کبھی کسی کے بارے میں معلوم ہو جاتا کہ وہ بدعتی ہے یا اہل بدعت سے اس کا تعلق ہے تو اسے بڑے صاف اور واشگاف انداز میں تنبیہ کر دیتے تھے۔ اور بدعتی کی توقیر کے سخت مخالف تھے۔ آپ اس بات کے سخت خلاف تھے کہ کسی بھی بدعتی کو اہل سنت کے سٹیج پر بلایا جائے، دعوت دی جائے، یا اس کی ازخود آمد پر اس کا اکرام کیا جائے، اسے آپ دین و مسلک حق کے لیے نقصان دہ سمجھتے تھے۔

دینی غیرت......اور......مسلکی حمیت

دینی غیرت اور مسلکی حمیت تو استادِ محترم کی گویا گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ مسلک دیوبند کے بارے میں بہت ہی باغیرت اور متصلب تھے۔ اس بارہ میں کسی مصلحت کے روادار نہ تھے، اکابر پر بے پناہ اعتماد فرماتے تھے۔ علماء دیوبند کے اجماعی مسلک کو ہی حق سمجھتے تھے اور اسی پر کاربند رہنے کو باعث نجات خیال فرماتے تھے۔ اسی کی ترغیب دیتے اور اسی کی ترویج فرماتے تھے۔ اپنے اکابر و اساتذہ

کا نام لے لے کر فرماتے کہ ہم ان کے پیروکار ہیں۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ، شیخ العرب والعجم حضرت مدنی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالخالق رحمہ اللہ، حضرت مولانا غلام محمد رحمہ اللہ ''تین کسی'' والے، جو استادِ محترم کے ابتدائی استاد تھے اور اصل میں استادِ محترم کو دین کی طرف لگانے والے تھے۔

مسلکی معاملات میں لچک، رعایت اور رواداری کو پسند نہیں فرماتے تھے، بلکہ بلاخوف لومۃ لائم حق بات سیدھے اور صاف انداز میں کہہ دیتے تھے۔ اس میں کسی سے خائف نہیں ہوتے تھے۔ حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ کے فرزند اور دارالعلوم مدنیہ کے مہتمم حضرت مولانا زبیر احمد صاحب رحمہ اللہ کی وفات پر استادِ محترم اُن کے گھر ''شریف آباد'' تشریف لے گئے، وہاں کافی علماء اکٹھے تھے، اور تعزیت کے لیے آنے والے ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگ رہے تھے، بعض علماء بھی اس عمل میں شریک تھے تو استادِ محترم کھڑے ہو گئے اور فرمایا: آپ علماء کرام امت کے پیشوا اور مقتدا ہیں، آپ جانتے ہیں کہ اس وقت یہ عمل بدعت کی صورت اختیار کر چکا ہے، لوگ اسے ضروری اور لازمی سمجھتے ہیں، اب اگر آپ بھی اس سے نہیں رکیں گے تو قوم کیسے رُکے گی؟ غرضیکہ سب کو سمجھایا، استادِ محترم کی پرخلوص، دردمندانہ تقریر کا اثر ہوا اور سب نے ہاتھ اٹھانے چھوڑ دیئے۔

بانی دارالعلوم مدنیہ حضرت الاستاذ ناظم صاحب (مولانا غلام مصطفیٰ) رحمہ اللہ کو بھی کبھی کبھی کسی بات پر تنبیہ فرما دیا کرتے تھے، بعض اوقات تو ہم سمجھتے کہ اب استاذ ناظم صاحب، استاذ شیخ الحدیث صاحب کی چھٹی کرا دیں گے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ حضرت ناظم صاحب رحمہ اللہ بڑے تحمل سے سب کچھ سنتے اور فرماتے تھے کہ: وہ مجھے حق بات کہتے ہیں۔

نام نہاد ''جماعت اسلامی'' جو درحقیقت غیر اسلامی ہے، کے بارے میں فرماتے تھے کہ اس بارے میرا بالکل وہی مؤقف ہے جو ہمارے اکابر حضرت مدنی رحمہ اللہ، حضرت لاہوری رحمہ اللہ، مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ اور اس دور میں مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کا ہے۔

اہل بدعت جن کی بدعت شرک کا درجہ اختیار کر کے ''بدعت مفسقہ'' سے بڑھ کر ''بدعت مکفرہ'' بن چکی ہے، ان کے بارے میں فرماتے تھے کہ: یہ تو "انماالمشرکون نجس" کا مصداق ہیں۔

عقیدہ ''حیات الانبیاءؑ'' میں بھی اپنے اکابر و اسلاف کے متبع تھے اور اسی کو حق جانتے تھے۔ احمد سعید ملتانی (چتروڑگڑھی) کے بارے میں استادِ محترم فرماتے تھے کہ: یہ اپنے اساتذہ بالخصوص

حضرت مولانا علی محمد صاحب رحمہ اللہ کی بے ادبی اور گستاخی کی وجہ سے گمراہ ہوا ہے۔اس کا حافظہ اچھا تھا، مگر اساتذہ کی بے ادبی و گستاخی بہت کرتا تھا۔

اصاغر نوازی...... اور......شفقت

حدیث نبوی ہے:"من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا فلیس منّا" ،استاذِ محترم جہاں اپنے اکابر واساتذہ کا احترام فرماتے تھے، وہیں اپنے اصاغر وچھوٹوں پر شفیق ومہربان بھی بہت تھے۔ مولانا محمد اسحاق ساقی صاحب [مبلغ: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، بہاول پور] فرماتے ہیں کہ: میں جب کبھی استاذِ محترم کی خدمت میں جاتا تو مجھے فرماتے کہ تقریر بھی تم کرو اور نماز بھی تم پڑھاؤ۔تم اچھی تقریر کر لیتے ہو۔

اسی طرح دین کی نسبت سے بندہ سے بھی ازحد محبت فرماتے تھے اور گاہے بگاہے حوصلہ افزائی کے لیے تعریفی کلمات ارشاد فرماتے رہتے تھے، جب میرا تدریس کا پہلا سال تھا، تو میری عمر کم ہونے کی وجہ سے خدشہ تھا کہ شاید طلباء اعتراض کریں، تو استاذِ محترم رحمہ اللہ نے ازخود افتتاحی تقریب میں تمام طلباء کو سمجھایا اور بندہ کے متعلق تعریفی کلمات کہے۔ پھر دورانِ تدریس کبھی دروازے کی اوٹ سے بندہ کا سبق سنتے تو دوسرے احباب کے سامنے خوشی کا اظہار فرماتے تھے کہ: ماشاءاللہ بہت عمدہ پڑھاتا ہے۔اور دعا دیتے تھے۔

آخری وصیت و نصیحت

استاذِ محترم کے صاحبزادے بھائی انیس صاحب فرماتے ہیں کہ: استاذِ محترم نے سب گھر والوں کو اکٹھا کیا، اور فرمایا: میرے بعد واویلا نہ کرنا، کوئی خلاف شرع کام نہ کرنا۔صبر وتحمل سے کام لینا۔ اس کے بعد فرمایا: میرا کلمہ سن لو۔بس کلمہ پڑھتے رہے اور آواز بند ہوگئی۔اس کے بعد آپ نے کوئی بات نہیں فرمائی۔

پھر جمعۃ المبارک کے دن عین عشاء کی نماز کے وقت 7:40 پر ایک ہچکی کے ساتھ دنیا کے مصائب وآلام سے آزاد ہو کر دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف منتقل ہوگئے۔

تجہیز وتکفین

استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہم [مہتمم وشیخ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ] کے حکم پر بندہ ناچیز نے دیگر احباب کے ہمراہ استاذِ محترم کو غسل دیا۔ ہفتہ کے دن تقریباً 11:20 پر استاد مفتی صاحب نے جنازہ پڑھایا اور علم وعمل، تقویٰ وخشیت کے آفتاب کو سپرد خاک کر دیا گیا۔☆☆

مولانا محمد رشید، حیات پوری مدظلہم☆

حضرت الاستاذ شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ

استاذِ محترم حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ انتہائی مخلص، منکسر المزاج، عاجز، سادہ، فقیر منش لیکن علم میں مضبوط اور راسخ اور عمل میں کامل اور مستقیم تھے۔آپ کی عاجزی، انکساری، سادگی، للّٰہیت، تقویٰ اور خداخوفی کی مثال ہمارے زمانہ میں شاذ ونادر ہی ہوگی۔ آپ شریعت وطریقت کے جامع تھے، اسی لیے کامل تھے۔اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمایا۔آپ نے انتہائی اخلاص اور پوری ذمہ داری کے ساتھ دینی خدمات سرانجام دیں۔

ہم جب دارالعلوم مدنیہ میں آئے اس وقت استاذِ محترم کی تدریس کو بارہ، تیرہ (۱۲۔۱۳) سال کا عرصہ بیت چکا تھا، اس لیے آپ کے اسباق بڑے درجات میں تھے۔ابتدائی کتب ہم آپ سے نہ پڑھ سکے نہ ہی زیادہ تعلق تھا۔البتہ اتنا یاد ہے کہ فارسی والے سال کسی نے مجھے گھی دیا کہ استاذِ محترم کے گھر پہنچا آؤ، میں نے استاذ صاحب کا گھر دیکھ رکھا تھا، لہٰذا چلا گیا، استاذ صاحب خود باہر تشریف لائے، میں نے پیش کر دیا، آپ نے لے لیا، اس وقت حالانکہ میں بچہ تھا، لیکن میری زبان سے نکل گیا کہ آپ میرے لیے دُعا فرمائیں، تو استاذِ محترم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ آپ کو عالم باعمل بنائے۔"

پھر رابعہ والے سال ہمیں استاذِ محترم سے شرف تلمذ نصیب ہوا۔"شرح جامی" اور "نورالانوار" ہم نے آپ سے پڑھی، اس کے بعد سلّم، میبذی، مسلّم الثبوت، شرح عقائد، سراجی، (ایک مرتبہ سراجی دورانِ سال حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے پڑھی، لیکن پھر کئی سال بعد چھٹیوں میں مولانا قاری محمد صادق صاحب اور میں نے گھر جا کر استاذِ محترمؒ سے اول تا آخر پڑھی، استاذِ محترم کو علم میراث میں بہت زیادہ مہارت تھی، حساب وکتاب میں کامل دسترس رکھتے تھے، چٹکیوں میں حساب سمجھاتے، "مناسخہ" جو انتہائی مشکل مقام ہے، ایسا سمجھایا کہ ابھی تک نہیں بھولا، اور خود راقم کئی دفعہ پڑھا چکا ہے۔) اور پھر بخاری (مجلدین) اور ترمذی (مجلدین) ہم نے استاذِ محترم ہی سے پڑھیں۔

اس تمام عرصہ میں استاذِ محترم کی ٹوٹی پھوٹی خدمت اسی عاجز کے ذمہ تھی، گرمیوں میں استاذِ

☆ فاضل واستاذ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور

محترم دوپہر کو قمیص اُتار کر قیلولہ کے لیے لیٹ جاتے، اور بندہ کو فرما رکھا تھا کہ میری قمیص دھو دیا کرو، چنانچہ میں قمیص دھو کر سکھا لیتا اور ظہر کی نماز سے قبل پیش کر دیتا۔ اسی طرح کھانا پیش کرنا بھی میرے ہی ذمہ ہوتا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ اس پورے عرصے میں استادِ محترم نے ایک مرتبہ کے علاوہ کبھی مدرسہ کی روٹی تناول فرمائی ہو، ہمیشہ کھانا گھر سے ساتھ لاتے تھے۔ ایک مرتبہ کوئی آدمی استادِ محترم کو علی الصبح گھر سے لے آیا، اور وہاں سے پھر مدرسہ تشریف لے آئے، اس روز آپ گھر سے کھانا نہ لا سکے تھے، اس لیے مدرسہ کی روٹی منگوائی، اور صرف ایک ہی روٹی تناول فرمائی۔

اسباق میں استادِ محترم کا انداز بہت ہی دلنشین اور پیارا ہوتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ بات دل میں اترتی اور بیٹھتی چلی جاتی تھی، معقولات میں لمبی چوڑی تقریر نہ فرماتے تھے اور نہ ہی اس کے قائل تھے۔ بلکہ مختصر اور بامعنیٰ تقریر فرماتے تھے جو فہم میں سہل ہونے کے ساتھ ساتھ سہولت سے یاد بھی ہو جاتی تھی۔

البتہ بخاری شریف اور ترمذی شریف مفصل پڑھاتے تھے، آخر میں ضعف کی وجہ سے ''بخاری شریف'' اختصار سے پڑھانے لگ گئے تھے۔ ترمذی شریف کی تو دو گھنٹے مسلسل تقریر فرماتے تھے۔ اور آخر تک خوب کھل کر ابحاث فرماتے تھے۔

الحمد للہ ہمیں یہ سعادت حاصل ہوئی کہ ہم نے بخاری کی دونوں جلدیں استادِ محترم ہی سے پڑھیں، ورنہ عام طور پر ایک جلد آپ کے پاس ہوتی تھی اور دوسری جلد استادِ محترم مولانا غلام مصطفیٰ صاحب رحمہ اللہ کے پاس، اور اُن کے بعد استادِ محترم مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم کے پاس چلی گئی۔ بس اُسی سال دونوں جلدیں آپ ہی کے پاس تھیں۔ اور ترمذی کی بھی دونوں جلدیں آپ ہی نے پڑھائیں۔

ذہانت غضب کی تھی، بلا کے ذہین تھے، ''میبذی'' جیسی مشکل کتاب کا صرف دس منٹ میں مطالعہ فرما لیتے تھے، میرے پاس جو کتاب تھی اس پر ''عین القضاۃ'' کا حاشیہ تھا، آپ اسی سے مطالعہ فرماتے تھے، مجھ سے کتاب لے کر مطالعہ شروع فرماتے اور دس منٹ بعد کلاس کو بلا لیتے اور پڑھا دیتے تھے۔

ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ: میں پورا گھنٹہ میبذی کا مطالعہ کرتا ہوں، اور کچھ بھی سمجھ نہیں آتی، جبکہ آپ دس منٹ میں مطالعہ کر کے پڑھا بھی لیتے ہیں؟ فرمایا: ''میری اور تمہاری مثال تو ایسے ہی ہے، جیسے ایک مرتبہ ایک چیونٹی نے دوسری سے کہا کہ ہم تو سو سو (100/100) مل کر ایک ''ٹنڈن'' کو کھینچتی ہیں، اور ہاتھی اکیلا سو سو (100/100) من وزن اٹھا لیتا ہے؟...... تمہاری اور میری مثال بالکل یہی

ہے، بھئی مجھے پڑھاتے ہوئے کتنا عرصہ ہو چکا ہے اور تم ابھی طالب علم ہو، تمہارا مجھ سے کیا مقابلہ؟ پھر میں نے پوچھا کہ پہلے بھی آپ نے پڑھائی ہے؟ تو فرمایا: ''دس سال پہلے پڑھائی تھی۔'' پھر جب مجھے ''میبذی'' پڑھانے کا موقع ملا تو سمجھ آئی کہ استادِ محترم کی بات ٹھیک تھی۔ طالب علم کا استاد سے کیا مقابلہ؟

طلباء کے ساتھ انتہائی عاجزی اور شفقت سے پیش آتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے اہل خانہ کہیں گئے ہوئے تھے، آپ نے مجھے فرمایا کہ: تین دن تم یہاں میرے ساتھ گھر رہا کرو! چنانچہ میں چلا گیا، تو آپ روزانہ صبح بھی اور رات بھی خود ہوٹل سے کھانا لاتے اور مجھے ساتھ بٹھا کر کھلاتے، یوں نہ کرتے کہ خود وہاں کھا کر آ جائیں، یا مجھے وہاں کھانے بھیج دیں، یا مجھے لینے بھیج دیں، ایسا نہیں کرتے تھے۔ میں عرض کرتا کہ آپ تکلیف نہ فرمایا کریں، میں لے آیا کروں گا، تو فرماتے مجھے کیا ہے؟ میں کیوں نہ لاؤں؟ گویا بالکل بھی فرق نہیں فرماتے تھے۔

استاد ناظم صاحب (حضرت مولانا غلام مصطفیٰ مرحوم) بہت زیرک اور ذہین تھے، وہ نظر رکھتے تھے کہ کون طالب علم کس استاد کی خدمت میں رہتا ہے، اُن استاد سے متعلق کوئی کام ہوتا تو اسی طالب علم کو فرماتے تھے۔ مجھے وہ اکثر استاد شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی خدمت کرتے ہوئے دیکھتے تھے تو ایک روز مجھے بلایا اور فرمایا کہ جب استاد کھانا منگوائیں تو میرے کمرے میں سالن پڑا ہوا ہے، وہ لے جانا اور گرم کر کے پیش کرنا۔ جب استاد جی کے کھانے کا وقت ہوا تو میں حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب رحمہ اللہ کے کمرے میں گیا، اتفاق سے استاد شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ بھی کسی کام سے وہیں تشریف فرما تھے، جب میں داخل ہوا تو استاد ناظم مجھے دیکھ کر استاد شیخ الحدیث صاحب سے فرمانے لگے: ''لوجی! آپ کا خلیفہ بھی آ گیا ہے......!!'' استاد شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا: ''تو میں کیا کہتا ہوں کہ میرا خلیفہ نہ بنے؟ کیوں نہ بنے؟ اللہ اسے شیخ الحدیث بنائے، اللہ اسے شیخ التفسیر بنائے، اللہ اسے شیخ المنطق اور شیخ الفقہ بنائے۔'' استاد ناظم صاحب نے فرمایا: اچھا! آپ کی یہ مراد تھی۔ اور ہنس پڑے۔ پھر مجھے اشارہ کیا تو میں سالن اٹھا کر چلتا بنا۔

استاد ناظم صاحبؒ کبھی کبھی مجھے گوشت دیتے تھے کہ استاد شیخ الحدیث صاحب کو دیدو! میں لے جاتا، تو استاد شیخ الحدیث صاحبؒ فرماتے: یہ مدرسہ کا گوشت ہے، میں کیسے لے لوں؟ پھر اسے تلوا لیتے اور دوسرے دن مدرسہ آ کر مجھے پیسے دیتے کہ ان کی رسید کٹوا آؤ۔ مَیں رسید کٹوانے جاتا تو استاد ناظم صاحبؒ دیکھ کر ہنس پڑتے، اور فرماتے: استاد شیخ الحدیث صاحب نے دیئے ہیں؟ میں عرض

کرتا: جی! تو مسکراتے ہوئے رقم وصول کر کے رسید کاٹ دیتے۔

ایک مرتبہ استاد شیخ الحدیث صاحبؒ مجھے اپنے ہمراہ اپنے ابتدائی استاد مولانا غلام محمد صاحب رحمہ اللہ کے پاس لے گئے جو کبیر والہ کے قریب رہتے تھے، ہم وہاں پہنچے تو دیکھا تو وہ لمبے قد کاٹھ، چوڑے چہرے اور لمبی گھنی داڑھی کے مالک ہیں۔ اور اس وقت ان کی عمر 75 سال تھی، اور ابھی تیسری شادی کی تھی، کیونکہ ان کی اولاد نہیں تھی۔ مولانا غلام محمد رحمہ اللہ دورۂ حدیث کے لیے دارالعلوم دیوبند گئے تھے، حضرت مدنی رحمہ اللہ سے شرف تلمّذ حاصل ہو گیا تھا، لیکن بیمار ہو گئے تو پھر واپس چلے آئے۔

استاد شیخ الحدیث صاحبؒ اُن کے سامنے دوزانو بیٹھے ہوئے تھے، میں بھی ایک جانب دوزانو بیٹھا تھا، تو وہ فرمانے لگے، یہ میرا شاگرد ہے، میں نے اِسے فارسی سے ''شرح جامی'' تک پڑھایا ہے، پھر اسے میں کبیر والہ بھیج دیا، اور یہ عالم بن گیا، پھر اس نے فاضل عربی کورس کیا اور سکول میں ماسٹر لگ گیا۔ تو میں نے اِسے خط لکھا کہ کیا تجھے اِس لیے پڑھایا تھا؟ پھر اِس نے میری بات مان لی اور بہاول پور چلا گیا، علامہ کا کورس کیا اور پھر پڑھانا شروع کر دیا۔ اب یہ ''شیخ الحدیث'' ہے۔ استاد شیخ الحدیث صاحبؒ سر جھکائے خاموشی سے ساری گفتگو سنتے اور مسکراتے رہے۔

استاد شیخ الحدیث صاحبؒ کا رائے پوری سلسلہ میں اولاً بیعت حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ سے ہوئی، اُن کی وفات کے بعد مولانا ولی محمد صاحبؒ سے گہرا تعلق ہو گیا تھا۔ اور اکثر اُن کی خدمت میں ہڑپہ میں رہتے تھے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب آپؒ غالباً ۱۹۶۲ء میں فراغت کے بعد ہڑپہ میں سکول ٹیچر ہو گئے تھے، اسی زمانہ میں حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ آپؒ کو حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ [چک گیارہ، چیچہ وطنی] خلیفہ حضرت رائے پوری کے پاس لے گئے، بعد آپؒ کا مذکور دونوں بزرگوں سے گہرا تعلق رہا۔ سالہاسال چھٹیوں میں چک گیارہ میں حضرت پیر جی کے پاس رہتے تھے اور اور تصوف کی لائن میں اُن سے بہت کچھ حاصل کیا، البتہ اجازت وخلافت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ سے ہوئی۔ اور بعد میں مریدین کو بیعت بھی انہی کی اجازت پر فرماتے تھے۔

مجھے بھی آپؒ نے حضرت مولانا ولی محمد رحمہ اللہ سے بیعت کرایا۔ جب مولانا ولی محمد صاحبؒ کی وفات ہو گئی تو میرا جی چاہتا تھا کہ کسی سے بیعت ہو جاؤں، اس وقت تک بیعت کے اس اُصول سے بالکل لاعلم تھا کہ ''جب کسی بزرگ سے بیعت کر لی جائے تو دوبارہ بیعت نہیں کی جاتی، بلکہ اسی سلسلہ کے

دوسرے بزرگوں سے بغیر بیعت کیے فیض حاصل کیا جاتا ہے اور تربیت لی جاتی ہے۔'' مجھے کیونکہ علم نہیں تھا، لہٰذا میں نے مولانا عبدالمنان صاحبؒ جو اکثر بہاول پور استاد شیخ الحدیث صاحبؒ کے پاس تشریف لایا کرتے تھے، اُن سے درخواست کی آپ مجھے بیعت فرمالیں۔ اُنہوں نے اُسی اُصول کے مطابق جواب دیا کہ بیعت وہی کافی ہے، بس آپ نے کچھ پوچھنا ہو تو مجھ سے پوچھ لیا کریں۔

بیعت کے بغیر میری تسلی نہیں ہو رہی تھی، لہٰذا میں نے سوچا کسی اور بزرگ سے بیعت ہو جاؤں اور ایسے بزرگ سے بیعت کروں جن سے علمی فائدہ بھی ہو، چنانچہ امام اہل سنت شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جب استاد شیخ الحدیث صاحبؒ کو معلوم ہوا تو وہ ناراض ہوئے کہ ایک تو اس نے اُصول کے خلاف کیا، دوسرا یہ کہ سلسلہ بھی چھوڑ دیا۔ دوسرے سلسلے میں بیعت کر لی۔ انہوں نے مولانا عبدالمنان صاحبؒ سے اس کا تذکرہ کیا تو وہ بھی ناراض ہو گئے۔ اب میں پریشان ہوا، کیونکہ مجھے تو اُصول کا علم ہی نہیں تھا، اور حضرت امام اہل سنتؒ سے بیعت بھی کر چکا تھا۔

اتفاق سے ہمارے ساتھی مولانا محمد صادق جمال پوری صاحب مدظلہ العالی، مولانا عبدالمنان صاحبؒ سے ملنے راولپنڈی گئے تو میں نے عرض کیا کہ میرا سلام عرض کر دیں۔ اُنہوں نے سلام عرض کیا تو مولانا عبدالمنان رحمہ اللہ نے فرمایا: اُس کو چھوڑو، اُس نے تو ہمیں چھوڑ دیا ہے۔ مولانا صادق صاحب نے عرض کیا کہ: حضرت! کیا وہ راستہ درست نہیں ہے؟ تو فوراً حضرت کا شرح صدر ہوا اور فرمایا: ''اللہ اُن کو ایسے سرفراز کرے جیسے اُن کے پیر سرفراز ہیں۔'' کیونکہ اللہ والے مخلص اور دل کے صاف ہوتے ہیں، اس لیے ہر بات صاف اور کھلے دل سے کہہ دیتے ہیں، جب دل پر غبار تھا تب کی بات بھی صاف کہہ دی۔ اور جب شرح صدر ہوا تو دُعا بھی دیدی۔ جب اس بات کا استاد شیخ الحدیث صاحبؒ کو علم ہوا تو آپ نے بھی ناراضگی بالکل ختم فرمادی۔

بعد میں مَیں نے امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صاحبؒ سے سارا معاملہ عرض کیا، تو اُنہوں نے فرمایا کہ: آپ نے بھی غلط کیا، یعنی اُصول کے خلاف کیا، اُصولاً تو آپ کو اسی سلسلہ کے بزرگوں سے تعلق رکھنا چاہیے تھا۔ لیکن خیر اب آپ ایسا کریں کہ اُنہی کے بتائے ہوئے اذکار ہی کرتے رہیں، میری طرف سے آپ کو اجازت ہے۔ میں نے یہ بات استاد شیخ الحدیث صاحبؒ کو بتائی تو استاد صاحب خوش ہو گئے۔

اسی طرح ایک مرتبہ کچھ طلباء نے جو کسی معاملہ میں ملوث تھے، بار اپنے سر سے ہٹانے کے

لیے مجھے نشانہ بنایا، اور استاد شیخ الحدیث صاحبؒ سے میری شکایت کردی کہ یہ کلاس میں ایسی ایسی باتیں کرتا ہے، استاد صاحب سخت ناراض ہوئے اور بلا کر ڈانٹا۔ بعد میں مَیں استاذِ محترم کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت چاہی اور عرض کیا کہ راضی ہو جائیں تو فرمایا: اُس وقت آپ کو ڈانٹ لیا، بس بات ختم۔ اب کیسی ناراضگی؟ پھر میں نے حقیقت حال بتلائی تو فرمایا: مجھے تو اس بات کا علم نہیں تھا۔ غرض دل کے بالکل صاف اور انتہائی مخلص تھے۔

ایک مرتبہ استاد شیخ الحدیث صاحبؒ ''دار العلوم مدنیہ'' کو چھوڑ کر ''دار العلوم اسلامی مشن'' چلے گئے، اور پانچ سال وہاں پڑھاتے رہے، ہم تین ساتھی مولانا محمد صادق جمال پوری، مولانا قاری محمد صادق اور مَیں، ہم نے بھی کسی وجہ سے ''دار العلوم مدنیہ'' سے استعفیٰ دیدیا۔ اب ناظم مولانا غلام مصطفیٰ صاحبؒ پریشان ہوئے تو استاد شیخ الحدیث صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تمام صورت حال اُن کو بتائی اور اُن سے درخواست کی آپ بھی تشریف لائیں اور اپنے شاگردوں (ہم تینوں کی طرف اشارہ تھا) کو بھی لائیں۔ اتفاق سے استاد شیخ الحدیث صاحبؒ اس وقت تک ''اسلامی مشن'' انتظامیہ سے تنگ آچکے تھے، لہٰذا انہوں نے منظور کرلیا اور ہمیں حکم فرمایا تو ہم بھی واپس آگئے۔

ایک دن اخلاص کا تذکرہ چل پڑا تو مجھے خود حضرت مولانا محمد احمد صاحب بہاول پوری دامت برکاتہم العالیہ کے فرزند علی محمد مرحوم کا خواب سنایا کہ: استاذِ محترم درس حدیث دے رہے ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غور سے سماعت فرما رہے ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا: جو طالب علم چار چیزوں کا اہتمام کرلے، وہ عالم بن جائے گا۔ [۱] تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز کی پابندی، [۲] نظر کی حفاظت، [۳] سبق میں غور اور توجہ، [۴] تکرار۔

جب میں دورۂ حدیث کر کے فارغ ہوا تو استاذِ محترم نے دار العلوم اسلامی مشن میں میرا تقرر کردیا، ایک روز استاد ناظم صاحب رحمہ اللہ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ: آپ یہاں پڑھائیں، میں نے عرض کیا کہ: میرا تقرر تو استاذ شیخ الحدیث صاحب اسلامی مشن میں کر چکے ہیں۔ تو استاذ ناظم صاحب رحمہ اللہ خود استاذ شیخ الحدیث صاحبؒ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: یہ صرف آپ کا شاگرد ہے؟ ہمارا شاگرد نہیں ہے؟ آپ نے اس کے بارے میں ہم سے مشورہ ہی نہیں کیا، ہمیں بھی تو اس کی ضرورت ہے۔ آپ اس کو یہاں بلائیں۔ چنانچہ استاذِ محترم نے مجھے یہاں مقرر فرما دیا۔

استاذِ محترم رحمہ اللہ کا فقیر والی کے مولانا قاسم صاحب سے اچھا تعلق تھا، وہ مدرسہ کے سلسلہ

میں ہر سال استاذِ محترم کے پاس تشریف بھی لاتے تھے، ایک مرتبہ انہوں نے استاذِ محترم سے میرے بارے میں کہا کہ: ہمارے ایک بڑے استاد چلے گئے ہیں، آپ ان (راقم) کو یہاں بھیج دیں۔ لیکن استاذِ محترم نے فرمایا: ہمارے مدرسہ کو اُن کی ضرورت ہے، ایک استاد بہت بیمار ہیں (اس سال مولانا عبد الکریم صاحب رحمہ اللہ شدید علیل تھے،) شاید آئندہ سال وہ نہ آئیں، اس لیے ضرورت مزید بڑھ جائے گی، اس لیے ہم ان کو آپ کے پاس بھیجنے سے قاصر ہیں۔

دار العلوم دیوبند......اور......دار العلوم مدنیہ

استاد شیخ الحدیث صاحبؒ جب بہاول پور تشریف لائے تو اسی وقت قریب قریب ہی ''دار العلوم مدنیہ'' کی بنیاد رکھی گئی تھی، دار العلوم مدنیہ کو ''دار العلوم دیوبند'' سے کچھ مناسبتیں ہیں اور استاد شیخ الحدیث صاحبؒ کو حضرت شیخ الہند سے زمانہ تدریس کے لحاظ سے ایک مناسبت ہے۔

۱......وہ یہ کہ حضرت شیخ الہند نے دار العلوم دیوبند میں بیالیس (۴۲) سال تدریس فرمائی، استاد شیخ الحدیث صاحبؒ نے بھی بیالیس (۴۲) سال ''دار العلوم مدنیہ'' میں تدریس فرمائی۔ (اسلامی مشن والے پانچ سال ملانے سے زمانہ تدریس کل سینتالیس (۴۷) سال بنتا ہے۔)

۲......دار العلوم دیوبند کی بنیاد پہلے ''چھتہ مسجد'' میں رکھی گئی، بعد میں دوسری جگہ تعمیر کر کے مدرسہ وہاں منتقل کیا گیا۔ اور ''دار العلوم مدنیہ'' کی بنیاد ۱۹۶۴ء ''مسجد مچھی ہٹہ'' میں رکھی گئی، پھر بعد میں ۱۹۶۵ء میں ''ماڈل ٹاؤن بی'' میں جگہ لے کر مدرسہ وہاں منتقل کیا گیا۔

۳......استاد ناظم صاحبؒ فرماتے تھے کہ ''مسجد مچھی ہٹہ'' کی چھت بالکل ایسی ہے جیسی ''چھتہ مسجد'' کی ہے۔

۴......استاد ناظم صاحبؒ چونکہ حضرت مدنی کے مرید شاگرد تھے، دار العلوم دیوبند دیکھا ہوا تھا، تو آپ نے ''دار العلوم مدنیہ'' کی عمارت بالکل اس طرز پر بنوائی جس طرز پر ''دار العلوم دیوبند'' کی عمارت کا ''نودرہ'' بنا ہوا تھا۔ چنانچہ بعد میں دیوبند کے کچھ فضلاء آئے تو انہوں نے دیکھتے ہی کہا کہ یہ تو بالکل اسی نقشہ اور اسی طرز پر ہے جس طرز پر ''دار العلوم دیوبند'' کا ''نودرہ'' ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ استاذِ محترم کی کامل مغفرت فرما کر اُن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، پس مانگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ اور ہم سب کو اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا سید حبیب اللہ شاہ مدظلہم ☆

حضرت شیخ التفسیر والحدیث رحمہ اللہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے جس طرح مختلف اقسام اور انواع کی مخلوق پیدا فرمائی اور مخلوق کی ہر صنف میں متعدد اقسام بنادیں اسی طرح انسان میں بھی مختلف صفات، عادات، طبائع اور صلاحتیں ودیعت فرمادیں۔ مختلف جسمانی ذہنی اور علمی صلاحتیں رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اعجاز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی توجہ مبذول کرنے کے لئے فرمایا:

"وفی انفسکم افلا تبصرون" (ترجمہ) اے انسانو! کیا تم اپنے نفوس میں غور وفکر نہیں کرتے؟

مختلف صلاحتیں پیدا کرنا اور ان میں کمال عطا کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اس ذات نے ہر دور میں ہر فن میں کامل اکمل شخصیات پیدا فرمائیں۔ مشہور مقولہ ہے: لکل فن رجالٌ۔ یعنی ہر فن علم میں ماہرین ہوتے ہیں۔ بعض شخصیات ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ مختلف علوم میں سے ہر علم میں کمال درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند نے اپنے باکمال علماء بے شمار پیدا کئے یہ اس مدرسہ کی کرامت ہے۔ پھر یہ سلسلہ الحمدللہ شاگرد در شاگرد ابھی تک قائم ہے۔ اور ان شاء اللہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ ایسی بے مثال شخصیات میں سے ایک بہت طویل قامت استاذی المکرّم واستاذ العلماء والصلحاء شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد حنیف نوراللہ مرقدہ بھی ہیں، جن کی وفات مؤرخہ 12 اکتوبر 2012ء کو ہو چکی ہے۔ حضرتؒ کے لائق وقابل قدر بلکہ مستحق مبارک دوروحانی فرزند ہیں جو ان کے وصال کے بعد غم میں بیٹھنے کی بجائے ان کے حالات وکمالات محفوظ کرنے کی فکر میں جدوجہد کرنے لگے۔

میری مراد حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی مدظلہ العالی مدیر اعلیٰ "صفدر" اور قابل تکریم مولانا سرفراز حمزہ خان صاحب مدظلہ ہیں، ان میں سے اول الذکر نے راقم کو حضرت رحمہ اللہ پر کچھ لکھنے کے

☆ فاضل: دارالعلوم مدنیہ......ابن: حضرت مولانا سید صفی اللہ شاہؒ (المعروف سید عبدالکریم شاہؒ) آف نہڑوالی

لئے فرمایا کیونکہ اس نالائق کو بھی حضرت شیخ التفسیر والحدیث سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ اگرچہ اپنے آپ کو ان کا شاگرد کہتے ہوئے اور لکھتے ہوئے شرمساری بھی ہوتی ہے۔ ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔

حضرت رحمہ اللہ علم تفسیر میں مفسر تھے۔ تقریباً ۲۸ سال شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہنے والے محدث تھے۔ ان ۲۸ سالوں میں اکثر دو جامعات میں شیخ الحدیث رہے ہیں۔ تصوف میں بے مثال اور تقویٰ میں قابل تقلید تھے۔ متحضر علم کے حامل تھے۔ کم گو تھے، صبر وتحمل کا منبع تھے۔ سادگی، خیر خواہی، تواضع میں اپنے اسلاف کے امین ویادگار تھے۔

راقم الحروف پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانوں میں سے ایک احسان یہ ہے کہ حضرت والدی المکرّم حضرت مولانا سید محمد صفی اللہ شاہ صاحب (المعروف عبدالکریم) اور حضرت اخی المکرّم حضرت مولانا سید سعید الحسن غفوری صفوی رحمہما اللہ نے درسِ نظامی کی چند کتب خود پڑھا کر مطابق 1985/1984 میں دارالعلوم مدنیہ بہاولپور میں درجہ عالیہ (دورۂ حدیث شریف) میں داخل کرادیا۔ اس وقت وفاق المدارس کی طرف سے گزشتہ امتحانات پاس کرنے کی پابندی نہ تھی۔ نیز اس سند کے حاملین کو سرکاری سکولوں میں At.Ot آسامیوں پر ملازمت بھی مل جاتی تھی۔ اس لئے بعض لوگ اس نیت سے بھی یہ امتحانات پاس کرتے تھے۔ بلکہ قدیم فضلاء بھی یہ فائدہ حاصل کرنے کے لئے دوبارہ دورحدیث میں داخل ہوجاتے تھے۔

مدرسہ کے بانی اور مہتمم تو حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ تھے لیکن فنائیت کی وجہ سے سب ان کو "ناظم صاحب" کہتے تھے، اپنے آپ کو مہتمم کہلوانا پسند نہ فرماتے تھے، بلکہ کسی عالم، بزرگ کو اعزازی طور پر مہتمم مقرر فرماتے تھے۔ میرے برادر مکرم رحمہ اللہ مجھے حضرت ناظم صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے کمال شفقت کے ساتھ بغیر کسی ٹیسٹ کے داخلہ عنایت فرمادیا۔

رہائش والے کمروں میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے تقریباً مکمل سال دارالحدیث میں رات کو سونے کی سعادت حاصل ہوئی اور سر کے نیچے حضرت شیخ التفسیر والحدیث کا بچھونا رکھنے کی جسارت بھی ہوتی رہی۔ کیونکہ ناکارہ اپنی طبعی سستی کی وجہ سے گھر سے بستر نہ لے گیا۔

دورہ پڑھنے والے طلباء کی تعداد ۶ پائے تھی، حضرت رحمہ اللہ سے بخاری شریف جلد اول

ترمذی شریف مکمل اور مسلم شریف مکمل پڑھنے کے علاوہ مندرجہ ذیل اسباق مندرجہ ذیل اساتذہ سے پڑھے۔

[۱] بخاری شریف جلد ثانی......

شیخ الحدیث حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ، [بانی: دار العلوم مدنیہ بہاول پور]

[۲] ابوداؤد شریف......

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی، مہتمم: دار العلوم مدنیہ بہاولپور

[۳] نسائی شریف وابن ماجہ شریف......

شیخ الحدیث حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی، بہاولپور

[۴] شمائل ترمذی......

شیخ الحدیث حضرت مولانا رشید احمد صاحب مدظلہ العالی، خطیب جامع مسجد الصادق، بہاول پور

[۵] طحاوی شریف......

حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب مدظلہ العالی، حال استاد الحدیث جامعہ امدادیہ فیصل آباد

مدرسہ سے فراغت کے بعد تا حال حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوتا رہا۔

حضرت شیخ التفسیر والحدیث رحمہ اللہ نے راقم نالائق کے ساتھ ہمیشہ بے حد شفقت اور مہربانی کا سلوک فرمایا، بلکہ میرے تعلق داروں اور عزیزوں کو میری مثال دے کر فرماتے کہ جس طرح اس نے محنت کی ہے تم بھی ایسے محنت کرو۔ اور فرماتے اس کے بخاری میں ۸۰ نمبر آئے ہیں اس کے علاوہ حضرت رحمہ اللہ کا نالائق پر بہت بڑا احسان ہے کہ آپ راقم سے ہدیہ بھی قبول فرما لیتے تھے۔ حالانکہ آپ اس معاملہ میں نہایت محتاط اور استغنا کے مالک تھے۔

اخلاص

جو عمل کیا جائے اس کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہو اس کو اخلاص یا تصحیح نیت کہتے ہیں۔ بظاہر تو یہ معمولی بات ہے، لیکن یہ سب سے مشکل مرحلہ ہے۔ اور بہت بڑا امتحان ہے۔ حضرت استاذی المکرّم رحمہ اللہ کے مبارک قلب میں جو اخلاص تھا اس کا مقام اور درجہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، لیکن اخلاص اور

صفاتِ حسنہ دوسروں میں منتقل کرنے کی اعلیٰ وارفع صلاحیت کے مالک تھے۔

راقم نالائق جب آپ کی خدمت میں بحیثیت طالبعلم حاضر ہوا تو پہلے یا دوسرے دن اخلاص کے عنوان پر گفتگو فرمائی اور فرمایا: آج کل طلباء وفاق کا امتحان پاس کرنے کی نیت سے حدیث شریف پڑھتے ہیں۔ اس عنوان پر ایسی مؤثر گفتگو فرمائی کہ راقم نالائق نے ارادہ کر لیا کہ میں وفاق کا امتحان نہ دوں گا۔ یہ اثر بدستور قائم رہا، جب وفاق المدارس کے امتحانوں کے لئے داخلہ کا وقت آیا، فارم بھرنے پر قلب بالکل آمادہ نہ تھا، لیکن مدرسہ کی طرف سے بھی امتحان نہ دینے کی اجازت بالکل نہ تھی اور نہ ہی راقم میں یہ جرأت تھی کہ حضرت والدی المکرّم اور اخی المکرّم رحمہما اللہ کی خدمت میں یہ عرض کر سکے کہ میں امتحان نہیں دیتا۔ لیکن قلبی کیفیت بدستور وہی رہی۔ اس کو تاثیر لسانی کہیں یا توجہ سے طلباء کے قلوب میں اخلاص منتقل کرنا کہیں، آپ کی مرضی ہے۔

تاثیر زبان کے سلسلہ میں ایک اور غیر متعلق واقعہ بھی پیشِ خدمت ہے، شاید کسی پڑھنے والے کو دینی نفع نصیب ہو۔ ایک بہت ہی نیک بزرگ آدمی، حضرت مولانا حق نواز شہید جھنگوی رحمہ اللہ کے بارے میں غلط فہمی کا شکار تھے۔ راقم اور مختلف حضرات کی گفتگو کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ایک مرتبہ دورانِ سفر کار ڈرائیور نے حضرت شہید رحمہ اللہ کی کیسٹ پر تقریر سنائی، موصوف پر ایسا اثر ہوا فرمانے لگے: یہ عظیم انسان ہے۔ حضرت جھنگوی رحمہ اللہ جب شہید ہوئے، اتفاقاً ہمارے دار السعادۃ الصفویہ سعید پور شریف میں اجتماع حلقہ ذکر تھا، میرے مرشد ثانی شیخ السعداء اخی المکرّم رحمہ اللہ نے آبدیدہ ہو کر جماعت کو شہادت کی خبر سنائی اور فرمایا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ: یہ شخص مقامِ مجدد پر فائز ہے۔

میرے استاذ شیخ التفسیر والحدیث کی کرامت سمجھیں یا اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی قبولیت، راقم نالائق کو ابھی تک سرکاری ملازمت کے دوران وفاق المدارس کی سند کا دنیاوی فائدہ بالکل نہیں ملا۔

ایک دن راقم کو مدرسہ سے کھانا نہ کھانے کی ترغیب اشارتاً دی، واضح نہیں فرمایا، اس پر عمل نہ ہو سکا، لیکن آپ کی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ اندازے کے مطابق راقم نے کھانے کی رقم مدرسہ میں جمع کروائی اور وظیفہ ایک غریب طالب علم کو ہدیہ کر دیا۔

تقویٰ

شبہ والی چیز سے بچنے کو تقویٰ کہتے ہیں۔ متقین کو اللہ تعالیٰ بے شمار انعامات سے نوازتا ہے۔

اللہ تعالیٰ خود متقین سے محبت فرماتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے۔اور اس فانی دنیا میں متقین کو اللہ تعالیٰ ممتاز مقام پر فائز فرماتے ہیں۔چند انعامات مندرجہ ذیل ہیں جو اللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو عطا فرماتے ہیں۔

۱......معافی ذنوب،۲......بے بہا اجر،۳......فراست ایمانی،۴......بے حساب رزق،۵......دشمن سے حفاظت،۶......برکت،۷......عوام وخواص میں مقبولیت،۸......آخرت میں نجات

حضرت شیخ التفسیر والحدیث تقویٰ کے اعلیٰ مقام کے مالک تھے۔تقویٰ اور پرہیز گاری آپ کی مثالی صفت تھی۔ایک مرتبہ حضرت ہمارے ہاں تشریف لائے،آپ کی خدمت میں بوتل پیش کی گئی،آپ نے فرمایا میں نہیں پیتا،راقم نے حضرت کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ یہ بوتل ۳ روپے والی ہے۔انٹر نیشنل کمپنی کی نہیں،آپ نے نوش فرمائی، بلکہ تعریف فرماتے رہے،فرمایا: یہ تو بہترین ہے۔

توکل علی اللہ اور استغناء

اللہ کی ذات اقدس پر مکمل بھروسہ اور غیر اللہ پر سہارا نہ کرنا توکل ہے،یہ اولیاء اللہ کی صفات میں سے ایک عظیم صفت ہے۔اللہ والے بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایسا توکل فرماتے ہیں کہ اسباب بھی ترک فرمادیتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں''رب المشرق والمغرب لا الہ الا ھو فاتخذہ وکیلا ''(سورہ مزمل آیت نمبر ۹) ترجمہ: وہ اللہ مشرق اور مغرب کا پروردگار ہے،اس کے سوا کوئی معبود نہیں،اسے کارساز بنائیں۔

جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ اس کی ہر حال میں مدد فرماتے ہیں، ارشاد ربانی ہے۔''ومن یتوکل علی اللہ وھو حسبہ ''(سورہ طلاق آیت ۳)(ترجمہ) جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اسے کافی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

لوگو! اللہ پر ایسے توکل کرو جس طرح اس پر توکل کرنے کا حق ہے۔مشکوۃ شریف

رسول اللہ ﷺ کا مقدس ارشاد ہے:''جو اللہ کا ہوجاتا ہے،اللہ اس کا ہوجاتا ہے۔''

ویسے تو ہر مسلمان کو کلمہ طیبہ سے ہی توکل علیٰ اللہ کی تعلیم ملتی ہے،لیکن اس کے مدارج مختلف

ہوتے ہیں،جب توکل علی اللہ کا اعلیٰ درجہ نصیب ہوتا ہے تو غیر اللہ سے خود بخود استغناء نصیب ہوجاتا ہے۔

شیخ التفسیر والحدیث رحمہ اللہ توکل علی اللہ اور استغناء عن الخلق کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے،خود فرماتے تھے کہ میں نے کبھی مدرسہ والوں سے تنخواہ کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ ہی کبھی اضافہ کا مطالبہ کیا ہے۔جب خود دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت سمجھ کر لے لیتا ہوں۔

آپ جب محکمہ انہار کالونی کی مسجد میں امام وخطیب بنے تو آپ نے مسجد کی انتظامیہ کو روک دیا کہ میری پوسٹ سرکاری بالکل منظور نہ کرائی جائے۔میں آزاد رہنا چاہتا ہوں۔سرکاری ملازمین کی تنخواہ اور آئمہ مساجد کی چندہ والی تنخواہ کا فرق سب کو معلوم ہے۔

راقم نالائق اکثر آپ کی خدمت اقدس میں شہد/ دیسی گھی کا ہدیہ پیش کیا کرتا۔آپ کمال شفقت اور مہربانی سے قبول فرمالیتے۔ایک مرتبہ معمولی سی رقم آپ کی خدمت میں ہدیۂ پیش کی۔مختلف اعراض کی کثرت اور پرہیز کو مدنظر رکھا تو آپ نے قبول فرمالینے کے ساتھ یہ بھی فرمادیا۔میرے پاس پیسے بہت ہیں۔ضرورت نہیں ہے۔راقم سے ہدیہ قبول کرنا بھی غالباً میرے برادرؒ کی وجہ سے تھا۔ کیونکہ حضرت برادرؒ نے حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ حضرت افغانیؒ کی خدمت میں دوسال اکٹھے تخصص فی التفسیر والحدیث کی تعلیم حاصل کی تھی،ورنہ آپ اس معاملہ میں بہت محتاط تھے۔

صبر وشکر:

کسی انسان کو صبر نصیب ہوجائے اور شکر کی توفیق مل جائے یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔سردارِ کائنات ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ نعمتیں خود مانگی ہیں۔پیغمبر ﷺ کی ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں'' اللھم اجعلنی صبورا واجعلنی شکورا''اے اللہ مجھے صبر والا اور شاکر بنا۔

ایک حدیث میں ہے جس کو تین چیزیں مل گئیں اسے دنیا ومافیہا کی بہتری مل گئی۔وہ قلب جو شکر سے لبریز ہو وہ جسم جو صابر ہو اور وہ زبان جن پر اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہے۔

ہمارے ممدوح رحمہ اللہ منبع صبر وشکر تھے۔ایک مرتبہ فرمایا کہ: ابتداء میں میں نے سرکاری ملازمت کی کوشش کی تھی لیکن اس سے مجھے کیا ملتا؟ بس سائیکل پر صبح کو سکول جاتا اور شام کو واپس آجاتا، اب اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس نے حدیث رسول اللہ ﷺ سے وابستہ کردیا ہے۔ایک مرتبہ فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ نے مجھے وافر مقدار میں رزق دیا ہے، مدرسہ والے تنخواہ دیتے ہیں، مسجد والے تنخواہ دیتے ہیں، کافی دیر الفاظ شکر ادا کرتے رہے، کافی سالوں سے ذیابیطس کا مرض تھا، اس کے بعد فالج کا حملہ ہوا۔ مختلف شدید امراض کے باوجود کبھی بھی زبان پر بے صبری کے حرف تک نہ لائے۔

اتحاد واتفاق امت......اور......اکابر سے وابستگی

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ: آجکل کے دور میں مسلمانوں کی ناکامی کے دو اسباب ہیں، ایک قرآن پاک سے دوری، دوسرا باہمی اختلاف۔ ہمارے ممدوح اتحاد واتفاق کے زبردست داعی اور حامی تھے۔ اختلافات سے دور رہتے اور ناپسند فرماتے تھے، اپنے اکابر کے ساتھ وابستگی کو کامیابی کی اساس سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ ہمارے محترم اور محسن استاد حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب نے کسی ناراضگی اور امام صاحب کے تلفظ پر شبہ کی وجہ سے تبلیغی مرکز مدینہ مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور اپنے کمرہ میں جماعت کرانے لگے۔ قارئین کو معلوم ہو کہ دار العلوم مدنیہ مسجد کے ساتھ متصل ہے۔ تمام اساتذہ اور طلباء وہیں نماز پڑھتے ہیں۔ مدرسہ کی علیحدہ مسجد نہیں ہے۔ حضرت شیخ التفسیر والحدیث رحمہ اللہ کو جب پتہ چلا تو فوراً منع فرمایا اور زبردست ناراض ہوئے۔ حضرت مولانا عطاء اللہ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہمارا موقف اور دلائل سنیں! اس پر فرمایا: میں کوئی بات نہیں سنتا، اپنوں کے ساتھ اختلاف کرنا بالکل درست نہیں ہے۔ چنانچہ آپ کے فرمان پر عمل کیا گیا۔

اندازِ تربیت:

حضرت شیخ التفسیر والحدیث رحمہ اللہ کا اندازِ تربیت نہایت مشفقانہ اور پُراثر ہوتا تھا۔ ایک طالبعلم کا نام مدرسہ سے خارج کر دیا گیا، اس نے بہت بے اعتدالیاں کی تھیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے اسے بلوا کر اس کی رہائش راقم الحروف کے ساتھ دار الحدیث میں کرائی اور اسے کلاس میں بھیج دیا۔ تین دن کے اندر اس کی اصلاح ہوگئی۔ اس نے حلق بھی کرایا اور اپنے کمرہ میں واپس چلا گیا۔ دورہ حدیث کے طلباء میں سے ایک نے حضرتؒ سے سوال کیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ کیونکہ وہ طالبعلم تو قصوروار ہے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے اس کو سزا ٹھیک دی ہے۔ فرمایا: "مدرسہ میں اساتذہ کے زیر سایہ اس کی یہ حالت ہے تو مدرسہ کے باہر بازار کے ماحول میں اس کی کیا حالت ہو جاتی؟ کچھ عرصہ

بعد جب اسے عقل آئے گی اور اسے خود ہی علم کا احساس ہوگا، یہ کہے گا کہ: میں تو بچہ تھا، لیکن اساتذہ میں کسی نے میرے ساتھ خیر خواہی نہ کی اور میری اصلاح نہ کی۔

حضرت کی یہ بات بالکل صحیح ہے، طلباء اس طرح تعلیم سے محروم ہو جاتے ہیں، ایک مرتبہ راقم الحروف شرف زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ فرمایا آجکل کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کیا ایم۔اے اسلامیات کی تیاری امتحان دینا ہے، فرمایا: خیال رکھنا، میں نے عرض کیا کہ: حضرت! میں پرائیویٹ امتحان دے رہا ہوں، میں نے کسی کالج یا یونیورسٹی میں داخلہ نہیں لیا۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا: کتب کے بھی اثرات ہو جاتے ہیں، میں نے عرض کیا: دُعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے محفوظ رکھے۔ احتیاط کا یہ درجہ اور تربیت کا یہ انداز واقعی انفرادی حیثیت کا حامل ہے۔

حوصلہ افزائی کا عجیب انداز

ایک مرتبہ الیکشن وغیرہ کا موقع تھا یا کوئی اور اہم مصروفیت تھی، طلباء نے عرض کیا: حضرت! کل چھٹی کریں گے؟ فرمایا میں مدرسہ آؤں گا۔ چھٹی نہ ہوگی۔ لیکن آپ تشریف نہ لائے، راقم سارا دن نکما اکیلا دار الحدیث میں بیٹھا رہا، قلب میں تھوڑا سا احساس ہوا کہ اگر چھٹی مل جاتی تو میں گھر چلا جاتا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک طالبعلم نے رخصت طلب کی تو منع فرما دیا، اس نے عرض کیا حبیب اللہ جب چاہتا ہے اس کو رخصت مل جاتی ہے، فرمایا: تم اس کیساتھ مقابلہ کرتے ہو؟ وہ میری مرضی کے مطابق چلتا ہے اور محنت کرتا ہے۔

مشائخ سے محبت وعقیدت

حضرت شیخ التفسیر والحدیث رحمہ اللہ کو اپنے اساتذہ اور مشائخ سے بہت محبت اور عقیدت تھی، دورانِ تدریس اپنے اساتذہ اور مشائخ کا تذکرہ اس انداز سے فرماتے کہ سامعین کا دل کرتا کہ کاش ہمیں بھی ان بزرگوں کی زیارت نصیب ہوتی۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ: میرے مرشد کے مدرسہ کے ناظم صاحب نے مجھے فرمایا کہ آپ میرے مدرسہ میں پڑھائیں۔ اتنی تنخواہ دیں گے۔ فلاں فلاں مراعات دیں گے، حضرت کا خیال مرشد سے قرب کی وجہ سے کچھ ہو گیا اور حضرتؒ سے مشورہ کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: میں آپ کو وہ مدرسہ چھوڑنے کا مشورہ نہیں دیتا۔ جس نے آپ کو شیخ الحدیث کے منصب تک پہنچایا ہے۔ فرمایا: اس دن

سے میں نے جامعہ دارالعلوم مدنیہ سے جانے کا ارادہ مکمل و مستقل طور پر ترک کر دیا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت مولانا علی محمد صاحب شیخ الحدیث دار العلوم کبیر والا تشریف فرما تھے، ان کے سامنے حضرت دوزانو بیٹھے تھے، قریب ہو کر آہستہ آہستہ کچھ عرض کر رہے تھے، اندازِ گفتگو سے کچھ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ کامیابی آخرت اور جنت کا عرض کر رہے ہیں، حضرت مولانا علی محمد صاحب رحمہ اللہ نے جواباً فرمایا کہ: ہم گئے تو آپ ہمارے ساتھ ہوں گے، آپ فکر نہ کریں۔

مقامِ تصوف اور ذکر اللہ سے محبت

اس منصب کی پہچان تو ہر آدمی نہیں کر سکتا۔ ان شاء اللہ اہل اللہ اور علماء کرام اس عنوان پر لکھیں گے۔ ترغیب کے لئے چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

ایک مرتبہ راقم کو فرمایا: آپ کے بھائی سید سعید الحسن رحمہ اللہ زمانہ طالبعلمی سے ہی ذکر اللہ کرتے تھے۔ مجھے اس وقت خیال نہ تھا، حضرت رحمہ اللہ کی بیعت کے بعد پتہ چلا کہ ذکر اللہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔ ایک دفعہ راقم کو ترغیباً فرمانے لگے: دو چار تسبیح سے کوئی پتہ نہیں چلتا، سات سات گھنٹے ذکر کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے اور کام بنتا ہے۔ اس سے آپ کے مقام ذکر کا پتہ چلتا ہے، ذکر اللہ کرنے والے سلاسل تصوف میں بیعت ہو کر اس راہ میں قدم رکھنے والوں کے لئے اعلیٰ ترین مثال اور نمونہ ہے۔ ایک مرتبہ دورانِ تدریس تصوف کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: ایک مرتبہ دورانِ سفر بس میں ریکارڈنگ کی آواز سے دل کی توجہ اور گریہ شروع ہو گیا، میں نے فوراً خیال تبدیل کیا (کیونکہ اس میں ساز تھا) اور لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھا۔ اس واقعہ سے مراقبہ کی مشق کا اندازہ ہوتا ہے۔

حیات مبارکہ کے آخری سالوں میں ذکر اللہ اور تصوف سے آپ کی محبت عشق کی حد تک بڑھ گئی تھی، شاید ہر آدمی کو ذکر اللہ اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں فنا دیکھنا چاہتے تھے۔ اور یہ حقیقت ہے اور صداقت ہے۔ حضرت جھنگوی شہیدؒ اکثر پڑھتے تھے

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

اس فنائیت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ راقم نالائق کو فرمانے لگے کہ: میری مسجد میں مجلس ذکر

مستقل ماہانہ بنیاد پر رکھیں۔ ایک دفعہ فرمانے لگے: اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں، کبھی کبھی میری مسجد میں جمعہ پڑھایا کریں! میں نے معذرت کرتے ہوئے عرض کیا: آپ کی مسجد میں میری جرأت نہیں ہے۔

ایک مرتبہ اپنے متعلقین میں سے ایک خاص آدمی کو سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہونے کے لئے اور بیعت کے لئے راقم نالائق کے پاس بھیج دیا۔

آخری دیدار

وفات سے تقریباً ایک ماہ قبل حضرت مولانا قاری منظور احمد مدنی صاحب مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ عبداللہ بن عباس نے راقم کو بتایا کہ: حضرت شیخ التفسیر والحدیث شدید بیمار اور صاحب فراش ہیں، ڈاکٹرز نے لاعلاج کر دیا ہے اور جگر کا کینسر بتایا ہے۔ دوسرے دن راقم نالائق رفقاء کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا، زیارت کی، چہرہ اقدس پر معمول سے زیادہ مسکراہٹ تھی، اور انوارات کی بارش محسوس ہوتی تھی۔

حسن باطنی تو پہچان والے جانیں، لیکن حسن ظاہری میں اضافہ کثیر صاف نظر آتا تھا۔ چہرہ اقدس سے نگاہ ہٹانے کو دل نہ کرتا تھا۔ اتنی تکلیف کے باوجود پریشانی کے آثار بالکل نہ تھے۔ کراہنے کا نام تک نہ تھا۔ چہرہ اقدس ہشاش بشاش اور مسرت سے لبریز تھا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے شیخ کو اعلیٰ مقربین کی صف میں شامل فرمائے اور ان کی طبعی و روحانی اولاد کو ان کے نقشِ قدم پر چلائے اور خصوصاً ان کے عالی قدر فرزندان کو اپنی رحمت سے وہی انعامات عطا فرما دے۔ آمین ثم آمین ☆☆

مولانا صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ: مجھے جب بھی کوئی پریشانی ہوتی ہے میں اپنے حضرت (مولانا عبدالعزیز صاحب) سے درخواست کرتا ہوں، اُدھر وہ دُعا فرماتے ہیں، اِدھر میری پریشانی حل ہو جاتی ہے۔ یہ بات سن کر میرے دل میں مولانا عبدالعزیز صاحب کی زیارت کا شوق پیدا ہوا، ۸۲/۸۱ کی بات ہے۔ چنانچہ ہم دو ساتھی روانہ ہوئے، چیچہ وطنی سے سائیکل پر گیارہ چک گئے، گرمی کا موسم تھا، میرے دل میں خیال آیا کہ کاش آج آلو بخارے مل جائیں، وہاں پہنچے تو انتہائی سادہ لباس میں ملبوس مولانا عبدالعزیز سے ملاقات ہوئی، کھانا وغیرہ کھلایا۔ پھر ایک آدمی آیا اور ایک شاپر میں کوئی چیز آپ کو دینے لگا، آپ نے ہماری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ان کو دے دو! میں نے لے کر دیکھا تو وہ آلو بخارے تھے، میں بہت شرمندہ ہوا اور سوچنے لگا کہ کاش! کسی اور چیز کی تمنا کر لیتا۔ (محمد وسیم رفیق، ون یونٹ کالونی)

مولانا قاری محمد صادق مدظلہم☆

استاد محترم کی چند یادیں

ایک مجلس میں حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ اپنی سرگزشت سناتے ہوئے فرمانے لگے کہ:
ایک مرتبہ میں امیر شریعت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے بڑے فرزند محقق وقت، حضرت مولانا ابو معاویہ ابوذر شاہ بخاری رحمہ اللہ کو ملنے گیا تو انہوں نے فرمایا: میں فقیر منش، رِند قسم کا آدمی ہوں، آپ عالم اور مدرس ہو کر میرے پاس کیسے آئے؟ اور کیا لینے آئے ؟ تو میں نے جواباً عرض کیا: ''حضرت! آپ سے اور کچھ نہ سہی، درِ دِل تو ملتا ہے، سو وہی لینے آیا ہوں۔'' اس پر حضرت شاہ صاحبؒ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور میرے چہرے کی طرف غور سے دیکھنے لگے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضاء لیے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں

اسی طرح ایک اور موقع پر حضرت استاذ شیخ صاحب رحمہ اللہ فرمانے لگے: ابتدا میں جب جامع مسجد ون یونٹ چوک میں بطور امام وخطیب کے میرا تقرر ہوا اور میں بہاول پور آیا تو مشاہرہ بہت کم تھا، میرے حضرت رحمہ اللہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو شاید اس خیال سے کہ مشاہرہ بہت کم ہے، گزارا کیسے ہوتا ہوگا؟ ہمدردی کرتے ہوئے ہر ماہ بطور ہدیہ کے کچھ رقم ارسال فرما دیتے تھے۔ جب ''دارالعلوم مدنیہ'' سے مشاہرہ جاری ہو گیا اور مسجد کے مشاہرہ میں بھی تھوڑا سا اضافہ ہو گیا تو میرے حضرت رحمہ اللہ نے وہ ہدیہ بھیجنا روک کر دیا، میں نے اُن کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ: حضرت! اگر چہ مشاہرہ بڑھ گیا ہے، اور مجھے کفایت بھی کر جاتا ہے، الحمد للہ گزارا اچھا ہو جاتا ہے، لیکن بایں ہمہ میں آپ کے ہدیہ سے مستغنی نہیں ہوں۔ اس سے جو خوشی اور سرور مجھے ملتا ہے، وہ کسی بڑی سے بڑی رقم سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ میرے حضرت رحمہ اللہ نے وہ ہدیہ پھر جاری فرما دیا۔

سفر حرمین شریفین پر جاتے ہوئے بندہ عاجز کو غالباً دو مرتبہ استاد جی کے ساتھ کراچی تک جانے کی سعادت نصیب ہوئی، اور ایک مرتبہ استاد جی کی حج سے واپسی پر بھی لینے کے لیے ان کے بڑے

☆ فاضل وسابق مدرس: دارالعلوم مدنیہ......حال استاذ الحدیث: جامعۃ الصابر، بہاول پور

صاحبزادے کے ہمراہ کراچی تک جانا ہوا۔ جب استاد جی کو چھوڑنے گیا تو وہاں ان کے ایک شاگرد کے ہاں قیام ہوا، کھانے کا وقت ہوا تو ہم دو ہی افراد کھانے والے تھے، ایک استاد جی اور ایک مَیں، تیسرا کوئی نہیں تھا۔ ایک بڑے برتن میں سالن اور ایک رومال میں روٹیاں دسترخوان پر رکھ دی گئیں، ہم ایک ہی برتن میں کھانے لگے، میں برکت کے لیے اُسی روٹی سے کھا رہا تھا جس سے استاد جی کھا رہے تھے، استاد جی نے دیکھا تو وہ روٹی کھینچ کر اپنی طرف کر لی اور مجھے فرمایا: ''کاکا! تُو اپنی روٹی کھا، میری روٹی کیوں کھاتا ہے؟'' میں نے جواباً عرض کیا: برکت کی خاطر ساتھ کھا رہا ہوں۔ فرمایا: تو سالن اکٹھے کھا رہے ہیں، برکت حاصل ہو رہی ہے، وہ کافی ہے۔ میں نے مسکرا کر ادباً عرض کیا کہ: حضرت! روٹی ساتھ کھانے میں کیا حرج ہے؟ تو آپ نے فرمایا: دراصل میں حساب سے روٹی کھاتا ہوں، ایک مقدار مقرر ہے، اسی کے مطابق کھاتا ہوں، اب جب اکٹھے کھائیں گے تو مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ میں نے اتنی روٹی کھا لی ہے؟

جب میں دارالعلوم مدنیہ سے فارغ ہوا تو استاد محترم مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ نے میرا تقرر ''مدنیہ'' میں ہی کر دیا، اُن کی خواہش تو تھی کہ میں شعبہ حفظ میں خدمت سر انجام دوں، مگر میں نے عرض کیا کہ: حضرت! اگر میں اس طرف مصروف ہو گیا تو مجھے ساری کتابیں بھول جائیں گی، میں پہلے ہی کمزور ہوں۔ تو انہوں نے شفقت فرمائی اور مجھے شعبہ کتب کا مدرس مقرر کر دیا، انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ: استاذ شیخ صاحب رحمہ اللہ کے سامنے میرے منہ سے ایسی بات نکل گئی جو استادِ محترم کے سامنے کرنا کسی طرح مناسب نہیں تھا، بس بے تکلفی کی بنا پر سبقت لسانی ہو گئی۔ استاذ شیخ صاحبؒ اس پر سخت ناراض ہوئے، اور سخت غصہ کا اظہار فرمایا۔

میرے تو پیروں تلے زمین نکل گئی، مجھے احساس ہوا کہ واقعی مجھ سے سخت غلطی ہوئی ہے، یہ بات استادِ محترم کے سامنے کہنا کسی بھی طرح مناسب نہیں تھا، مجلس ختم ہوئی تو میں کلاس میں جا کر مغموم بیٹھ گیا، سبق بھی نہ پڑھایا۔ نہایت ہی غمگین اور پریشان تھا، کہ اگر استاد ہی مجھ سے ناراض ہیں تو طلباء کو میں کیا پڑھاؤں گا؟ ان کو مجھ سے کیا فائدہ پہنچے گا؟ غرض نہایت ہی غمگین رہا، رات کو گھر گیا اور پریشان رہا، صبح ہوتے ہی استاذ شیخ صاحب کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا کہ استاد جی! مجھ سے واقعی غلطی ہوئی ہے، میں معذرت چاہتا ہوں۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے، آپ مجھے معاف فرما دیں۔ اگر معاف نہیں فرمائیں گے تو کہیں کا نہ رہوں گا، نہ دنیا کا نہ آخرت کا، میں کس منہ سے پڑھاؤں گا؟ جب میرے استاد ہی مجھ سے ناراض ہوں۔ مجھ سے کسی کو کیا فائدہ پہنچے گا؟ اس لیے آپ مجھے معاف فرما دیں، التجا

کرتا جاتا تھااور روتا جاتا تھا،آنسو رواں تھے،پھر میں نے رِندھی ہوئی آواز میں عرض کیا کہ:اگر آپ مجھے معاف نہیں کرتے تو مجھے اجازت عنایت فرمادیں، میں کہیں اور چلا جاؤں،آپ کے سامنے نہ آؤں،بس آپ معاف فرمادیں یا اجازت عنایت فرمادیں۔اور یہ میرے دل کی آواز تھی،حقیقت تھی،خدانخواستہ میں کوئی مکر یا چالبازی نہیں کر رہا تھا۔واقعۃً اگر استاد ناراض ہوں تو شاگرد سے آگے کیا فیض پھیلے گا؟

استاد شیخ صاحب نے مجھے قریب کیا، گلے لگایا، پیار کیا،اور فرمایا: میں نے آپ کو معاف کردیا ہے۔پھر فرمایا: کاکا! آپ کو ڈانٹنا،آپ سے ناراض ہونا میرے فرائض میں سے ہے۔اور آپ کے فائدے کے لیے ہے۔کیونکہ شاگرد کی تعلیم بھی اور تربیت بھی دونوں چیزیں استاد کے فرائض میں داخل ہیں۔میرا ناراض ہونا آپ کی تربیت کی خاطر تھا،اور آپ کے فائدے کے لیے تھا۔پھر استاد شیخ صاحب نے کھلے دل سے معاف بھی فرمادیا اور دُعا بھی فرمائی،پھر کہا جاؤ جا کہ پڑھاؤ۔

ایک دفعہ استاد جی کے ہمراہ دارالعلوم کراچی جانا ہوا،میری خواہش تھی کہ مزارات پر جائیں، میں بار بار گزارش کرتا،آخر استادِ محترم نے فرمایا:''کاکا! میں زندہ پیروں کے پاس زیادہ حاضری دیتا ہوں،یہاں کم حاضری دیتا ہوں۔''اس پر میں خاموش ہوگیا۔اور پھر اصرار نہ کیا۔

استاد شیخ صاحب رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ اہل علاقہ کی سہولت اور آسانی کے لیے''اجتماعی قربانی'' کا انتظام فرماتے تھے،اور تمام کام کی خود نگرانی فرماتے تھے،ایک مرتبہ ایک عالم جو موقع پر موجود تھے،اُن سے کہا کہ آپ یہ کلیجی وغیرہ سات حصوں میں برابر تقسیم کریں، میں ابھی گھر سے ہوکر آتا ہوں۔اُنھوں نے اندازے سے تقسیم کردیا۔استاد شیخ صاحب تشریف لائے تو دیکھ کر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ یہ تو حرام ہے،علماء نے سود لکھا ہے۔اس کو تول کر برابر تقسیم کرو۔تب وہاں موجود لوگوں کو علم ہوا کہ اس مسئلہ میں کتنی احتیاط کی ضرورت ہے۔

امیر محترم مولانا محمد مسعود ازہر حفظہ اللہ نے جب اپنے مدرسہ (جامعۃ الصابر) کی بنیاد کا فیصلہ فرمایا تو آپ خود رُوپوش تھے،سنگ بنیاد کے لیے استاد شیخ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت شیخ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو دعوت دی گئی، دونوں حضرات تشریف لائے افتتاحی درس بھی دیا اور ڈھیروں دعاؤں سے بھی نوازا۔

اللہ حضرت شیخ صاحب کو ہر کروٹ پر راحت اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو اُن کے لیے صدقہ جاریہ اور بلندیٔ درجات کا باعث بنائے۔آمین ☆☆

مولانا سید علی اصغر شاہ مدظلہم ☆

سراجِ منیر

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم،امابعد

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں احادیث مبارکہ اور تاریخ اسلام کے ذخیرہ سے شہادت ملتی ہے کہ رہبان باللیل وفرسان فی النہار تھے،کہ وہ حقوق العباد کی پوری رعایت رکھنے کے ساتھ ساتھ رات کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے لو لگائے ہوئے،دنیا و مافیہا،گھر بار،بیوی بچوں سے الگ تھلگ ذکر اللہ اور نمازِ تہجد میں مصروف ہیں تو دن میں میدانِ جہاد میں دادِ شجاعت دے رہے ہیں اور میدانِ تعلیم و تعلّم میں مصروف نظر آرہے ہیں۔ان کی یہ حالت قرآنی آیت کریمہ ''الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعودا وعلیٰ جنوبھم'' کا مصداق ہوتی تھی۔

بعینہ یہی صورتِ حال ہمیں دارالعلوم مدنیہ بہاول پور کے شیخ الحدیث،استاذنا المکرّم حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور بانی دارالعلوم مدنیہ بہاول پور استاذنا المکرّم حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ میں نظر آتی ہے کہ وہ دن بھر قال اللہ وقال الرسول میں مشغول رہتے اور رات کی تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز میں مصروف ہوتے تھے۔ان مشائخ کی اس گریہ زاری وخشیت کا ثمرہ آج ہمارے سامنے ہے کہ دارالعلوم مدنیہ بہاول پور اپنی علمی وروحانی خدمات کے حوالہ سے ایک روشن اور انوار بھری تاریخ کا نام ہے۔

استادِ محترم کی ایک بات یاد آگئی،سپردِ قرطاس کرتا چلوں،دارالعلوم مدنیہ بہاول پور کی کسی افتتاحی تقریب میں استاذنا المکرّم حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے امام الاولیاء حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کے واسطے سے فرمایا کہ: موسم حج میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تمام اولیاء کی صدارت فرماتے تھے۔

لگے ہاتھوں ایک اور بھی پڑھتے جایئے! حضرت مولانا ولی محمد رحمہ اللہ کے حوالہ سے فرمایا: بزرگوں کے خدام کے خاتمہ بالایمان پر مہر لگ جاتی ہے۔

☆ فاضل واستاذ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور

ہم سب کے مخدوم، استاذ نا المکرّم حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ جو آج کی دنیا میں سراج منیر تھے اور جن کی سرپرستی میں دارالعلوم مدنیہ مینارۂ نور بن کر اُفقِ عالم پر چمکا، ان کی رحلت امت مسلمہ کے لیے بالعموم اور ان کے تلامذہ وحلقہ ارادت وعقیدت کے لیے بالخصوص کسی صاعقے اور ایک بڑے سانحے سے کم نہیں، اور واقعی ''**موت العالِم موت العالَم**'' کا مصداق ہے۔

نفیس کیسا یہ وقت آیا، سلوک و احسان کے سلسلوں پر
جہاں مشائخ کی رونقیں تھیں، وہ خانقاہیں اجڑ رہی ہیں

ایک ایسے وقت میں جبکہ امت مسلمہ کی کشتی بھنور میں ہے، ہر جہت سے طوفانوں میں گھری ہوئی ہے، ہر دل ہر لحاظ سے فکرمند ہے کہ کس طرح اپنی منزل کی جانب رواں دواں یہ کارواں کامیابی کے ساحل سے ہمکنار ہوگا؟ اس جائز احساس کے ساتھ لازم ہے کہ استاذنا المکرّم ومخدومنا المکرّم حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کے جمیع تلامذہ اور جمیع متعلقین ایک نئے عزم کے ساتھ خود کو منظّم کریں، رجوع الی اللہ کا بھرپور اہتمام کریں، یقیناً عزم وعمل ہی اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کا اجل ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے حضرت رحمہ اللہ کو باصلاحیت تلامذہ عطا کیے ہیں، جو شب وروز دینی وملی خدمات کے سلسلے کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔

دارالعلوم مدنیہ اور جمیع اساتذہ کرام شریک تعزیت ہیں، حق تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کے صاحبزادگان، دیگر اعزہ واقارب اور جمیع تلامذہ و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریمؐ

خدا رکھے مرے حرف وقلم کو کاروانِ حق سے وابستہ
تمہارا نقشِ پائے استقامت ہو مری منزل، مرا رَستہ

الفقر الی العلی الاکبر......ابوالتقی علی اصغر عفی عنہ......مدرس: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور

مولانا صاحب، صاحبِ کشف تھے، ایک مرتبہ میرے سسر کی مولانا صاحب سے ملاقات ہوئی، جب فارغ ہوئے تو میرے سسر مجھے کہنے لگے کہ: حضرت صاحبِ کشف بزرگ ہیں۔
ایک مرتبہ میری کوشش تھی کہ مجھے ون یونٹ کالونی میں مسجد کے قریب کوارٹر مل جائے، میں نے درخواست دی، وہ گم ہوگئی، میرا معاملہ حل نہیں ہورہا تھا، میں مولانا صاحب سے دُعا کرائی، آپ نے دعا فرمادی۔ پھر ایک دن مجھے بلایا اور مبارک باد دی، اس کے دو دن بعد میرا مسئلہ حل ہوگیا۔ (محمد وسیم رفیق)

مولانا محمد احمد جالندھری مدظلہ☆

میرے مربی......میرے استاد

یہ دنیا ایک سرائے فانی ہے، موت وحیات یہاں کی پرانی ریت ہے، آئے دن لوگ اس دنیا میں آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، پر مرنا اور جینا کوئی حیرت انگیز بات نہیں، نہ معلوم کتنے انسانوں کو خاکِ ارضی ہضم کر چکی ہے۔ یہ سلسلہ یونہی جاری ہے، مگر یہ مانتے ہوئے کہ موت ایک اٹل فیصلہ ہے، کسی عزیز یا بزرگ یا استاد کی وفات سے جو صدمہ یا رنج ہوتا ہے اور دل ودماغ پر اثر پڑتا ہے وہ ایک طبعی بات اور فطری امر ہے، جس سے کسی کو انکار نہیں۔

جو شخصیت جس درجہ کی ہوتی ہے، اس کے اثرات بھی اسی درجہ کے ہوتے ہیں۔ جانے والوں میں بعض ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کے جانے سے صرف اپنوں کو ہی نہیں غیروں کو بھی افسوس ہوتا ہے، مساجد، مدارس، علاقے اشکبار ہوجاتے ہیں، اور در ودیوار سے اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ ہر کوئی ان کے فیض سے محرومی پر سوگوار ہوتا ہے۔ انہی مقدس ہستیوں میں سے ایک ہستی حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف صاحبؒ کی بھی تھی جو مکمل طور پر ''موت العالم موت العالم'' کا مصداق تھے۔ شاید ایسی ہی ہستی کے بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے

ع قوت اسی کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس

اللہ تعالیٰ نے آپ میں جو ظاہری وباطنی خوبیاں ودیعت رکھی تھیں، ایسا زمانہ کو بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ ایک طرف علم وعمل، فضل وکمال اور حُسن وجمال کا پیکر تھے تو دوسری طرف نامور عالم دین، کامل ترین بزرگ اور بہترین استاد تھے۔

بہت لگتا تھا جی صحبت میں ان کی — وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھے

تدریس میں ان کا اپنا ایک نرالا اور شاندار انداز تھا، تمام درجات کے طلباء کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کے زیادہ سے زیادہ اسباق حضرت شیخ الحدیث کے پاس ہوں۔ چاہے وہ بڑی سے بڑی

☆ جامعۃ الحنیف، احمد پور شرقیہ

کلاس کے طلباء ہوں۔ آپ تمام طلباء کو سبق کی جانب متوجہ اور جسمانی حاضری کے ساتھ ساتھ ذہنی طور پر بھی طلباء کو حاضر رکھتے تھے، پڑھاتے پڑھاتے اچانک آخری قطار کے طلباء میں سے کسی کا نام لے کر اُس سے پوچھ لیتے کہ اَب میں نے کیا کہا ہے؟ کس لفظ کا معنیٰ کیا ہے؟ توجہ ہوتی تو بتلا سکتا، ورنہ ادھر اُدھر کی لگاتا۔ اس لیے تمام طلباء سبق میں خوب توجہ سے بیٹھتے تھے۔

تقویٰ وخشوع

حضرت شیخ رحمہ اللہ کی زندگی کا مشاہدہ کرنے والا ہر شخص ان کے تقویٰ و پرہیزگاری اور خشوع وخضوع کا شاہد ہے، حقوق کی ادائیگی کا اہتمام، توازن، معاملات کی صفائی، معاشرتی زندگی کی پاکیزگی، نمازِ باجماعت کا بے نظیر اہتمام، خاشعانہ کیفیت، شب بیداری، آہ وزاری، تلاوت ومناجات، دُعا، انابت، اور حُسن اخلاق حضرت کی عملی زندگی کے روشن عناوین ہیں۔

مجھ پر حضرت کی کمال شفقت تھی۔ جب آپ 1987ء میں ''دار العلوم مدنیہ'' سے ''اسلامی مشن'' تشریف لائے، تو مجھے بلایا، میں اس وقت ''جامعہ نظامیہ، بہاول پور'' میں مدرس تھا، مجھے فرمایا: دل چاہتا ہے کہ تم بھی میرے ساتھ اسلامی مشن چلو! میرے لیے یہ بات سعادت سے کم نہ تھی، میں نے 6 سال حضرت کے پاس پڑھا، اب حضرت کے زیرِ سایہ تدریس کا موقع مل رہا ہے۔ چنانچہ میں نے فوراً ''لبیک'' کہا، اور پھر 6 سال 1993ء تک حضرت کے زیرِ سایہ ''اسلامی مشن'' میں مشکوٰۃ شریف تک کے اسباق کی تدریس کا موقع ملا۔ حضرت سے راہ نمائی بھی ملتی رہی۔

حضرت اپنا کھانا گھر سے ساتھ لاتے تھے، اور بعد ظہر تناول فرماتے تھے، ایک دن سالن نہیں تھا، آپؒ نے مجھے بلایا، فرمایا: جاؤ، چھولے لے آؤ! میں گیا، مگر چھولے نہ ملے، میں واپس آ گیا، اور عرض کیا کہ: حضرت! چھولے تو نہیں ملے، البتہ مدرسہ کے مطبخ میں سالن تیار ہے، وہ لے آؤں؟ (حضرت چونکہ شوگر کے مریض تھے، بھوک برداشت کرنا مشکل تھا، لہٰذا) فرمایا: لے آؤ! گوشت پکا ہوا تھا، میں نے گوشت کچھ زیادہ ڈال دیا۔ جب لایا تو حضرت نے دیکھ کر فرمایا: کیا مدرسہ میں ہر شخص کو اتنی مقدار میں ہی سالن ملتا ہے؟ پھر فرمایا: جاؤ یہ سالن مطبخ میں واپس دے آؤ۔ اور مجھے بازار سے اچار لا دو! میں اچار لے آیا، پھر آپ نے اچار سے روٹی تناول فرمائی۔ میں نے اپنی زندگی میں حضرت شیخ کو مدرسہ کی چیز ذاتی استعمال میں لاتے نہیں دیکھا۔

''دار العلوم مدنیہ'' کے اساتذہ جمع ہو کر حضرت کے پاس حاضر ہوتے اور عرض کرتے کہ: حضرت! آپ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب سے سفارش کر دیں کہ اساتذہ کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیں۔ کیونکہ مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ، حضرت شیخ رحمہ اللہ کا بہت احترام کرتے تھے۔ اساتذہ کے مطالبہ پر حضرت شیخ رحمہ اللہ، مولانا غلام مصطفیٰؒ سے فرماتے تھے کہ: دیگر اساتذہ کی تنخواہ بڑھا دیں، میرا اسی تنخواہ میں گزارا ہو جاتا ہے۔ اللہ اکبر کبیرا۔ جہاں ہر طرف پیسے کی دوڑ لگی ہوئی ہو، وہاں یہ فرمانا کہ: میرا اِسی تنخواہ میں گزارا ہو جاتا ہے، دنیا سے نفرت کی ایک عظیم مثال ہے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے تقویٰ اور پرہیزگاری کے واقعات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ یہاں اُس کا احاطہ ممکن نہیں۔ حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی کے حکم پر چند الفاظ تحریر کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے شیخ کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین ☆☆

جماعت اسلامی کی حقیقت

''بخاری شریف'' کے سبق کے دوران ایک مقام پر فرمایا: احناف پر ایک سوال ہوتا ہے:

سوال: شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے غنیۃ الطالبین میں احناف کو مرجیہ کیوں لکھا ہے۔......؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ: دراصل اس زمانے میں بھی احناف کا طوطی بولتا تھا۔ زیادہ تر لوگ حنفی تھے۔ فرقہ مرجیہ والوں نے لوگوں کو دھوکا دیا اور کہا کہ ہم عقائد کے اعتبار سے مرجیہ ہیں اور فقہ کے اعتبار سے حنفی ہیں۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ احناف کے عقائد مرجیہ والے ہیں۔ حالانکہ یہ بات حقیقت کے بالکل خلاف ہے۔ مرجیہ عقائد واصول کے اعتبار سے قطعاً حنفی نہیں تھے۔ احناف کا انہوں نے صرف نام استعمال کیا ہے۔

یہ بالکل ایسے ہے جیسے آج کل علماء دیوبند کا طوطی بولتا ہے۔ جماعت اسلامی والے اپنی دوکان چمکانے کے لیے کہہ دیتے ہیں کہ عقیدہ کے اعتبار سے ہم دیوبندی ہیں۔ حالانکہ یہ باطل جماعت ہے۔ ان کے نظریات قرآن وحدیث کے بالکل مخالف اور انتہائی غلط ہیں۔

غنیۃ الطالبین میں جو لکھا ہے وہ یہ ہے کہ مرجیہ فقہاً حنفی تھے۔ اور چونکہ وہ فقہاً حنفی کہلاتے تھے، اس لیے شیخ نے لکھ دیا۔ ☆☆

یکے از تلامذہ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ

مولانا شفیق الرحمٰن حیات پوری مدظلہ☆

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ

میرے محسن ومربی، مشفق ومکرم استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ نے علم وعمل یعنی شریعت وطریقت کا جامع بنایا تھا۔ بالخصوص اخلاص، للّٰہیت، تقویٰ، عاجزی اور انکساری آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

بندہ جب دارالعلوم مدنیہ میں زیرِ تعلیم تھا، اس وقت سے استاذِ محترم سے تعلق تھا، اسوقت جامعہ میں صرف میرے ہی پاس موٹر سائیکل تھی، اور والدین کی تربیت کی بدولت اساتذہ کی خدمت کا جذبہ بھی خوب تھا، والدین کی مجھے نصیحت ہوتی تھی کہ اپنے اساتذہ کی خدمت میں کوئی کمی نہ کرنا، تعلیمی مصروفیت کے ساتھ ساتھ کوشش کرکے اپنے آپ کو اساتذہ کی خدمت کے لیے وقف کر دینا، اس لیے الحمدللہ، ثم الحمدللہ بہت سے اساتذہ کی خدمت کی سعادت حاصل ہوتی رہی، حضرت الاستاذ شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی بھی خدمت کی توفیق ملتی رہی جو سعادت عظمیٰ بھی ہے اور آج میرے لیے باعث اعزاز بھی۔ اور ان شاء اللہ روزِ قیامت سبب نجات بھی ہوگی۔

آپؒ سے شرف تلمذ بھی نصیب ہوا، کتاب دانی اور نفس مفہوم میں آپؒ کو جو ملکہ حاصل تھا وہ آپ ہی کا خاصہ تھا، ذکی سے ذکی، اور ادنیٰ سے ادنیٰ غرض ہر قسم کے طلباء خوب اچھی طرح آپ کے سبق کو سمجھ لیتے تھے، مشکل باتوں کو آسان تعبیر اور غامض عبارات کو سہل تقریر کے ذریعہ ذہن نشین ادیتے تھے۔ خاص کر کمزور طلباء پر خصوصی نظر رکھتے اور اُن کا بطورِ خاص دھیان رکھتے کہ آیا ان کو بھی سمجھ آرہی ہے یا نہیں۔ یعنی کمزور طلباء پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ آپؒ نے جو بھی پڑھایا، صحیح طریقہ سے سمجھا کر پڑھایا۔

اتباع سنت کا خاص اہتمام فرماتے تھے، ایک مرتبہ آپ اپنے علاقہ کے کونسلر بنے، لیکن آپ کی عاجزی، انکساری اور ذوق علم وشوق عمل جوں کا توں رہا، اس میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ اسی دور کی

☆ فاضل وسابق مدرس: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور......ناظم اعلیٰ: جمعیۃ تعلیم القرآن ٹرسٹ، پنجاب

بات ہے کہ میونسپل کارپوریشن میں ایک دعوت پر آپ کو بھی مدعو کیا گیا، میں بھی ہمراہ تھا، کھانے کے لیے دریاں یا کرسیاں نہیں تھیں، ٹیبل کے گرد کھڑے ہو کر کھانے کا انتظام تھا، آپؒ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو بلا جھجک ایک جانب زمین پر تشریف فرما ہوئے اور وہاں بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا۔

عاجزی وانکساری کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی کو صاحب رائے سمجھتے تو بلا جھجک اس سے مشورہ فرما لیتے تھے، چاہے وہ آپ کے شاگردوں کا شاگرد ہی کیوں نہ ہو۔ ایک مرتبہ میرے امتحان یا حوصلہ افزائی یا کسی اور مقصد کی خاطر مجھ سے پوچھا کہ: اب میں کونسلر ہوں، لوگ مجھے ہدیے دیتے ہیں، میرے لیے لینا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ جو لوگ آپ کے کونسلر بننے سے پہلے بھی آپ کو ہدیہ دیتے تھے، اُن سے تو لینے کی گنجائش ہے، لیکن جو پہلے نہیں دیتے تھے اور اب دیتے ہیں ان سے لینا میرے خیال میں درست نہیں۔ تو مسکرائے اور فرمایا: آپ نے میرے دل کی بات کہی۔

مدرسہ دارالعلوم اسلامی مشن سے آپ جب مدنیہ واپس آئے تو میں نے دل میں سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دامن کو محفوظ رکھنا تھا، اس لیے وہاں سے نکال لیا۔ اس سے قبل میں ایک مرتبہ آپ کو اسلامی مشن سے استعفیٰ دینے کا مشورہ دے چکا تھا۔ جب آئے تو مجھے فرمایا: آپ کا مشورہ ٹھیک تھا۔ احتیاط اتنی کہ گھر سے اپنا کھانا لاتے تو گرم کرنے کے لیے ماچس بھی اپنی استعمال فرماتے تھے۔

مولانا عبدالشہید نعمانی (بن مولانا عبدالرشید نعمانیؒ) سے آپ کو بہت تعلق تھا، وہ جب بھی بہاول پور آتے، میں اُن کو ساتھ لے کر استاد جی کے گھر جاتا تو آپ اُن کو اپنے گھر کے اندرونی صحن میں لے جایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ دارالعلوم مدنیہ میں دو تین پروفیسرز کسی ورکشاپ کے لیے آئے، حضرت مہتمم صاحب مدظلہم نے مجھے اس ورکشاپ کی صدارت سونپی، وہاں میں نے ایک تجویز پیش کی کہ وفاق المدارس کو چاہیے کہ دیگر تخصصات کے ساتھ ساتھ "تخصص فی الحقوق" کا نصاب مرتب کرکے اس پر کام شروع کرایا جائے، اس تجویز کو سراہا گیا۔ اسی تقریب کے بعد مدرسہ کے چند طلباء نے اُن پروفیسرز سے ایک صحیح اور درست بات ذرا نامناسب انداز اور لہجہ میں کہی تو میں نے اُن طلباء کو حیلہ سے خاموش کرادیا کہ کہیں مدرسہ کی بدنامی نہ ہو۔ طلباء نے حضرت شیخ الحدیث صاحب سے میری شکایت کردی، آپ نے مجھے بلا کر خوب ڈانٹا اور فرمایا: مصالح اپنی جگہ، لیکن حق بات کہنے سے کسی کو روکنا

بذاتِ خود جرم ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے بالکل صحیح کیا، واقعی مصالح اپنی جگہ، مگر حق تو پھر حق ہے۔ پھر میں نے وضاحت کی تو مسکرا کر درگزر فرما دیا۔ جسے حق سمجھتے تھے، اسے برملا کہتے تھے، لیکن اگر کبھی کسی غلط فہمی کی بنا پر کسی سے ناحق ناراضگی ہو جاتی تو وضاحت کے بعد فوراً دل صاف ہو جاتا تھا۔

آپ کی وجہ سے بہت سے لوگ حضرت مولانا عبدالمنان صاحب سے بیعت ہوئے، سیکڑوں لوگ تصوف میں آئے، صوفیاء سے جڑے، بزرگوں سے وابستہ ہوئے، یہ سب آپ کا ہی فیض ہے۔ اور آپ نے نام نہاد پیروں اور لٹیرے مولویوں کی طرح لوگوں کو اپنے ساتھ نہ باندھے رکھا، بلکہ اپنے اکابر سے جوڑتے رہے۔

دورانِ تدریس کسی بات میں کوئی طالب علم اپنی رائے دیتا، اور اس کی بات درست ہوتی، آپ کو اس میں وزن محسوس ہوتا تو اپنی گفتگو سے رجوع کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ شرح عقائد کے سبق میں آپ نے تقریر فرمائی، لیکن آپ کے چہرے پر وہ طمانیت اور سکون نہیں تھا، اور نہ ہی اُس تقریر میں روز والی جامعیت و کاملیت۔ میں نے عرض کیا کہ: استاد جی! آپ کی تقریر کتاب کے متن پر پوری طرح فٹ نہیں آ رہی، تو مسکرا دیئے اور فرمایا: بالکل صحیح کہا، میں خود بھی اس سے مطمئن نہیں ہوں، لیکن کیا کروں؟ میں نے رات اس کی کئی طرح سے تقریر بنائی، پھر توڑی، پھر بنائی، پھر توڑی، غرض کئی تقریروں کے بعد یہ تقریر قدرے بہتر تھی، اگرچہ متن کے بالکل مطابق تو نہ تھی لیکن پچھلی تمام تقریروں سے بہتر تھی، لہٰذا یہی آپ کے سامنے پیش کر دی ہے۔ اب میری تقریر پر تو آپ نے اعتراض کر دیا، اب خود بناؤ! کیا بنے گی؟ ہماری کلاس کے کمزور ترین ساتھی کو ''مکھن'' کہتے تھے، ایک مرتبہ سب سے پوچھا: مکھن کو سبق کون یاد کرائے گا؟ میں نے عرض کیا: مَیں کراؤں گا۔ سبق بھی اسی سے سنتے اور فرماتے: مکھن کو آ گیا تو سب کو آ گیا۔

آپؒ کو میں سبق کے بعد چھوڑنے جایا کرتا تھا، اِدھر سبق ختم ہوتے، اُدھر آپ کے جانے کا وقت ہو جاتا، بہت سے اسباق ایسے تھے کہ استادِ محترم سے سننے کے بعد دو دو ماہ اُن کا تکرار نہ کر سکا لیکن آپ کی خدمت کی برکت تھی کہ امتحان کے موقع پر تکرار کراتے ہوئے استادِ محترم کی اُنہی مقامات کی تقریر جوں کی توں میں طلباء کو سنا دیا کرتا تھا۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں، استاد جی کی دُعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ زبان پر جاری فرما دیتے تھے۔

مدرسہ کے انتظامی معاملات میں دخل نہ دیتے تھے، لیکن کبھی اہل مدرسہ اور طلباء کے درمیان اختلاف ہو جاتا تو جس کی رائے اور مؤقف درست ہوتا آپ اس کی تائید فرما کر دوسرے فریق کو نرمی اور حکمت سے سمجھا دیا کرتے تھے۔ کئی مرتبہ طلباء کے کے بارے میں آپ نے انتظامیہ سے سفارش کی، اور آپ کی سفارش کی برکت سے وہ مسائل حل ہوئے۔

ایک مرتبہ باورچی سے شکایت کی وجہ سے طلباء نے احتجاجاً ''بھوک ہڑتال'' کر دی، استادِ محترم درمیان میں آئے، باورچی نے معذرت کی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

انصاف کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے تھے، اس میں 20 سال پرانا تعلق دار ہو یا اجنبی، سب برابر ہوتے تھے، بڑے سے بڑا بزرگ ہو یا ایک گناہ گار انسان۔ معاملات میں عین انصاف سے کام لیتے تھے۔

آپ کی کرامت تھی کہ کوئی آپ کو دھوکہ دینا چاہتا تو جلد ہی اُس کی حقیقت آپ پر کھل جاتی تھی۔ وقتی طور پر متاثر ہونا یا غلط فہمی میں مبتلا ہونا، یا حسنِ ظن کی وجہ سے بات کا یقین کر لینا اور دھوکے میں آ جانا تو طبعی اور فطری بات ہے، لیکن اسی غلط فہمی پر قائم رہنا، یا دھوکہ میں ہی رہنا یہ محال تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ استادِ محترم کی صحبت نہ ملتی تو آج مجھے حلال حرام کی تمیز نہ ہوتی۔ آج مدرسہ کے مال سے میرے گھر کا نظام بھی چل رہا ہوتا۔ آپؒ ہی کی نصیحت تھی کہ مالیات کے گند میں نہیں پڑنا۔

اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے۔ ہمیں اُن کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین ☆

☆......فرمایا: ''مَیں کیروالہ پڑھتا تھا تو بھوک بہت لگتی تھی، میں کچھ آٹا گھر سے لے جاتا، باورچی اس سے مجھے روٹی پکا دیتا تو مدرسہ والی روٹی اور وہ روٹی ملا کر کچھ گزارا ہو جاتا تھا۔''

☆......فرمایا: ''جلب منفعت سے دفع مضرت بہتر ہے۔'' مثال یہ دی کہ: ''جیسے کوئی آدمی اپنی کپڑے کی دوکان پر بیٹھا ہے، اُسے امید ہے کہ شام تک بیٹھے گا تو پورا ایک تھان بِک جائے گا، نفع ہوگا۔ (یہ جلب منفعت ہے، یعنی نفع کا حصول) لیکن اُسے پتہ چلا کہ میرے گھر کو آگ لگ گئی ہے، اب اگر وہ تھان کے نفع کی خاطر دوکان پر بیٹھا رہے تو مکان جل جائے گا، اسے چاہیے کہ دوکان بند کر کے، اس نفع کو چھوڑ دے، اور مکان کو جلنے سے بچائے۔'' (یہ دفع مضرت ہے، یعنی نقصان کو دُور کرنا۔)

☆......فرمایا: ''ستو ایسی غذا ہے جس سے بھوک بھی مٹ جاتی ہے اور وقت بھی کم خرچ ہوتا ہے۔''

مولانا قاری محمد امین مدظلہ☆

چند یادیں

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ کی شفقت، محبت اور تقویٰ وللّٰہیت سے تو سب ہی واقف ہیں، قارئین صفدر بھی دیگر مضامین سے اندازہ لگا چکے ہوں گے، یا لگالیں گے۔ یہ فقیر بھی اس حسین محفل میں حصولِ سعادت کی خاطر چند یادیں لے کر حاضر ہوا ہے۔

ایک مرتبہ ہمارے دوست محترم شیخ عثمان صاحب کسی سلسلہ میں خانقاہ دین پور شریف کے عظیم بزرگ حضرت مولانا میاں مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے دُعا کروانے کے لیے ''دین پور شریف'' جانا چاہتے تھے، اس فقیر کا تعلق بھی اُسی خانقاہ سے ہے، اِدھر دارالعلوم مدنیہ میں چھٹیاں بھی تھیں، اِس لیے یہ بھی ساتھ ہولیا، اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو بھی ساتھ لے گئے، مولانا محمد رشید حیات پوری مدظلہم بھی ہمراہ تھے۔ جب وہاں پہنچے تو حضرت میاں صاحب مدظلہم، حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کو اُٹھ کر ملے اور مجھے فرمایا کہ: آپ نے حضرت کو تکلیف دی ہے۔ ایسا نہ کرنا چاہیے تھا'' فقیر نے عرض کیا کہ: مدرسہ میں تعطیلات ہیں، ایک تو ہم چاہتے تھے کہ حضرت باہر کی آب وہوا لگوالیں۔ اور دوسرا حضرت نے خود بھی فرمایا تھا کہ چلو، میاں صاحب سے ملاقات بھی ہوجائے گی اور بزرگوں کے مزارات پر حاضری بھی۔ یہ سن کر میاں صاحب مدظلہم نے سکوت فرمایا۔

ہم براستہ ظاہر پیر واپس آرہے تھے کہ راستے میں گاڑی خراب ہوگئی، اس جگہ مکینک دستیاب نہیں تھا، خان پور سے مکینک کو بلوایا، اس کے آنے میں ظاہر بات ہے کہ کچھ وقت لگنا تھا، شیخ عثمان صاحب نے حضرت شیخ الحدیثؒ سے عرض کیا کہ: ہم یہاں سے گاڑی بک کرادیتے ہیں، آپ اور مولانا رشید صاحب اس پر تشریف لے جائیں، ہم گاڑی ٹھیک کرا کے آجائیں گے۔ ان شاء اللہ۔ لیکن آپؒ نہ مانے، اور فرمایا: کاکا! اکٹھے آئے ہیں، اکٹھے ہی جائیں گے۔

شوگر کی وجہ سے آپ کو شدید بھوک محسوس ہوئی تو برداشت فرماتے رہے۔ کسی کو کہا نہیں،

☆ صدر مدرس شعبہ تحفیظ: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور

گاڑی خراب ہوئی تو مولانا رشید صاحب مدظلہم سے علیحدگی میں تذکرہ کیا، اُنہوں نے شیخ عثمان صاحب کو بتادیا، وہ جلدی جلدی پھل فروٹ وغیرہ کوئی کھانے کی چیز لے آئے، آپؒ نے تناول تو فرمالی، لیکن بعد میں مولانا محمد رشید صاحب مدظلہم سے ناراض ہوئے کہ آپ نے اُن (شیخ عثمان صاحب) کو کیوں کہا؟ یعنی شیخ الحدیث صاحبؒ نے خود تو انتظار کی تکلیف برداشت کرلی، لیکن دوسروں کا اس قدر خیال کہ بھوک سے مطلع کرنا بھی گوارہ نہیں فرمایا۔

فقیر کے ایک شاگرد ترنڈہ سے پیچھے ''جَن پور'' کے قریب ''تاج محل ہوٹل'' میں رہتے تھے، فقیر نے اُن کو فون کر کے کھانا تیار کرنے کا کہا، عشاء کے وقت وہاں پہنچے تو کھانا تیار تھا، سب نے کھانا کھایا، حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ بار بار فرماتے تھے: قاری صاحب! یہ تو بہت اچھا کھانا ہے، بہت لذیذ ہے۔ مزہ آگیا ہے۔ پھر دعا بھی دی۔

ایک مرتبہ میری بچی کی چادر پوشی کی تقریب تھی تو حضرتؒ نے خصوصی شفقت فرمائی اور گھر تشریف لائے۔

تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ کھانا تو گھر سے اپنا لاتے ہی تھے، نمک بھی الگ سے لے کر رکھا ہوا تھا، مدرسہ کا نمک بھی استعمال نہیں فرماتے تھے۔

حوصلہ افزائی اور شفقت بھی بہت فرماتے تھے، ایک مرتبہ جب آپ کا مکان زیر تعمیر تھا، فقیر نے چند طلباء کام کے لیے بھیج دیئے، تو دیگر طلباء کے ساتھ ایک طالب علم ساتھی محمد ابوبکر حیدری نے خوب کام کیا، آپ اس سے بہت خوش ہوئے، ڈھیروں دعائیں دیں اور کئی بار اُس کا تذکرہ فرمایا۔ اور تعریف بھی کی۔

ایک مرتبہ کسی معاملہ میں بعض احباب نے فقیر کی مخالفت کی، تو فقیر پریشان ہوا، اطمینان قلب کے لیے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے سارا معاملہ عرض کیا تو فرمایا: کاکا! جس درخت پر پھل ہوتے ہیں، اسے ہر کوئی پتھر مارتا ہے، جس پر پھل نہیں ہوتا، اسے کوئی کچھ نہیں کہتا، کبھی آپ نے دیکھا کہ سفیدے کو کوئی پتھر ماررہا ہو؟ جبکہ بیر کے درخت کو چھوٹے بڑے سب پتھر مارتے ہیں۔ تو آپ کو یہ پتھر لگتے رہیں گے۔ آپ اخلاص سے اپنا کام جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے گا۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت رحمہ اللہ کے درجات بلند فرمائے۔ ہم سب کو اُن کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین☆☆

مولانا عبدالصمد مدظلہ☆

نمونۂ اسلاف

اللہ تبارک وتعالیٰ کے خصوصی فضل وکرم کی بدولت ہمیں بھی نمونہ اسلاف، ولی کامل، پیر طریقت استاذِ محترم حضرت الشیخ مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ سے شرفِ تلمّذ اور نصیب ہوا، جو بہت بڑی سعادت ہے، اس پر خدائے عزوجل کا جس قدر شکر یہ ادا کیا جائے، کم ہے۔ ''توضیح تلویح''، ''بیضاوی شریف''، ''بخاری شریف'' اور ''مسلم شریف'' ہم نے آپ ہی سے پڑھیں۔ اخلاص وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ کبھی اگر کوئی سہو یا بھول ہو جاتی تو بلا جھجک فرما دیتے ''کاکا! اینوں سیدھا کرلو!'' (اسے صحیح کرلو!) اسی طرح عام طور پر مدرسین کی کوشش ہوتی ہے کہ طلباء کو ماٰ خذ کا علم نہ ہو، لیکن حضرت الاستاذ رحمہ اللہ ایسا نہیں فرماتے تھے، بلکہ اگر کہیں شبہ ہوتا تو فوراً طلباء کے سامنے ہی اس کتاب کی شرح منگوا لیتے اور دیکھ کر تسلی فرما لیتے تھے۔

آپ کے اخلاص اور تقویٰ کا اظہار، معاملات اور لین دین میں آپ کی حد درجہ احتیاط سے بھی ہوتا ہے۔ مدرسہ کی ایک رسید بک آپ کے پاس ہوتی تھی، آپ کے متعلقین میں جو مخیّر حضرات آپ کے ذریعہ مدرسہ کی خدمت کرتے، آپ اہتمام سے فوراً رسید بک میں اُس رقم کا اندراج کرتے اور رسید کاٹ کر دیتے۔ پھر بڑی فکر سے وہ تمام رقم الگ سنبھال کر رکھتے اور مدرسہ کی انتظامیہ کے سپرد کر کے حساب بے باق کرتے۔

ایک مرتبہ رسید بک کی رقم مجھے دی، میں گن رہا تھا کہ اچانک کسی کام سے اٹھنا پڑ گیا، تھوڑی دیر بعد جب میں واپس آیا، وہ رقم گنی، رسید بک پر درج شدہ رقم کے مطابق مکمل تھی۔ لیکن کچھ دیر بعد استاذ محترمؒ نے فرمایا: ''کاکا! اس رقم تو فر گن!'' (وہ رقم پھر گن لو!) میں نے عرض کیا کہ: استاذ جی! وہ پوری ہے، لیکن اُن کے فرمان کی تعمیل میں مَیں نے دوبارہ گنی اور عرض کیا کہ پوری ہے۔ لیکن اُن کی تسلی نہ ہوئی اور فرمایا: ''کاکا! تُو فر گن لے!'' (پھر گن لو!) تعمیل حکم میں سہ بارہ گن کر عرض

☆ فاضل واستاذ الحدیث ومعاون مہتمم: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور

کیا کہ رقم رسید بک کے مطابق پوری ہے۔ پھر استاذ جی نے فرمایا: ''یہ میرے پاس ایک ہزار روپیہ ہے، کوئی اور رقم تو میرے پاس تھی نہیں، لہٰذا یہ بھی مدرسہ کی ہی ہوگی، یہ رکھ لیں!'' میں نے عرض کیا کہ: (بغیر رسید کاٹے تو آپ رقم لیتے نہیں، اور) رسید بک کے مطابق رقم پوری ہے، لہٰذا میں امانتاً رکھ لیتا ہوں، جب آپ کو یاد آئے آپ بتا دیں۔ دوسرے دن استاذ محترمؒ کو یاد آیا تو فرمایا: ''کاکا! وہ رقم کل گھر والوں نے سودا لانے کے لیے دی تھی، میں بھول گیا تھا، اب یاد آیا ہے۔''

ہر ذی شعور شخص اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ کسی بھی انسان کی دیانت، امانت، اخلاص اور تقویٰ کا صحیح علم معاملات میں ہوتا ہے، حضرت الاستاد رحمہ اللہ کی معاملات میں صفائی اور احتیاط دیکھ کر اُن کی للّٰہیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ آپؒ ''دارالعلوم مدنیہ'' کی مجلس شوریٰ کے رکن محترم حاجی محمد عابد صاحب سے سال میں دو مرتبہ معاملہ فرماتے تھے، ایک گندم کا، اور دوسرا قربانی کے موقع پر جانوروں کی خرید وفروخت کا۔ زراعت سے وابستہ افراد بخوبی جانتے ہیں کہ گندم کی کاشت کے بعد اس سے متعلق مختلف امور میں رقم کی ضرورت پیش آتی ہے، جس کے لیے اکثر احباب قرض لیا کرتے ہیں۔ حاجی عابد صاحب فرماتے ہیں کہ: جب مجھے رقم کی ضرورت ہوتی، میں صبح حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا، آپؒ پوچھتے کہ: ''کاکا! کیسے آئے ہو؟'' وہ عرض کرتے: بس ویسے زیارت وملاقات کے لیے۔ کبھی کہہ دیتے کہ: گزر رہا تھا تو سوچا کہ ملتا جاؤں۔ جو بھی جواب دیتا، استاذ محترم فرماتے: کاکا! ٹھہرو، پھر گھر تشریف لے جاتے اور رقم لا کر مجھے عنایت فرما دیتے، حالانکہ ابھی گندم کی کٹائی کو دیر ہوتی تھی۔ پھر اگر کٹائی سے قبل دوبارہ بھی جاتا تو دوبارہ بغیر مطالبے کے رقم عنایت فرما دیتے تھے۔

اور جب گندم آتی، تو حضرت الاستاذ رحمہ اللہ اہتمام سے اس کے تھیلے واپس لا کر میرے سپرد کرتے کہ یہ تھیلے حاجی عابد صاحب کو پہنچا دو! پھر دوسرے دن پوچھتے کہ وہ تھیلے پہنچا دیئے یا نہیں؟ حالانکہ میں عرض کرتا کہ یہ تھیلے کافی پرانے ہیں، اتنے قیمتی نہیں! لیکن حضرت الاستاذ رحمہ اللہ فرماتے: کاکا! شاید اس کے کام آ جائیں، لہٰذا دے آؤ۔

استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے بھتیجے قاری ابوذر صاحب کے ماموں تعمیراتی ٹھیکے لیا کرتے ہیں۔ جب حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کے نئے مکان کی تعمیر ہو رہی تھی، اس وقت کی بات ہے کہ استاذِ محترم نے جگہ کی بھرائی کے لیے ایک ٹھیکیدار

صاحب سے بات کی، انہوں نے خاصی رقم بتائی، حضرت الاستاذ رحمہ اللہ نے مجھ سے مشورہ کیا، مَیں نے عرض کیا کہ: قاری ابوذر صاحب کے ماموں سے بات کرتا ہوں، جب اُن سے بات کی تو انہوں نے اُن دوسرے ٹھیکیدار صاحب کی نسبت 17/18 ہزار روپے کم بتائے۔ مَیں نے استاذ محترمؒ کو بتایا تو انہوں نے فرمایا: کاکا! پھر اسی سے بات کرلیں۔ چنانچہ بات طے ہوگئی، بھرائی ڈالی جارہی تھی کہ اس دوران دو تین بار استاذِ محترم نے مجھ سے بطورِ خاص پوچھا کہ: ''کاکا! اُس سے پوچھو، وہ جو اتنی کم رقم لے رہا ہے، کہیں اُسے نقصان تو نہیں ہو رہا؟'' میں عرض کرتا کہ: نہیں! استاذ جی، نقصان نہیں ہوتا۔ مگر آپؒ فرماتے: اُس سے پوچھو۔ یعنی کسی کا دنیوی نقصان بھی آپ کو برداشت نہیں تھا۔ اللہ اکبر! کیا ہی شفقت ہے اور کس قدر خشیت الٰہی۔

ایک مرتبہ ''اجتماعی قربانی'' کے لیے جانور لینے ''مویشی منڈی'' تشریف لے گئے، وہاں کے بیوپاریوں کی عادت ہوتی ہے کہ کان میں ریٹ بتاتے ہیں، تاکہ کوئی تیسرا نہ سُن لے، ایک بیوپاری صاحب نے حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کو ایسے ہی طریقہ سے قیمت بتانا چاہی تو آپؒ نے انتہائی سادگی سے فرمایا: کاکا! تُو نے بیچنا ہے، میں نے خریدنا ہے، پھر کان میں کیوں بتاتے ہو؟ بس ایسے ہی بتادو......!!

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ میں حق گوئی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، بدعات کے سخت خلاف تھے، کبھی بھی، کہیں بھی کوئی کام خلاف شرع دیکھ لیتے تو آپؒ کی غیرت ایمانی جوش مارتی اور آپ بلاخوف لومۃ لائم ڈنکے کی چوٹ حق بات کہہ دیتے، اور اس معاملے میں کسی قسم کی کوئی مصلحت آپ کے آڑے نہیں آسکتی تھی۔ گویا ہر معاملہ میں اپنے اسلاف کا نمونہ اور اُن کے حقیقی جانشین تھے۔

مدرسہ کے کسی انتظامی معاملہ میں دخیل نہ ہوتے تھے، البتہ اساتذہ کی میٹنگ میں بغیر لگی لپٹی کے، بغیر کسی رَو رعایت کے، صراحتاً بالکل سیدھی اور صاف بات سامنے کہہ دیتے تھے۔

ایک مرتبہ خیر پور تشریف لے گئے، وہاں ایک مجلس میں فرمایا: ہمارے اکابر کی خانقاہی گدیاں اب مشرکین ومبتدعین کے قبضہ میں ہے، فلاں خانقاہ، فلاں اور فلاں۔ پھر فرمایا: الحمدللہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب نے ''خانقاہ سراجیہ، کندیاں شریف'' کے کام کو خوب سنبھالا ہوا ہے، کسی قسم کی بدعات ورسومات کا نام ونشان تک نہیں ہے۔

آپؒ مستجاب الدعوات بھی تھے، ہمارے محترم دوست مولانا محمد ناصر صاحب مدظلہ فاضل:

دارالعلوم مدنیہ کی شادی کو عرصہ ہوگیا، مگر اولاد نہ ہوئی، وہ نا اُمیدی کی سی کیفیت میں تھے، اور میڈیکل ٹیسٹوں وغیرہ کے چکر میں تھے، کہ ایک روز حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپؒ نے اُن سے پوچھا: آپ کے کتنے بچے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ: ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم ہوں، آپؒ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مہربانی فرمائیں گے یا فرمایا کہ: اولاد سے نوازیں گے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُسی سال بیٹے سے نواز دیا۔

مَیں نے بذاتِ خود کئی بار ذاتی معاملات میں دُعا کی درخواست کی تو بارہا ایسا ہوا کہ آپؒ اور دیگر اساتذہ کی دُعا کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے کرم فرمایا اور مسئلہ حل ہوگیا۔

استغناء تو آپ کی طبیعت میں رچ بس چکا تھا، لالچ تو آپ کے قریب سے بھی نہ گزر سکا، گزشتہ سال حضرت الاستاذ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن دامت برکاتہم العالیہ، مولانا مفتی احمد سفیان مدظلہ اور دو تین دیگر احباب کے ہمراہ آپؒ کی خدمت میں عیادت کے لیے حاضری ہوئی تو فرمانے لگے: کاکا! مدرسہ میں تھا تو ٹھیک تھا، چھٹیاں ہوئی، گھر آیا تو بیمار ہوگیا، پھر مدرسہ کھلے گا تو ان شاء اللہ ٹھیک ہو جاؤں گا۔ واپسی پر احقر نے کچھ نقد ہدیہ پیش کیا تو فرمایا: کاکا! رہنے دو، مجھے تنخواہ کافی ہو جاتی ہے، میرے از حد اصرار پر فرمایا: اچھا! اللہ تعالیٰ سے دنیا مانگی تو نہیں، بلا مانگے اللہ دے رہا ہے تو لے لیتا ہوں۔ اسی طرح جب آپؒ پر فالج کا حملہ ہوا، اُس دوران، اور جب نیا مکان بنا اس وقت بھی اسی قسم کے معاملات پیش آئے۔ غرض یہ کہ دنیا سے بے رغبتی اور بے اعتنائی آپ نے اپنے اکابر سے ورثے میں پائی تھی۔

البتہ جب اہل مدرسہ ازخود مشاہرہ میں اضافہ کر دیتے تو خوشی سے الحمدللہ فرماتے، کئی بار میں حاضر ہوتا اور عرض کرتا کہ سو روپے مثلاً سالانہ اضافہ ہوگیا ہے، تو فرماتے: الحمدللہ۔

توکل بھی اعلیٰ درجے کا تھا، ایک مرتبہ کسی ساتھی نے ذکر کیا کہ: استاذ جی! چینی مہنگی ہوگئی ہے، تو فرمایا: کاکا! اللہ نے ہمیں کھلانی ہے، سو (100) روپے بھی ہو جائے، تب بھی اُس نے ہمیں کھلانی ہے۔

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی دقت نظر، دوراندیشی اور معاملہ فہمی بھی بے مثال تھی، اس لیے آپ کے متعلقین آپ سے مشورے لیا کرتے تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے بارے میں پڑھا تھا کہ اپنے مریدین کے خطوط کا جواب دیتے تو انتہائی مختصر مگر جامع جواب دیتے تھے، بعض اوقات تو دو لفظی جواب ہوتا تھا۔ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ بھی نہایت کم گو تھے، نہایت اطمینان سے معاملہ سُن لیتے

اور پھر دو لفظی انتہائی مفید اور مناسب مشورہ عنایت فرماتے۔ صاف دلی اور خلوص ایسا تھا کہ ڈھونڈے سے بھی نہ ملے، کوئی بھی شخص کسی بھی کام میں آپ سے مشورہ لیتا، اور پھر اس کے خلاف عمل کرتا تو کبھی آپ کی پیشانی پر شکن تک نہیں آتی تھی۔

صاف دلی پر ایک اور واقعہ بھی دلالت کرتا ہے، ایک مرتبہ محترم ریاض چغتائی صاحب رحمہ اللہ کے متعلق کسی نے آپؒ کو غلط رپورٹ دی، جب چغتائی صاحبؒ آپ سے ملے تو آپؒ اُن سے ناراض ہوئے، اُس وقت تو وہ خاموش رہے، دوسرے وقت میں وضاحت کی تو آپؒ اُن سے پہلے کی سی محبت کرنے لگ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی صاف دلی کو دیکھ کر اکابر کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔

دیگر امور کی طرح استقامت میں بھی بندہ نے حضرت الاستاذ رحمہ اللہ اور حضرت الاستاذ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم کو اپنے اکابر کا حقیقی جانشین پایا۔ علالت، بیماری، ضعف، کبر سنی اور دیگر شدید عوارضات کے باوجود نہایت استقلال سے اپنے معمولات پورے فرماتے۔ حتی الوسع کوشش یہی ہوتی کہ ناغہ نہ ہو۔ ایک سبق ہو، دو ہوں یا چھ، معمولات کی پابندی نہایت اہتمام سے فرماتے تھے۔

آپؒ کی زندگی صبر و شکر اور رضا کی تصویر تھی، کبھی گلہ نہ فرماتے، غیبت، چغلی وغیرہ سے کلی اجتناب فرماتے تھے، ہر کسی سے ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے، تمام صحیح العقیدہ دینی جماعتوں سے از حد محبت فرماتے، اور سب کے لیے دُعا گو رہتے تھے۔

درس و تدریس کے شعبہ سے خاص شغف تھا، فرماتے تھے کہ: درس و تدریس جامع شعبہ ہے، اسی کی برکت سے مبلغین پیدا ہو رہے ہیں۔ اسی سے مجاہدین، اسی سے مقررین اور اسی سے مناظرین و مدرسین پیدا ہو رہے ہیں۔ طلباء کو بطورِ خاص نصیحت فرماتے تھے کہ دورانِ تعلیم جلسے جلوسوں میں شرکت کی بجائے اپنی تعلیم پر زور دیں۔ بعض دفعہ کسی دینی تنظیم کے سرکردہ حضرات طلباء کی جلسے جلوس میں شرکت کی اجازت کے لیے حاضر ہوتے تو آپؒ فرماتے: کاکا! ان کو چھوڑ دو! یہ جس کام میں لگے ہوئے ہیں وہ سب سے بہتر ہے اور جامع شعبہ ہے۔ بخاری شریف میں ''کتاب العلم'' شروع کرتے ہوئے فرماتے تھے: امام بخاری رحمہ اللہ کی فقاہت مسلّم ہے، اگر تعلیم و تعلّم کی اہمیت نہ ہوتی تو ''کتاب الایمان'' کے بعد اسے نہ لاتے۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مولانا اللہ وسایا!

شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف بہاولپوریؒ کا وصال

جامعہ دارالعلوم مدنیہ بہاول پور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب مورخہ ۱۲/اکتوبر ۲۰۱۲ء کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

مولانا محمد حنیف صاحبؒ کے والد گرامی کا نام حافظ خدا بخش تھا۔ جٹ برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ضلع خانیوال کی تحصیل عبدالحکیم کے گاؤں لدھی کے رہائشی تھے۔ ان کے ہاں ۱۹۴۰ء میں مولانا محمد حنیف صاحب کا تولد ہوا۔ پنج کسی پل چاون نزد کبیر والا میں حضرت حافظ غلام محمد صاحب کے ہاں حضرت مولانا محمد حنیف صاحب نے قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے تمام کتب دورہ حدیث شریف تک کی تعلیم دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا میں حضرت علامہ منظور الحقؒ، حضرت علامہ ظہور الحقؒ، حضرت مولانا علی محمد صاحبؒ، حضرت مولانا صوفی محمد سرور، حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہ مشائخ خمسہ دارالعلوم کے افق پر ضوفگن تھے۔ مولانا محمد حنیف صاحب نے ان اکابر سے دورہ حدیث شریف تک کی تعلیم مکمل کی۔ یہ ۶۲-۱۹۶۱ء کی بات ہے۔ مولانا محمد حنیف صاحب نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد سکول میں بطور ٹیچر کے کام کرنا شروع کر دیا۔ آپ کے ابتدائی استاذ حضرت حافظ غلام محمد صاحب نے فرمایا کہ آپ نے علم دین، سکول ٹیچر بننے کے لئے نہیں پڑھا تھا۔ یہ سنتے ہی آپ نے سکول کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور بہاول پور جامعہ عباسیہ میں جا کر داخلہ لے لیا۔

اس زمانہ میں بہاول پور جامعہ عباسیہ کے شیخ التفسیر حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانی تھے۔ حضرت مولانا سعید احمد کاظمی، حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی، مولانا محمد صادق بہاول پوری اور دیگر اساطین علم سے آپ نے استفادہ کیا۔ حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی جامعہ عباسیہ میں پڑھاتے تھے۔ لیکن آپ کی رہائش بہاول پور ون یونٹ کالونی میں تھی۔ تب آپ کی کوشش سے مولانا محمد حنیف صاحب جامعہ عباسیہ میں تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ون یونٹ کالونی کی

جامع مسجد میں امام وخطیب مقرر ہوگئے اور پھر اسی کالونی میں نصف صدی تک خدمات سرانجام دیں۔ اس کالونی میں زیادہ تر سرکاری ملازمین رہائش پذیر تھے۔ پڑھے لکھے حلقہ کے لئے جو فاضل بزرگ، خدارسیدہ عالم دین کی ضرورت ہوسکتی تھی وہ مولانا محمد حنیف صاحب کے ذریعہ حق تعالیٰ نے پوری کردی۔

بہاول پور دارالعلوم مدنیہ کی حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب مرحوم نے ۱۹۶۵ء میں بنیاد رکھی۔ تب پہلے استاذ کے طور پر حضرت مولانا محمد حنیف صاحب تشریف لائے۔ کچھ عرصہ بعد دارالعلوم کبیروالا سے فراغت کے بعد مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب بہاول پوری موجودہ مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم مدنیہ بہاول پور تشریف لائے۔ تیسرے استاذ مولانا رشید احمد جلال پوری تھے۔ تینوں حضرات قریباً نصف صدی اس جامعہ میں مدرس رہے۔ لیکن کبھی بھی اختلاف یا تو تکار نہ ہوئی۔ یہ اس دور کی برکات اور خیر کی معمولی جھلک ہے۔ مولانا علامہ غلام مصطفیٰ صاحب رحیم یار خان تشریف لے گئے۔ بدرالعلوم رحیم یار خان میں مولانا فخر الدین فخر مدرس تھے۔ فاضل وقابل اور معروف تدریسی تجربہ رکھنے والے تھے۔ مولانا فخر الدین فخر کے ترغیب دینے پر ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم مدنیہ بہاول پور میں مولانا غلام مصطفیٰ صاحب نے دورہ حدیث کی کلاس کا آغاز کردیا۔ مولانا فخر الدین بھی تشریف لائے۔ لیکن ان کی طبیعت نہ لگی۔ وہ دوران سال چلے گئے۔ مولانا غلام مصطفیٰ صاحب نے دوسرے شیخ الحدیث تلاش کئے۔ لیکن وہ بیل بھی منڈھے نہ چڑھی، تو مولانا محمد حنیف صاحب اور مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب نے مولانا غلام مصطفیٰ صاحب سے فرمایا کہ آپ ادھر ادھر جو شیخ الحدیث کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں ہم پر اعتماد کریں۔ ہم دورہ حدیث کے تمام اسباق پڑھائیں گے۔ تب شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف قرار پائے اور نائب الشیخ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب۔ تقریباً ۳۲ سال مولانا محمد حنیف صاحب یہاں شیخ الحدیث رہے۔ (چند سال درمیان میں آپ دارالعلوم اسلامی مشن گئے اور پھر جلد واپس لوٹ آئے) ۱۹۸۰ء سے اختتام ۲۰۱۱ء تک قریباً پانچ صد علماء کرام نے مولانا محمد حنیف صاحب سے دورہ حدیث شریف کی تعلیم حاصل کی۔ یوں آپ استاذ العلماء قرار پائے۔ ۱۹۶۵ء قیام جامعہ کے زمانہ سے اپنی صحت کے زمانہ تک قریباً نصف صدی ہمیشہ ون یونٹ کالونی سے ماڈل ٹاؤن سائیکل پر تشریف لاتے۔ اس پورے عرصہ میں ایک دن جامعہ کے مطبخ سے کھانا نہیں کھایا۔ ہمیشہ ہر روز بلاناغہ کھانا گھر سے

ساتھ لاتے۔ دوپہر کو تعلیمی وقفہ کے درمیان گھر کا کھانا گرم کر کے استعمال کرتے۔ تھوڑا درس گاہ میں آرام کیا اور پھر ظہر کے بعد مصروف تعلیم ہوگئے۔ یوں آپ نے کریما نام حق سے لے کر بخاری شریف تک تمام درسی کتابیں پڑھائیں اور بڑی شان سے پڑھائیں۔

مولانا محمد حنیف صاحب کا بیعت کا تعلق حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب چک نمبر ۱۱ چیچہ وطنی والوں سے تھا۔ جو حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد اور قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ مولانا عبدالعزیز صاحب کے والد گرامی حضرت مولانا حافظ صالح محمد صاحب، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلیفہ مجاز تھے۔ مولانا عبدالعزیز صاحبؒ چک نمبر ۱۱ والے رمضان المبارک کو نور ملز فیصل آباد میں اپنے مسترشد رانا نصر اللہ خان کے ہاں گذارتے تھے۔ تو حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب، شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہی وال، مولانا مفتی عبدالستار صاحب، مفتی اعظم جامعہ خیر المدارس ملتان اور حضرت مولانا محمد حنیف صاحب بہاول پور کا رمضان المبارک فیصل آباد کو نور ملز میں اپنے شیخ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں گزرتا تھا اور عیدالفطر اپنے شیخ کے ساتھ مسجد محمدیہ چناب نگر ریلوے اسٹیشن پر ادا فرماتے تھے۔ اب وہ دور یاد آتا ہے تو طبیعت میں سرسراہٹ اور جھرجھری سی پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ سب حضرات چل دیئے جنہیں عادت تھی مصائب میں مسکرانے کی۔ اب صرف یادیں باقی رہ گئیں۔ مولانا محمد حنیف صاحب غائبانہ طور پر ختم نبوت محاذ کے تمام خورد وکلاں کے لئے دعاگو تھے۔ وہ کیا گئے چارسو اندھیرا چھا گیا۔ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب کا کہنا ہے کہ مولانا محمد حنیف صاحب نے زندگی بھر کبھی جامعہ دارالعلوم مدنیہ کے منتظمین سے تنخواہ کے اضافہ کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ ایسی اجلی سیرت کے لوگ اس دھرتی پر آیۃ من آیات اللہ تھے۔ مورخہ ۱۳؍ اکتوبر دن گیارہ بجے مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب نے آپ کا جنازہ پڑھایا اور اسی روز ہی بہاول پور میں وہ رحمت حق کے سپرد کردیئے گئے۔ حق تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں۔ آمین!

گول چہرہ، خندہ رو، گھنی داڑھی، کسرتی جسم، قد وقامت ابھرتی ہوئی، رنگ پکا، سر پر پگڑی باندھتے، چشمہ لگاتے تھے۔ ان کی ایک ایک ادا سے علم وعمل کے چشمے پھوٹتے تھے۔ اتنے منکسر المزاج کہ: ''نہد شاخ پر میوہ سر برزمین'' کا مصداق تھے۔ رہے نام اللہ تعالیٰ کا۔ اللہ بس، باقی ہوس! ☆☆

مولانا شفیق احمد سلیم ملکانوی مدظلہم ☆

حدیثِ حنیف

فی الواقع قحط الرجال کے اس دور میں علماء کا وجود بسا غنیمت ہے، امتِ مرحومہ علم کے حوالے سے جس قدر آج تشنہ کامی کا شکار ہے اس کی پہلے کے ادوار میں مثال نہیں۔عہدِ گزشتہ میں علماء کی بہتات تھی اور پھر ایک ایک عالم آج کے دسیوں پر بھاری تھا، اگر کوئی عالم عالم بقا کو سدھارتا تو اس کے خلا کو پر کرنے کے لئے ایک جماعت موجود ہوتی تھی، مگر آج یہ صورت بھی ناپید ہوتی جا رہی ہے۔

فیا اسفا علی اسفا! ایسے میں کسی عالم ربانی کا اٹھ جانا جو علم میں گہرائی و گیرائی کا حامل ہو، پختہ کار مدرس ہو، منقول و معقول کا جامع ہو، مسندِ تدریس کے ساتھ منبر و محراب کو بھی زینت عطا کرتا ہو اور ذاتی وجاہت کے ساتھ ساتھ علمی رعب و دبدبہ بھی رکھتا ہو، ان تمام خصوصیات و مزایا کے باوصف بے ضرر بھی ہو اور مزاج اور طبیعت کے اعتبار سے حد درجہ بھلا بھی ہو، ان کا یوں چلے جانا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کا خیر باد کہ جانا یقیناً ایک بڑا المیہ ہے اور کسی بڑے جانکاہ حادثہ سے کم نہیں۔ یہ تمام خصوصیات وصفات ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ میں موجود تھیں۔ان کی اجل نے صرف ان کے اہل خانہ، اعزہ و اقارب اور دار العلوم مدنیہ بہاولپور کو ہی سوگوار نہیں کیا بلکہ وہ علاقہ کے تمام اہل علم اور عوام الناس تمام کو سوگوار چھوڑ گئے۔

بچھڑا وہ کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے جہاں کو ویران کر گیا

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ ایک درویش اور صوفی منش انسان تھے، دھیما لہجہ تھا، سادگی تھی، قناعت پسندی تھی، عالمانہ رکھ رکھاؤ تھا، وقار تھا اہل دل سے علاقہ اور خوب خوب لگاؤ تھا اور واقع میں ایک صوفی صافی انسان تھے۔ وہ دنیا میں رہے اور انہوں نے یہاں دنیا میں طویل عمر گزاری مگر ان کی زندگی، رہن سہن، چال چلن، طرز زندگی اور بود و باش یہ بتلاتے ہیں کہ وہ اہل دنیا میں سے نہیں تھے بلکہ اہل آخرت کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھے۔اور دنیا والوں کو اپنے طور اطوار اور نقوش بندگی سے یہ بتلا گئے

☆ استاذ الحدیث: جامعہ مفتاح العلوم سرگودھا

کہ دنیا میں رہنا اور آخرت کا ہو کر رہنا یوں ہوتا ہے

بندگانِ تو کہ در عشق خداوند انند
دو جہاں را بتمنائے تو بفروختہ انند

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ ایسے عالم بہت کم اور خال خال نظر آئیں گے، ان میں ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ سیر شکم تھے اور سیر چشم بھی اور بمصداق حدیث شریف الغنی غنی النفس تھے کہ دل کے بھی بھرے ہوئے تھے اور استغناء کوٹ کوٹ کر بھرا تھا، لالچ، طمع اور حرص کو راہ تک نہ تھی اور دنیا پر ریجھنا نہ تھا اور ''لا تمدن عینیك الیٰ ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحیوة الدنیا'' پر کاربند تھے۔حضرت شیخ کے واقعات زندگی ان اوصاف کی خبر دیتے ہیں۔مثلاً

۱...... چالیس سال تک ایک مسجد میں امام وخطیب رہے، اسی دوران ایک مرتبہ مسجد کی انتظامیہ نے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا کہ چونکہ چندہ کم ہوتا ہے اس لئے ہم آپ کو صرف مبلغ پندرہ صد روپے دیں گے جبکہ پہلے دو ہزار مشاہرہ مقرر تھا، آپ نے بخوشی منظور فرما لیا اور اسی پر قانع رہے۔

۲...... بچیوں کے ایک مدرسہ میں تا آخر بخاری شریف و ترمذی شریف پڑھاتے رہے، شیخ الحدیث رہے یہاں بھی مشاہرہ کل دو ہزار روپے تھا۔

۳...... دار العلوم مدنیہ میں زندگی گزاری اور طویل عرصہ پڑھایا، چھوٹی بڑی ہر فن کی کتب پڑھائیں مگر یہاں بھی خود داری سے کام لیا کبھی تنخواہ کا مطالبہ نہ کیا اور نہ ہی اضافہ کا مطالبہ! اگر کسی موقع پر دوسرے اساتذہ نے مطالبہ کیا تو مدرسہ کی انتظامیہ نے کہا کہ شیخ صاحب بھی درخواست لکھیں تاکہ ان کی تنخواہ میں بھی اضافہ کر دیا جائے۔ آپ نے یہ بھی گوارا نہ کیا۔اور ایسا بھی ہوا کہ محض توکلاً علی اللہ مفت پڑھانے کی ٹھان لی اور سال بھر مفت پڑھایا بھی!

اس چومکھے چراغ کو کتنا خیال ہے
تیرا، حریم حرف کا، دل کا، زمانے کا!

حصول علم کے لئے مختلف مراکز علم کی خاک چھانی، اپنے زمانہ کے اکابر و اعاظم علماء کرام اور ماہرین فن سے اکتساب فیض کیا اور ان کے علوم کو جذب کیا! آپ کے اساتذہ کرام میں حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ ہیں جو دار العلوم دیوبند میں درجہ علیا کے اساتذہ میں سے تھے، وہاں شیخ التفسیر تھے بعد بلوچستان کے وزیر معارف شرعیہ رہے اور کئی ایک علمی اور وقیع کتابوں کے مصنف و مؤلف بھی

تھے۔کتب فنون کی تعلیم میں طاہروالی ضلع بہاولپور کے الجامعۃ الانوریہ میں آئے یہ ادارہ پاکستان بھر میں مشہور ہے جہاں دور دراز کے علاقوں کے طلباء آ کر تعلیم حاصل کرتے اور انہیں سیرابی نصیب ہوتی۔ اس جامعہ کی بنیاد حضرت الشیخ مولانا حبیب اللہ گمانویؒ نے رکھی جو علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے اجلہ تلامذہ میں سے تھے، انہوں نے اپنے استاذ ہی کے نام پر ادارہ کا نام ''الجامعۃ الانوریہ'' رکھا، یہاں الاستاذ حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ مدرس تھے جنہوں نے اس ادارہ کو اپنے حسنِ تدریس سے چار چاند لگائے، جن کا انداز تدریس شہرہ آفاق تھا، جس کی بدولت آپ کا نام جامعہ کے نام پر غالب آ گیا تھا۔ اہل علم اور طلباء کرام میں تذکرہ ''الجامعۃ الانوریہ'' میں پڑھنے کا نہیں ہوتا تھا بلکہ حضرت نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پڑھنے کا ہوتا تھا۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد حنیف رحمہ اللہ نے حضرت نعمانی رحمہ اللہ سے بھی اخذ فیض کیا اور خوب خوب بہرہ مند ہوئے اور متمتع ہوئے جس کے عمدہ اور اچھے اثرات زمانِ تدریس میں ظاہر ہوئے کہ کسی بھی علم وفن کی کتاب کے پڑھانے میں کوئی دقت محسوس نہیں کی اور کسی بھی ہچکچاہٹ کا شکار نہیں ہوئے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ نے حدیث شریف کی تعلیم کے لئے ملک کی ایک اور مشہور معروف درسگاہ دارالعلوم کبیر والا تشریف لے گئے۔اس زمانہ کی بات ہے جب دارالعلوم کبیر والا میں فضلاء دار العلوم دیوبند کی ایک جماعت مصروفِ تدریس تھی اور ان کے علاوہ دیگر اساتذہ بھی وہ تھے جو اپنی خاص تدریسی شان رکھتے تھے۔فضلائے دیوبند میں حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمہ اللہ بانی دار العلوم کبیر والا، حضرت مولانا مفتی علی محمد صاحب رحمہ اللہ، شیخ المعقول مولانا محمد منظور الحق صاحب رحمہ اللہ اور حضرت علامہ ظہور الحق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ تھے تو دوسرے اساتذہ کرام میں حضرت صوفی محمد سرور صاحب مدظلہم حال شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور اور حکیم العصر حضرت مولانا عبد المجید صاحب مدظلہم شیخ الحدیث جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا وامیر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان جیسے اساطینِ علم تھے۔ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

علم قابل اعتداد اور لائق لحاظ تب ہوتا ہے جب اس کے ساتھ عمل واخلاص ہو ورنہ نرے عالم (اپنے لغوی معنی کے ساتھ) کی مثال تو شیخ سعدیؒ نے گدھے سے دی ہے جس پر چند کتابیں لادی گئی ہوں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہود سے متعلق فرمایا: مثل الذين حملو التورلة ثم لم

يحملوها كمثل الحمار يحمل اسفارا

ہمارے اکابر کی یہ تاریخ رہی ہے کہ حصول علم کے ساتھ ہی یا حصول علم کے معاً بعد شیوخ طریقت کی طرف متوجہ ہوئے۔علم مقلوب بعمل کیلئے خانقاہوں کا رخ کیا۔اکبرالہ آبادی مرحوم نے کیا خوب کہا

خدا کی شان دیکھئے کیا آگے ہے کیا پیچھے ہے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے

ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد حنیف صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے اکابرین کی اس سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے تحصیل علم سے فراغت کے بعد رائے پوری سلسلہ کے عظیم روحانی پیشوا حضرت حافظ ولی محمد رحمہ اللہ کی طرف رجوع کیا اور کثرت سے ان کی خدمت میں آنا جانا رکھا۔حضرت شیخ مولانا محمد حنیفؒ شروع میں ایک سرکاری اسکول ٹیچر تھے، حضرت حافظؒ نے دینیات کی طرف پوری توجہ اور یکسوئی سے متوجہ ہونے کی ترغیب دی، اسی ترغیب ہی کا نقد ثمرہ یہ مرتب ہوا کہ اسکول کی سرکاری ملازمت کو خیر باد کہا، پھر تمام تر توجہ کا مرکز مدارس عربیہ میں ترویج واشاعت علم ہی رہی کہ دنیا کو خیر باد کہا، آج ایک بہت بڑی جماعت اہل علم کی موجود ہے جس نے آپ سے علم حاصل کیا اور اگلی نسل تک علم کے منتقل کرنے کے کارِ خیر میں مصروف رہے۔یہ سب حضرت مولانا محمد حنیفؒ کی مساعی جمیلہ ہیں جو الحمدللہ صدقہ جاریہ کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔ہمارے حضرت ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا!

''شاہانِ عالم کے بنائے ہوئے محل مٹ گئے اور قوموں کے آباد کئے ہوئے شہر ویران ہو گئے ''كان لم يغنوا فيها'' لیکن اصحاب اخلاص کا ایک کلمۂ حق اور ایک نقشِ صدق بھی لوح محفوظ سے محو نہ ہو سکا حتیٰ کہ جو بقائے ذکر عظیم الشان بابل کے آباد کرنے والوں اور مصر کے سر بفلک مناروں کے بنانے والوں کو بھی نصیب نہ ہوا وہ اصحاب کہف کے ایک بے زبان کتے کو اس غیر فانی کتاب کی لوحِ محفوظ میں حاصل ہے جس کی دائمی حفاظت کی تصدیق میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذمہ داری پیش کی۔''كلبهم باسط ذراعيه بالوصيد'' واللہ درما قال

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(تذکرہ)

قرآنیات کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا۔ فرمایا "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" تو جو لوگ اس سے وابستہ ہو گئے تو وہ خود محفوظ ہو گئے۔ اس لئے کہ ان علوم عالیہ کے محافظ لوگ نہیں بلکہ خود ذاتِ باری تعالیٰ ہیں اور یہ تسلیم شدہ اصول ہے "اذا ثبت الشیٔ ثبت بلوازمہ" تو قرآنِ کریم اور اس سے جو وابستہ ہیں سب کی حفاظت ہوگئی، تو ہمارے حضرتؒ بھی انہی خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں، جو قرآنیات میں زندگی کھپا کر غیر فانی ہو گئے اور امر ہو گئے۔

حضرت شیخ الحدیثؒ ایک بہترین مدرس تھے، ہر علم وفن کی کتب کے پڑھانے کا ملکہ تھا بہترین استعداد اور صلاحیت کے مالک تھے، کبھی کبھار تحدیث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا کرتے:

"مجھے سب کتابیں آتی ہیں"

آپ کی تمام تر مصروفیت علمی مصروفیت تھی۔ بس "کتاب وفراغے وگوشۂ چمنے" والی بات تھی۔ دار العلوم مدنیہ میں شرح تہذیب، قطبی، توضیح تلویح بیضاوی شریف اور صحیح بخاری وجامع ترمذی کے اسباق مشہور معروف تھے، جامع ترمذی کی مفصل اور صحیح بخاری کی مختصر تقریر موجود ہے۔ آپ کی باتیں گہرائی اور گیرائی کی حامل ہوتیں اور علم میں رسوخ کا پتہ دیتیں۔ باقی عمل، استقامت اور خلوص آپ کی ہر ادا، ہر شان ہر حالت سے ٹپکتا تھا۔

حاصل عمر رہِ یار نثارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

اس گیتی میں بہت سے آئے اور اس دنیا کے آب وگل نے بے شماروں کو اپنی آغوش میں لیا۔ کوئی تو اس قدر کامیاب وکامران اور ایسے فائز المرام کہ ہزاروں ایسی مشعلیں جلا کے گئے کہ تا ہنوز دنیا منور ہے، فرق مراتب ضرور ہے کہ دنیا کی زینت اور خوبصورتی اسی سے ہے اور اس کے برعکس ایسوں کی بھی کوئی کمی نہیں رہی ہے کہ جن کے جینے کی اور زندگی کی سطح حیوانیت سے ذرا بھی اونچی نہیں رہی ان کی حیات اور بہارِ زندگی کی معراج صرف یہی رہی کہ زیستن، خوردن ومردن! اور بہت کچھ تو ایسے بھی جو ذرا بھی احساس کا پہلو اپنے پہلو میں لئے ہوئے تھے، انہوں نے یہ کہتے ہوئے آگے کی جست لگائی ہوگی

نہ گلم ، نہ برگ سبزم نہ درخت سایہ دارم
ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا!

اور بقول ہمارے ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ

"ابو طالب کلیم نے چار مصرعوں میں پوری سوانح عمری لکھ دی!

بدنامیٔ حیات دو روزے نہ بود بیش
آنہم کلیم با تو چگویم چساں گزشت
یک روز صرف بستن دل شد بایں وآں
روزے ذکر بکندن دل زیں وآں گذشت

مگر ہمارے ممدوح حضرت مولانا محمد حنیف رحمہ اللہ تعالیٰ ثلۃ من الاولین میں سے تھے جواب ہم میں نہیں رہے۔

یا ناعی الاسلام ! قم وانعہ
قد زال عرف وبدا منکرٌ

ایک مرتبہ مولانا صاحب مرحوم نے ایک مشہور صحافی کے مقابلہ میں الیکشن لڑا، پورا بہاول پور شہر اُس صحافی کے ساتھ تھا، لیکن ہم نے مولانا صاحبؒ کا ساتھ دیا، اللہ نے آپؒ کی مدد کی اور آپ کامیاب ہوکر کونسلر بنے۔ کامیابی کے بعد آپ نے لوگوں سے آنکھیں نہیں پھیریں، بلکہ خوب رفاہی کام کروائے، فلاحی کاموں کے لیے خوب کوشش کی، بیواؤں کا بہت خیال رکھا، سڑکیں بنوائی، اور بھی بہت کچھ جو شمار کرنا مشکل ہے۔
اسی دوران ون یونٹ کے قریب مشتاق کالونی میں این جی اوز کی شہہ پر مسلمانوں کی نقد ایمان لوٹنے اور اس پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے عیسائیوں نے اپنا اڈہ بنانا چاہا، تو مولانا صاحبؒ نے بھرپور احتجاج کیا، ہائیکورٹ میں رٹ کردی، جس کے نتیجے میں وہ اپنے مذموم مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔
آپ کے رہن سہن میں انتہا درجے کی سادگی تھی، بالکل بھی اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ یہ اتنے بڑے عالم ہیں، آپ کے علم کا تب پتہ چلتا تھا جب آپ درس قرآن یا درس حدیث دیتے تھے، گویا علم کا ایک سمندر تھا جو موجیں مار رہا ہوتا تھا۔ آپؒ کے استاد حضرت افغانیؒ کو آپ سے بہت محبت تھی، اکثر آپ کے ہاں تشریف لایا کرتے تھے۔
توکل، استغناء اور دنیا سے بے رغبتی بھی خوب تھی، آپ کے استاد مولانا عبد الرشید نعمانیؒ جب بنوری ٹاؤن کراچی تشریف لے گئے تو آپؒ کو انہوں نے دعوت دی کہ یہاں تشریف لے آئیں، یہاں دس ہزار تنخواہ ہے، مولانا صاحبؒ کی تنخواہ اس وقت ڈیڑھ سو کے لگ بھگ تھی، لیکن آپؒ نے فرمایا: مجھے میرے حضرت نے یہاں بھیجا ہے، اس لیے میں یہاں ہی رہوں گا۔ (محمد وسیم رفیق، ون یونٹ کالونی، بہاول پور)

مولانا ارشاد الحق مدظلہم☆

موت العالم موت العالم

موت ایک ایسی بدیہہ اور اٹل حقیقت ہے جس سے کسی کو بھی انکار نہیں، اس کارخانہ کائنات میں آپ کو ایسے لوگ بھی مل جائیں گے جو خدا کے منکر ہوں گے، خدا کے رسول کے منکر ہوں گے، بعث بعد الموت اور جزا و سزا کے منکر ہوں گے، لیکن موت سے نہ تو کسی کو انکار ہے اور نہ ہی مفر، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''کل نفس ذائقة الموت'' کہ اس کارخانۂ رنگ و بُو میں جو آیا ہے اُس نے جانا ضرور ہے۔ مگر ان جانے والوں میں کچھ ایسے قدسی صفات نفوس بھی ہوتے ہیں کہ جب وہ اس جہان سے اٹھ جاتے ہیں تو اپنے پیچھے ایک ایسا بڑا خلا چھوڑ جاتے ہیں جو مدتوں پُر نہیں ہوتا، ایسے ہی پاک باز انسانوں میں ہمارے ایک دیرینہ مہربان دوست شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف رحمہ اللہ شیخ الحدیث: جامعہ دار العلوم مدنیہ، بہاول پور تھے، جو چند روز قبل بتاریخ 12، اکتوبر 2012ء شنبہ کی شب طویل علالت کے بعد وصال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم و مغفور ایک پختہ عالم ربانی زاہد شب زندہ دار اور شریعت و طریقت کے جامع تھے۔ آپ کے انفاس قدسیہ سے ایک بڑی مخلوق نفع اندوز ہو رہی تھی، آپؒ ایک طویل مدت سے ضلع بہاول پور کے معروف اور قدیم ادارہ دار العلوم مدنیہ میں شیخ الحدیث کے جلیل القدر عہدہ پر فائز تھے، اور ساتھ ہی ساتھ ون یونٹ کالونی بہاول پور کی جامع مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض بھی بڑی خوبی اور احسن طریق سے انجام دیتے رہے۔ اور بعد نمازِ فجر درسِ قرآن مجید دینا بھی معمول تھا۔ اس درس میں کئی مرتبہ ترجمہ و تفسیر کے ساتھ قرآن مجید کا ختم فرمایا۔ علاوہ ازیں بہت سے لوگوں کا آپ سے باطنی اصلاحی تعلق بھی تھا، بہر کیف ایک بڑی تعداد میں مخلوق خدا آپ سے فیض یاب ہو رہی تھی۔

حضرت مولانا مرحوم سے میری پہلی ملاقات آج سے تقریباً 40 سال قبل حضرت اقدس شاہ عبد العزیز رائے پوری رحمہ اللہ آف چیچہ وطنی کی خانقاہ عزیزیہ صابریہ میں ہوئی تھی، بندہ ناچیز اور مولانا مرحوم ہم دونوں کا اصلاحی تعلق حضرت شاہ عبد العزیز رائے پوریؒ سے تھا۔ یہ میری طالب علمی کا زمانہ تھا، اور بندہ گاہے گاہے اپنے حضرت کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا، چنانچہ ایسی ہی ایک حاضری کے وقت

☆ شیخ الحدیث: جامعہ خیر العلوم، خیر پور ٹامیوالی

مولانا مرحوم سے پہلی ملاقات ہوئی، مولانا مرحوم اس زمانہ میں عالم شباب میں تھے، اور خانقاہ صابریہ میں اصلاح ظاہری و باطنی کی غرض سے قیام پذیر تھے، اور مرشدنا حضرت رائے پوری رحمہ اللہ سے کسی اونچے درجہ کی کتاب کا درس بھی لے رہے تھے، اب یہ تو یاد نہیں کہ وہ کون سی کتاب تھی، شاید تصوف کی کوئی کتاب تھی، یا مشکوٰۃ شریف تھی۔ بہر حال میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ مولانا مرحوم سے اس پہلی ملاقات میں جس چیز نے مجھے بے حد متاثر کیا وہ آپؒ کا تقویٰ اور پاکبازی کے واضح آثار تھے جو عین عالم شباب میں بھی آپ کے چہرہ انور سے نمایاں تھے، بالکل اس شعر کا مصداق

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری   کہ وقت پیری مے شود گرگِ ظالم پرہیزگار

بعد ازاں جب یہ ناچیز ملتان سے خیر پور ٹامیوالی میں قیام پذیر ہوا تو کئی مرتبہ حضرت مولانا مرحوم سے شرف ملاقات میسر آیا، اور ہر ملاقات میں حضرت والا کی محبت و عقیدت میں ترقی محسوس کی۔ آپ ہمیشہ بڑی محبت اور اکرام کا برتاؤ فرماتے۔

مولانا مرحوم کے اوصاف جمیلہ اور خصائص حمیدہ تو بہت ہیں، مگر ناچیز کی ناقص رائے میں آپ کی بڑی خوبی اتباع سنت اور بدعت سے نفرت تھی، جو ہمارے اکابر علمائے حق علمائے دیوبند کا خاص وصف بلکہ طرۂ امتیاز ہے اور میرے ناقص خیال میں اس پُر فتن دور میں وابستگان فکرِ دیوبند کے بہت سے علماء اور مشائخ میں ایسی فکر کی نمایاں کمی واقع ہو رہی ہے جو ایک بڑا المیہ ہے۔ شاید وہ زمانہ آ رہا ہے جس کے بارہ میں ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ: ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ جس میں سنت پر عمل ایسا مشکل ہوگا جیسے ہاتھ میں آگ کا انگارہ پکڑنا مشکل ہوتا ہے۔ لیکن حضرت مولانا مرحوم ایک پیر طریقت ہونے کے باوجود ہمیشہ سنت نبویہ کے سچے پیروکار اور بدعات سے سخت متنفر تھے۔ ایک دفعہ ایک ملاقات کے موقع ایک روایتی پیر صاحب کا تذکرہ چل نکلا، حاضرین مجلس میں سے کسی نے یہ بات ذکر کی کہ پیر صاحب موصوف میں فلاں فلاں کام بدعتیوں والے پائے جاتے ہیں تو مرحوم کافی رنجیدہ ہوئے اور ایسی بدعات سے سخت نفرت اور بیزاری کا برملا اظہار فرمایا اور سنت کی پیروی کی بڑے زور دار الفاظ میں حاضرین کو تلقین فرمائی۔ تو اتباع سنت حضرت کا خاص وصف تھا جو در حقیقت بہت اونچا وصف ہے۔

در کفِ جام شریعت و در کفِ سندان عشق   ہر ہوسناکے کے داند جام و سندان باختن

آخر میں اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عاجزانہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے جملہ حسنات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرماتے ہوئے اُن کو اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے اور جملہ پس ماندگان، عزیز و اقرباء اور تلامذہ و مسترشدین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔☆☆

مولانا زبیر صدیقی☆

علم وفضل کے بجھتے چراغ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ان اللّٰہ لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعه من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتیٰ اذا لم یبق عالمٌ اتخذ الناس رؤساً جهالاً فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔(صحیح بخاری:98)

اللہ تعالیٰ بندوں سے علم اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ علم (سینوں سے) اٹھالیا جائے بلکہ علم، علماء کے اٹھائے جانے کے ساتھ اٹھایا جائے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے، پھر ان سے مسائل دریافت کئے جائیں گے تو وہ بغیر تحقیق کے فتوے جاری کریں گے، سوخود بھی گمراہ ہوں گے، دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اسی طرح ایک حدیث شریف میں ارشاد گرامی ہے:

یذهب الصالحون الاول فالاول وتبقی حفالة کحفالة الشعیرا والتمر لا یبالیهم اللّٰہ بالة(صحیح بخاری:6075)

چلے جائیں گے نیک لوگ ایک ایک کر کے اور باقی رہ جائے گا چھلکا، کشمش یا کھجور کے چھلکے کی طرح، نہیں پرواہ کریں گے اللہ رب العزت ان کی ذرا برابر۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر ارشادات کی طرح مذکورہ بالا دونوں ارشاد بھی من وعن پورے ہو رہے ہیں، علماء وصلحاء دنیا سے جا رہے ہیں، جہال اور فجار کی کثرت ہوتی جا رہی ہے، ایک جانب جاہل اور گمراہ قسم کے لوگ مسند علم وارشاد پر قابض ہو رہے ہیں تو دوسری جانب بے عمل و بدعمل لوگوں کا غلبہ ہے، علماء کرام تسبیح کے دانوں کی طرح یکے بعد دیگرے دنیا سے اٹھتے جا رہے ہیں، اس ماہ اہل علم و

☆ مدیر و شیخ الحدیث: جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

فضل کو کئی حادثات سے دو چار ہونا پڑا، مورخہ 12 اکتوبر 2012ء بمطابق 24 ذیقعد 1433ھ پنجاب کے ممتاز دینی ادارہ جامعہ مدنیہ بہاولپور کے شیخ الحدیث، سینکڑوں علماء کے استاذ، آسمانِ علم و فضل کے درخشندہ ستارہ اور نہایت ہی صالح ومتقی عالم دین حضرت مولانا محمد حنیفؒ راہی اجل ہوئے، اسی روز ہی جامعہ قادریہ رحیم یار خاں کے امیر مولانا قاضی عزیز الرحمٰن داغِ مفارقت دے گئے، مورخہ 13 اکتوبر 2012ء بمطابق 25 ذیقعد 1433ھ جامعہ خیر المدارس ملتان کے شعبہ حفظ و ناظرہ کے قدیم استاذ ہزاروں حفاظ وقراء کو فیض پہنچانے والی ممتاز خادم قرآن شخصیت حضرت حافظ محبوب احمدؒ داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، مورخہ 14 اکتوبر 2012 کو گوجرانوالہ کے ممتاز عالم دین، دارالعلوم گوجرانوالہ کے بانی ومہتمم مولانا مفتی محمد اویسؒ بھی عالم آخرت کو سدھار گئے، جبکہ مورخہ 9 اکتوبر 2012ء، پیر اور منگل کی درمیانی شب، تقریباً 12:30 بجے رات کو جامعہ ہٰذا کے استاذ مولانا مفتی محمد راشد ابوبکر کے والد محترم جناب پیر حاجی میاں محمد حسن بودلہؒ وفات پا گئے۔ 3 اکتوبر 2012ء بمطابق 15 ذیقعدہ 1433ھ جامعہ حقانیہ ظریف شہید کے مہتمم مولانا قاری عبداللطیفؒ راہی آخرت ہوئے۔

انا للّٰہ وانا الیه راجعون ان اللّٰہ ما اخذ و له ما اعطیٰ و کل شئی عنده بأجل مسمیٰ

مذکورہ بالا اول الذکر چاروں علمی شخصیات تھیں، حضرت مولانا محمد حنیف صاحبؒ جامعہ مدنیہ بہاولپور میں اور قاری محبوب احمد صاحب جامعہ خیر المدارس ملتان میں تقریباً نصف صدی تک خدمت علم ودین میں مصروف رہے، مولانا محمد حنیف صاحبؒ کو حق تعالیٰ نے تقریباً عرصہ بتیس سال تک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی خدمت کا شرف بھی نصیب فرمایا اور وہ شیخ الحدیث قرار پائے، زندگی بھر تقویٰ وطہارت کے ساتھ تدریس میں مصروف رہے، بلا خوف وطمع، رضائے الٰہی کے لئے اپنے آپ کو خدمتِ علم کے لئے وقف فرمایا، وہ دارالعلوم مدنیہ کے بانی حضرت مولانا غلام مصطفیٰؒ اور جامعہ کے موجودہ مہتمم وشیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب کے دیرینہ رفیق تھے۔ حافظ محبوب احمد صاحبؒ جامعہ خیر المدارس کے مہتمم اور وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب کے بھی استاذ تھے، حق تعالیٰ نے زندگی کے آخری یوم تک خدمت قرآن میں مصروف رکھا، کوئی نماز بھی قضا نہ ہوئی۔ مولانا قاضی عزیز الرحمٰنؒ بھی سینکڑوں علماء کے استاذ

اور ختم نبوت کے مجاہد تھے، رحیم یار خان شہر میں آپ کی حیثیت غیر متنازعہ عالم دین کی تھی، آپ کے فیصلے برضا و رغبت قبول کئے جاتے تھے۔

مفتی محمد اویس مرحوم نے زندگی بھر تعلیم دین اور تبلیغ دین کو اپنا مشن بنائے رکھا، اولاً تبلیغی مرکز گوجرانوالہ میں اپنے تدریسی جوہر بکھیرے، بعدہ دارالعلوم کے نام سے گوجرانوالہ میں اپنا ادارہ قائم فرمایا، اس ادارہ نے بہت کم عرصہ میں ترقی کی منازل طے کیں اور آج وہاں دورۂ حدیث شریف کی تعلیم شروع ہو چکی ہے۔ جامعہ ہٰذا کے استاذ مفتی محمد راشد ابوبکر صاحب کے والد محترم پیر میاں حاجی محمد حسن بودلہ صاحبؒ نہایت ہی صالح اور متقی انسان تھے، پوری اولاد کو حافظ و عالم بنایا، علماء کی خدمت اپنے لئے اعزاز سمجھتے تھے، زندگی بھر نماز قضا نہیں ہوئی، برس ہا برس تک تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز کی ادائیگی کا معمول تھا، زمیندار ہونے کے باوجود خوشامد پسندی اور خوشامد پرستی سے کوسوں دور تھے، اکثر دعا فرماتے کہ میری موت اس حالت میں آئے کہ میرے بیٹے اللہ کی راہ میں کام کر رہے ہیں، زندگی کی آخری نماز بھی قضا نہ ہوئی۔ مولانا قاری عبداللطیف ظریف شہید کے درویش منش عالم دین تھے، ساری زندگی بے لوث خدمت کی، مسلک حقہ کی ترویج و اشاعت میں ہر طرح کے گرم سرد حالات کا مقابلہ کیا، انکا بڑا بیٹا محمد حسنین ہمارے ہاں جامعہ میں درجہ اولیٰ کا طالب علم ہے۔

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد اور ادارہ صدائے فاروقیہ، جامعہ مدنیہ بہاولپور، مولانا محمد حنیف صاحبؒ کے پسماندگان، جامعہ خیر المدارس ملتان، جامعہ خیر المدارس ملتان کے مہتمم مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب، حافظ محبوب احمد صاحبؒ کے تلامذہ و اہل خانہ، مولانا قاضی عزیز الرحمٰن کے جانشین مولانا قاضی شفیق الرحمٰن، جامعہ قادریہ رحیم یار خان، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، مفتی محمد اویس مرحوم کے اہل خانہ، دارالعلوم گوجرانوالہ، مفتی محمد راشد ابوبکر صاحب اور انکے اہل خانہ اور مولانا قاری عبداللطیف صاحبؒ کے پسماندگان سے دلی تعزیت کرتے ہیں، اور ان سب مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد و علی آله
واصحابه اجمعین برحمتك یا ارحمن الرّحمین۔

(بشکریہ، ماہنامہ صدائے فاروقیہ، شجاع آباد، ملتان)

مولانا رب نواز حفظہ اللہ

پاکیزہ سیرت اور عمدہ کردار کے مالک

شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے چند دن بعد مجلّہ صفدر گجرات کے مدیر مولانا حمزہ احسانی حفظہ اللہ کا میرے پاس یہ پیغام آیا۔

''سلام مسنون: مولانا حنیف صاحب رحمہ اللہ پر ''صفدر'' کے لئے ایک عدد مضمون عید تک تحریر فرما دیں۔ جزاك الله احسن الجزاء، از خادم حمزہ''

اس پیغام سے مجھے اندازہ ہوا (اور بعد میں بالمشافہ گفتگو سے معلوم ہوا) کہ مولانا صاحب، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی یاد میں مستقل نمبر شائع کرنا چاہتے ہیں، میری اپنی خواہش تھی کہ ان کے حالات پر مشتمل خاص نمبر کی اشاعت ہونی چاہئے کیونکہ:

۱......اکابر کے حقوق میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کے حالات جمع کر کے اگلی نسل تک پہنچائے جائیں۔

۲...... بزرگوں کا ذکر خیر رحمت الٰہی کے نزول کا ذریعہ ہوتا ہے۔

۳......ان کی نصیحت آموز باتوں اور تجربات کو مشعلِ راہ بنا کر زندگی کا رخ صحیح راستہ پر لایا جاتا ہے۔

اس لئے بندہ کو اس پیغام کے ذریعہ خوشی ہوئی، ان کا یہ پیغام جہاں باعثِ مسرت تھا وہاں اس لائق بھی کہ اس کے ذریعہ کی جانے والی فرمائش کو پورا کیا جائے۔ ذیل کا مضمون اسی فرمائش کی تکمیل ہے، اللہ کرے پسند خاطر ہو۔

دارالعلوم فتحیہ میں آمد:

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ متعدد مرتبہ ہمارے مدرسہ دارالعلوم فتحیہ، احمد پور شرقیہ تشریف لائے، ایک دفعہ اہل مدرسہ نے انہیں امتحان لینے کی غرض سے بلایا، انہوں نے دو کتابوں اصول الشاشی اور التوضیح والتلویح کا امتحان لیا۔

اصول الشاشی کے امتحان میں منجملہ سوالات کے ایک سوال یہ کیا ان اصولوں کو ''شاشی'' کیوں کہا جاتا ہے؟ یعنی اصول الشاشی کتاب کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟ حبیب اللہ نامی طالب نے اس کا جواب دیا: اس کتاب میں مذکورہ اصولوں کو لکھنے والے مصنف چونکہ علاقہ ''شاش'' کے رہنے والے تھے، اس لئے انہیں اصول الشاشی کہا گیا۔ التوضیح کے امتحان لینے کے بعد انہوں نے ایک تاثراتی تحریر بھی کاغذ پر ثبت فرمائی، ہم اس تحریر کو لفظ بہ لفظ نقل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، مگر تلاش کے باوجود فی الوقت نہیں مل سکی البتہ اس تحریر کا مفہوم استاذ مولانا مفتی عبدالمجید صاحب دام ظلہ کے بقول کچھ اس طرح ہے۔

''ہم دارالعلوم فتحیہ آئے، یہاں کا دینی ماحول دیکھ کر دل خوش ہوا۔ ماشاء اللہ بچوں کو کتاب یاد ہے، استاد نے سمجھ کر پڑھائی ہے اور طلباء نے بھی سمجھ کر پڑھی ہے۔''

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ جب امتحان لے رہے تھے، اس وقت ان کے ساتھ محمد الطاف قریشی صاحب بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے بعد میں عرض کیا کہ آپ نے شفیق نامی طالب علم کو اتنے (۹۶) نمبر کس خوبی پر دیئے؟ فرمایا ان کی استعداد عمدہ ہے، اضافی نمبر ان کی استعداد کی وجہ سے ملے ہیں۔

وسعت مطالعہ:

بہت سے علماء ایسے ہیں جن کا مطالعہ صرف درسی کتابوں اور ان کی شروحات تک محدود ہوتا ہے، لیکن حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ وسیع المطالعہ انسان تھے، وہ درسی کتب کے علاوہ دیگر کتابوں کا بھی کثرت سے مطالعہ کیا کرتے تھے ایک، دفعہ ہمارے مدرسہ فتحیہ میں طلباء کو بیان فرما رہے تھے، دورانِ بیان منجملہ باتوں کے یہ بات بھی ارشاد فرمائی۔

''میں نے شامی کا پہلے سے مطالعہ کیا ہوا ہے لیکن بالاستیعاب نہیں کیا، اب دوبارہ بالاستیعاب اس کا مطالعہ کر رہا ہوں اور اتنا کر چکا ہوں''

حضرت نے مقدار بتائی جو خاطر خواہ تھی مگر ہمیں وہ یاد نہیں رہی، انہوں نے وفات سے ۶/۵ سال پہلے یہ بات ارشاد فرمائی، بڑھاپے میں مطالعہ کا یہ شغف ہے تو جوانی میں کیا عالم ہوگا؟

حسنِ اخلاق:

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ عمدہ اخلاق کے مالک تھے۔ جو بھی ان سے چند منٹ کی ملاقات

کرتا یا ان کی مجلس میں جا بیٹھتا تو وہ ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر واپس آتا۔

☆ کچھ لوگ جو، ان سے بیعت نہیں تھے، مگر ان کے پاس حاضری دیا کرتے تھے وہ ان کے اخلاق سے متاثر ہو کر بیعت ہو جاتے، ہمارے شہر کے بھائی محمد الطاف قریشی صاحب کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہے کہ یہ اخلاقِ حسنہ سے متاثر ہو کر بیعت ہوئے ہیں۔

☆ ان کے اخلاق میں ایک جزئی یہ بھی تھی ان کی مجلس میں پہلے سے لوگ حاضر ہوتے، بعد میں آنے والا جگہ کے پُر ہونے کی وجہ سے ان کے قریب نہ بیٹھ سکتا تو وہ پیچھے ہی بیٹھ جاتا۔ آپ اس سے فرماتے: بھائی! آگے آجاؤ! وہ آگے ہوتا، آپ پھر فرماتے اور آگے تشریف لے آئیں! بالآخر انہیں اپنے قریب کر کے حال، احوال پوچھتے اور ان سے تبادلہ خیال کرتے، یوں محسوس ہوتا کہ گویا ان سے پہلے کی جان پہچان ہے۔ اس طرح کے طرزِ عمل سے اس نو وارد کی خوب حوصلہ افزائی ہوتی۔

☆ ایک دفعہ ہمارے مدرسہ فتحیہ تشریف لائے ان دنوں بھائی محمد الطاف قریشی صاحب کی والدہ ہسپتال میں زیرِ علاج تھیں، اس لئے وہ حضرت کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے، انہیں یہ صورت حال بتائی گئی تو فون کے ذریعہ قریشی صاحب سے عیادت کی، دعائیں دیں اور مشوروں سے نوازا۔

☆ عمدہ اخلاق میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ کسی انسان کی دل آزاری نہ ہو یعنی محتاط طریقہ سے زندگی گزاری جائے کہ قول وفعل سے دوسرے کو ذہنی یا جسمانی تکلیف نہ پہنچے بقول شاعر ؎

یہ آشیانہ کسی شاخِ چمن پہ بار نہ ہو

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے بھی اس طرح کی محتاط زندگی گزاری ہے۔ ہمارے استاذِ محترم حضرت مولانا قاری اللہ نواز صاحب دام ظلہ (جو دارالعلوم مدنیہ، بہاولپور میں پڑھتے رہے ہیں) فرماتے ہیں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے کسی دور میں مقامی سطح کا الیکشن لڑا اور کامیاب ہو گئے۔ نوجوان کامیابی پر نعرے لگا کر خوشی کا اظہار کر رہے تھے، سیاسی نعروں میں فریق مخالف کے متعلق طنز وتشنیع بھی ہوا کرتی ہے، کسی نے مخالف کے بارے میں طنزیہ نعرہ لگایا تو فوراً منع فرما دیا کہ اس سے دل آزاری ہوتی ہے اور مسلمان کے دل کو ٹھیس پہنچانا گناہ ہے۔

مہمان نوازی:

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے احباب جانتے ہیں کہ آپ میں مہمان

نوازی والا وصف تھا، آپ کے مریدین جب حاضر ہوتے آپ ان کی خاطر تواضع کے لئے پانی، بوتل پیش کرتے اور اگر کھانے کی طلب ہوتی تو کھانا کھلاتے، آپ کی یہ خواہش ہوتی کہ مہمان کھانا کھا کر جائے۔

☆ ہمارے شہر احمد پور شرقیہ کے چند احباب حاضر خدمت ہوئے تو ان کے کھانے کا بندوبست کیا، گھر میں کوئی خادم موجود نہ تھا تو خود تنور سے روٹیاں لگوا کر آئے، حالانکہ وہ مہمان بھی یہ خدمت سر انجام دے سکتے تھے مگر آپ نے اسے مناسب نہ سمجھا، کیونکہ مہمان سے خدمت لینا بہتر نہیں ہوتا۔

☆ ہمارے مدرسہ فتحیہ کے استاذ حدیث مولانا محمد الطاف صاحب حفظہ اللہ نے ۲۰۰۴ء میں حضرت کی مسجد ون یونٹ چوک میں تراویح میں قرآن سنایا، پورا مہینہ کھانا اپنے گھر سے دیا اور جب ختم کی رات آئی تو نمازیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

لوگوں کا معمول ہے کہ وہ ختم کی رات کپڑے، رومال اور نقدی کی صورت میں تراویح پڑھانے والے کی خدمت کرتے ہیں مگر ان کی کوئی خدمت نہ کرے، یہ حافظ صاحب ہمارے مہمان ہیں، ان کی خدمت ہمارے ذمہ ہے، حضرت نے مہمان کی خدمت خود ہی کی، انہیں جوتا، سوٹ، رومال، ٹوپی اور کچھ نقدی عطا فرمائی۔

خودداری/بے غرضی:

ہر انسان میں عموماً اور دینی پیشوا میں خصوصاً یہ وصف ہونا چاہئے کہ وہ لوگوں کے سرمایہ پر نگاہ نہ رکھے، اس لئے یہ مقولہ کہا گیا کہ: نعم الامیر علی باب الفقیر و بئس الفقیر علی باب الامیر۔ یعنی کیا ہی خوب بادشاہ ہے جو فقیر کے دروازے پر آئے اور کیسا برا ہے فقیر (دینی پیشوا) جو بادشاہ کے دروازے پر ہو۔

یہ برا ہونا اس وقت ہے جب دینی پیشوا مال و دولت کے لالچ میں مالدار کے دروازہ پر گیا ہو ورنہ اسے تبلیغ کرنے یا کسی دینی ضرورت کی بناء پر اس کے ہاں جانا جائز ہے۔ تبلیغی جماعت والے منجملہ ہدایات کے ایک ہدایت یہ بھی کرتے ہیں کہ زبان کا سوال نہیں کرنا اور دل کا سوال بھی منع ہے یعنی لوگوں کی اشیاء بغیر عوض طلب کرنے کے لئے زبان کو استعمال کرنا تو ممنوع ہے ہی، دل میں بھی خیال نہ لایا جائے کہ لوگ ہماری خدمت کریں۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ میں مذکورہ وصف نمایاں طور پر پایا جاتا تھا جس کے بہت سے شواہد ہیں مثلاً......

☆ مولانا محمد الطاف صاحب حفظہ اللہ فرماتے ہیں: جب میں حضرت کی مسجد میں تراویح سنانے کے لئے گیا تو مجھے فرمایا آپ کا کھانا پینا میرے پاس ہوگا، اہل محلّہ سے نہ کچھ کھانا اور نہ ہی پینا ہے، مجھے یہاں چالیس سال کا عرصہ ہو گیا ہے، میں نے اب تک کسی کے گھر سے کھانا نہیں کھایا، آپ بھی خیال رکھنا میری محنت پہ پانی نہ پھیر دینا۔

☆ مولانا الطاف صاحب ہی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت کی ملاقات کے لئے گیا۔ وہاں کے ایک جاننے والے نمازی نے میرا ہاتھ پکڑا، اپنے گھر لے گئے اور کھانا کھلا دیا، حضرت کو اس کا علم نہ تھا جب کھانے کا وقت آیا تو میں نے عذر کر دیا کہ مجھے بھوک نہیں ہے، فرمایا کہاں سے کھایا؟ عرض کیا فلاں صاحب کے گھر سے، حضرت نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: میں نے ماحول بنا کر تاثر دیا ہے کہ مولوی بے غرض ہوتا ہے، آپ نے کھانا کھا کر میری آدھی محنت پہ پانی پھیر دیا ہے۔

☆ اس سے بڑی بے غرضی کیا ہو سکتی ہے کہ حضرت نے نہ تو کبھی مدرسہ والوں سے تنخواہ کے اضافہ کا مطالبہ کیا اور نہ ہی مسجد کی انتظامیہ سے۔ مدرسہ کے بارے میں مجھے معلوم نہیں کہ ان کی تنخواہ کتنی تھی؟ مسجد کی تنخواہ کے متعلق مسموع ہے کہ ۱۵۰۰/۲۰۰۰ تھی اگر یہ بات درست ہے تو عوام الناس کی خدمت میں ایک گذارش کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اہل علم حضرات کی شان یہی ہے کہ وہ استغناء دکھائیں، مخلوق سے بے نیاز ہو کر خالق سے مانگیں، مگر عوام الناس کی بھلائی اور بہتری اس میں ہے کہ وہ علماء کرام کی خدمت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں خصوصاً جب وہ کسی خدمت نماز وغیرہ کے لئے مامور کیے گئے ہوں۔

یہاں مجھے پھر تبلیغی جماعت کا سنہری اصول یاد آ رہا ہے کہ وہ جماعت میں جانے والوں کو تاکید کرتے ہیں کہ دل کا سوال تک نہیں کرنا مگر وقت لگا کر گھر آنے والے مقامیوں کو ترغیب دیتے ہیں کہ جماعتوں کو ان کے مزاج کے مطابق کھانا کھلانے کی سعادت حاصل کرتے رہنا، اس سے مال میں برکت ہوگی اور مہمان نوازی کا حق بھی اسی کا تقاضا کرتا ہے۔

قناعت شعاری:

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ میں یہ خوبی بھی پائی جاتی تھی کہ وہ قناعت شعار تھے بلکہ دورِ حاضر میں قناعت شعاری کی ایک نمایاں مثال تھے۔

☆ آپ گھر سے مدرسہ کھانا لے آتے جو دو پہر تک ٹھنڈا ہو جاتا، آپ اسی باسی کھانا پہ اکتفاء کرتے، تازہ منگوانے کی بجائے اسے ہی تناول فرماتے۔

☆ سائیکل پر سواری کر لیا کرتے تھے یہ قناعت شعاری ہی تو تھی کہ شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہیں مگر سواری سائیکل ہے۔

☆ آپ نے الیکشن جیتا، لوگ سیاسی راہنما ہونے کی وجہ سے تھانے اور عدالت کے کام ان سے کراتے، آپ تھانے یا عدالت جاتے تو بھی سائیکل پر تشریف لے جاتے، خود چلا کر یا کسی کے پیچھے بیٹھ کر۔ سیاسی راہنما ہو کر سائیکل کی سواری قناعت شعاری نہیں تو اور کیا ہے؟

☆ ان کی مسجد و مدرسہ کی تنخواہ پہ غور کیا جائے تو وہ اتنی ہی ہو سکتی ہے جس سے قناعت شعار انسان ہی زندگی بسر کر سکتا ہے، اس پر مستزاد یہ کہ وہ تنخواہ میں اضافہ کے مطالبہ کے حامی نہ تھے۔

توکل کی حقیقت:

عوام الناس ''توکل'' کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ اسباب کو ترک کر دیا جائے، اس غلط فہمی کی وجہ سے وہ علماء پر اعتراض بھی کر دیتے ہیں کہ: لوگوں کو تو ''توکل'' پر درس دیتے ہو اور خود مدرسہ کے لئے چندہ مانگا کرتے ہو، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ ''توکل'' کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بعض لوگ تعطل کو توکل قرار دیتے ہیں اور مسند احمد کی ایک روایت پیش کرتے ہیں (ترجمہ) تم اللہ تبارک وتعالیٰ پر توکل کرو حق توکل کرنا، اللہ تعالیٰ تم کو رزق دے گا۔ جیسا کہ پرندوں کو دیتا ہے کہ پرندے صبح کو خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر آتے ہیں۔

انہوں نے تعطل کو توکل قرار دیا، انہوں نے غلط سمجھا کیونکہ آنحضرت ﷺ کے الفاظ اس کی تردید کرتے ہیں کیونکہ تغدو صبح کو جاتے ہیں تروح یعنی شام کو آتے ہیں الفاظ بتاتے ہیں کہ ساکن پرندوں کی طرح نہیں بلکہ صبح و شام سفر کرنے والے پرندوں کی طرح ہیں اور صبح کو جو پرندے تلاشِ رزق کے لئے جاتے ہیں یہ ان کے لئے اسباب ہیں حدیث پاک کی مراد یہ ہے کہ اسباب کو مؤثر نہ بناؤ بلکہ اسباب میں بھی مؤثر حقیقی خدا کو سمجھو'' (دوماہی مجلّہ نورِ بصیرت بہاولپور شمارہ ۲۵ صفحہ ۳)

ذی استعداد:

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ ذی استعداد انسان تھے اپنے زمانہ طالب علمی میں فنِ منطق کی

کتاب ''سلم'' جو کافی دقیق ہے حل کر کے پڑھنے جایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی کتاب ''آبِ حیات'' انتہائی دقیق کتاب ہے حضرت نے یہ کتاب چند افراد کو سبقاً سبقاً پڑھائی ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی صاحب نے فرمایا مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا محمد حنیف صاحب بہت ہی ذی استعداد اور باصلاحیت آدمی ہیں اگر یہ باہر نکل کر کام کریں تو خوب کام کر سکیں گے۔

ختم تراویح کی مٹھائی:

حضرت رحمہ اللہ کی مسجد میں ختم تراویح کا موقع آیا تو فرمادیا مٹھائی تقسیم نہ ہوگی، یہ روکنا اس لئے تھا کہ لوگ مٹھائی مسجد کے چندہ سے خریدتے ہیں جبکہ طرزِ عمل درست نہیں، حضرت کے منع فرمانے پر ایک صاحب نے کہا، میں مٹھائی تقسیم کروں گا اور اپنے پیسوں سے خرید لاؤں گا، حضرت یہ سن کر خاموش ہو گئے۔

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی حفظہ اللہ نے ایک مسجد میں تراویح میں قرآن سنایا ختم والی رات حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو بھی بلایا وہ تشریف لائے، ختم تراویح سادگی سے ہوا مٹھائی بھی نہ بانٹی گئی اس منظر کو دیکھ کر خوش ہوئے فرمایا ختم تراویح ایسے ہی ہونا چاہئے۔

دعائے برکت:

مولانا محمد الطاف صاحب حفظہ اللہ کے لئے بہاولپور میں مدرسہ و مسجد میں تقرری ہونے لگی مجموعی تنخواہ ساڑھے چار ہزار تھی (گیارہ سال پہلے کی بات ہے) ادھر احمد پور شرقیہ میں پیشکش ہوگئی، مگر یہاں کی تنخواہ ۲۴۰۰ بنتی تھی، انہوں نے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے مشورہ کیا کہ میرے لئے بہاولپور آنا مناسب ہے یا بدستور احمد پور شرقیہ رہوں۔ حضرت نے فرمایا احمد پور شرقیہ آپ کا اپنا شہر ہے آپ کے لئے یہاں رہنا مناسب ہے، یہاں آپ کی تنخواہ اگرچہ کم ہے مگر اللہ برکت ڈالے گا۔ مولانا الطاف صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے مشورہ پر عمل کیا، اللہ نے ان کی دعائے برکت کی وجہ سے توقع سے زیادہ دیا، جس کی ظاہری صورت یہ ہوئی کہ پھر زیادہ تنخواہ والی مسجد مل گئی اور متعدد مقامات میں پڑھانے کا موقع بھی مل گیا۔

عقائد کی نگہبانی:

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا شمار ان پیروں میں ہوتا ہے جو اخلاقیات سکھانے کے ساتھ ساتھ عقائد کی نگہبانی بھی کرتے ہیں اس کی تفصیل تو بندہ کے دوسرے مضمون ''مسلک دیوبند کے پاسبان'' میں ملے گی البتہ یہاں بھی ایک واقعہ اس سلسلہ کا درج کردیتے ہیں۔

بھائی محمد الطاف قریشی صاحب، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی مجلس میں عقیق کے نگینہ والی انگوٹھی پہنے ہوئے تھے آپ نے انگوٹھی کو دیکھا تو فرمایا اسے اتار دو، اس کے بیچنے والے حضرات انگوٹھی کے نگینہ کی تعریفیں کیا کرتے ہیں کہ اس سے بلائیں دور ہوتی ہیں، مشکلیں آسان ہوتی ہیں، جام کاروبار پھر سے چلنے لگ جاتا ہے وغیرہ جس کی وجہ سے لوگ اس نگینہ کو مؤثر سمجھنے لگ جاتے ہیں اور اسے مؤثرِ حقیقی سمجھنے سے عقیدہ خراب ہوجاتا ہے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ اپنے ''درس قرآن'' میں فرماتے ہیں۔

''اسباب کو مؤثر سمجھنا اور مؤثر حقیقی (اللہ تعالیٰ) کو نظر انداز کردینا الحاد و زندقہ ہے''

(نور بصیرت شمارہ ۲۵ صفحہ ۴)

احتیاط کی تاکید:

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ ایک مرتبہ احمد پور شرقیہ میں ایک مدرس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے انہیں معلوم ہوا کہ اس مدرس کا مدرسہ سے کھانا آتا ہے، فرمایا مدرسہ سے کھانا نہ لیا کریں، انہوں نے عرض کیا مدرسہ والے تنخواہ چونکہ کم دیتے ہیں اس لئے ان کی طرف سے دی گئی کھانے والی سہولت سے فائدہ اٹھالیتا ہوں، فرمایا مدرسہ سے کھانا لینا جائز تو ہے مگر استاذ کو طلباء کی بہ نسبت امتیازی کھانا دیا جاتا ہے۔ (روٹیوں میں سے اچھی روٹی کا انتخاب ہوتا ہے اگر گوشت کا سالن ہو تو بوٹیاں اتنی دی جاتی ہیں کہ اتنی فی طالب کو نہیں مل پاتیں۔)

حضرت شیخ الحدیث صاحب کے متعلق تواتر سے ثابت ہے کہ وہ دارالعلوم مدنیہ سے تنخواہ لیتے تھے مگر وہاں سے کھانا تناول نہیں فرماتے تھے میں سوچتا رہتا تھا کہ مدرسہ کی ایک چیز (تنخواہ) کو قبول کرنے اور دوسری چیز (کھانے) سے گریز کرنے میں کیا حکمت ہوسکتی ہے؟ اس کی حتمی وجہ تو معلوم نہیں ہوسکی مگر اوپر والے واقعہ سے کسی حد تک نشاندہی ہوتی ہے کہ کھانے کو قبول نہ کرنے کی وجہ شاید یہی ہے کہ استاذ کو طلباء کی بہ نسبت امتیازی کھانا دیا جاتا ہے۔

ملفوظات:

۱...... حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نے فرمایا بچپن کا حفظ پتھر میں لکیر کی طرح ہوتا ہے جس طرح وہ لکیر نہیں مٹتی، اسی طرح بچپن کے زمانہ میں کیا ہوا حفظ بھی پختہ ہوتا ہے اگر بھول بھی جائے تو دوبارہ یاد کرنے پر جلدی یاد ہوجاتا ہے۔

اس کے بالمقابل بڑی عمر میں حفظ اول تو جلدی نہیں ہوتا اگر حفظ ہو بھی جائے تو اتنی پختگی نہیں ہوتی جتنا کہ بچپنے کے حفظ میں ہوتی ہے۔

۲...... ایک دفعہ اپنے بیٹے انیس کے متعلق فرمایا کہ میں نے اسے عالم بنانے کے لئے مدرسہ میں داخل کیا مگر یہ کتابوں میں نہیں چل سکے، اس لئے مدرسہ چھڑا کر اسکول کی تعلیم پہ لگا دیا اور خود ہی اس کو میٹرک کی تیاری کرائی، اس کے بعد مزید تعلیم دی پھر ٹیچر لگنے کا کورس کرایا، اب وہ ماشاء اللہ ٹیچر ہیں پھر فرمایا یہ لازمی نہیں کہ مولوی کا بیٹا ضرور مولوی ہی ہو یا دو کاندار کا بیٹا دو کاندار ہی بنے۔

۳...... فرمایا اتباعِ شریعت محبتِ الٰہی کے لئے مظہر ہے اور جو شریعت پر چلے گا اسے محبت (الٰہی) ہے ورنہ محبت نہیں۔

۴...... فرمایا اگر کوئی قربانی کے دنوں میں ایک بکری ذبح نہ کرے جس کی قیمت (مثلاً) چالیس روپے ہو اور چالیس ہزار صدقہ کردے تو بھی وہ قربانی والی فضیلت حاصل نہیں کرسکتا۔

۵...... فرمایا تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانے سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے۔

۶...... لفظ ''اللہ اللہ اللہ'' کا ذکر بعض لوگ جائز نہیں سمجھتے، مگر حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ اسے جائز بتاتے تھے اور حدیث سے بھی اس کا جواز ثابت ہے حدیث میں آیا ہے:

اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک دنیا میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا رہے گا۔

(لغات الحدیث جلد اصفحہ ۵۵ مادہ: ال)

آپؒ کی عادت تھی کہ ضعف و بڑھاپے کے باوجود تراویح کے بعد نوافل میں قرآن پاک سنتے تھے، اسی طرح شوگر کے باوجود روزہ نہیں چھوڑا۔ تقویٰ، توکل، قناعت پسندی اور خودداری آپ کے نمایاں اوصاف تھے۔

ایک مرتبہ آپ کو کسی نایاب کتاب کی ضرورت تھی، حافظ عبداللطیف مجذوب وہ کتاب لائے، آپؒ نے مطالعہ فرمایا تو وہ واپس لے گئے۔ معلوم نہیں کہاں سے لائے تھے اور کہاں لے گئے۔ (محمد وسیم رفیق)

مولانا قاری منظور مدنی مدظلہ
مدیر: جامعہ عبداللہ بن عباسؓ، بہاول پور......فاضل: دارالعلوم مدنیہ

حضرت استاذیم رحمہ اللہ

حضرت علماء حقہ کی ہر جماعت کے ساتھ تعاون فرماتے تھے۔ تدریس میں بہت سہل طریقہ سے عبارت میں ہی تمام مسائل کو بیان فرماتے تھے۔ تحقیق میں اپنے بزرگوں پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ دنیا سے بہت ہی زیادہ بے رغبتی تھی۔

جس طرح قرآن کو بغیر وضو ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا، اسی طرح حضرت بہت اہتمام فرماتے کہ بغیر وضو حدیث بھی نہیں پڑھاتے تھے، حتیٰ کہ بیماری وغیرہ کی مجبوری ہوتی تو تیمّم فرما لیتے تھے۔

جو بات بھی حق سمجھتے تھے، اُس کا برملا اظہار فرما دیتے تھے، حضرت کے متعلقین میں سے ہر آدمی یہی سمجھتا تھا کہ حضرت مجھ سے سب سے زیادہ محبت فرماتے ہیں۔ اس لیے فقیر بھی یہی کہتا ہے کہ حضرت کی شفقت مجھ پر مشفق باپ سے بھی زیادہ تھی۔ جس سے یقیناً ہم محروم ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت کو کروٹ کروٹ راحتیں نصیب فرمائے اور اُن کے متعلقین کو اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔ ☆☆

☆...... شوگر کی وجہ سے سیب کھاتے تھے، روز اپنی جیب سے خرید کر سیب ساتھ لاتے تھے، خدام کاٹ کر پیش کرتے اور آپ تناول فرما لیتے۔ فرماتے تھے کہ: "30 سال سے روز ایک سیب کھا رہا ہوں۔" کبھی تو بلا جھجک جیب میں ڈال لاتے تھے۔ غرض عاجزی اور سادگی کا پیکر تھے۔

☆...... فرمایا: "ایک مرتبہ ہم لاہور جا رہے تھے، راستے میں ایک مقام پر نماز کے لیے رُکے تو ہم حیران رہ گئے کہ مسجد کے اندر ہر طرف بزرگوں کی طرف منسوب تصویریں لگی ہوئی ہیں، کوئی علی ہجویری کی، کوئی شہباز قلندر کی، کوئی کسی، کوئی کسی۔ میں نے پڑھا اور سنا تو تھا کہ قربِ قیامت میں مسجدوں میں ایسا ہوگا، لیکن اپنی آنکھوں سے پہلی مرتبہ دیکھا تو حیران رہ گیا۔ ہم کونے میں بھی نماز پڑھنا چاہتے تو ان تصویروں سے بچنا مشکل تھا۔ بالآخر ہم نے بڑی مشکل سے جگہ تلاش کر کے نماز پڑھی۔"

مولانا محمد الیاس مدظلہ☆

آہ! میرے شیخ

میں نے اُن کا نام اُس وقت سنا جب 1988ء میں میٹرک کا امتحان پاس کر کے جامعہ دارالعلوم مدنیہ ماڈل ٹاؤن بی بہاولپور میں درجہ اولیٰ میں داخلہ لیا اور باقاعدہ حصول تعلیم کیلئے استاذِ مکرم حضرت اقدس مولانا محمد صادق صاحب دامت برکاتہم العالیہ جماپوری کے پاس اکثر و بیشتر حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف صاحبؒ کا تذکرہ فرماتے رہتے۔ اُس وقت کیا باتیں ہوتیں؟ وہ تو یاد نہیں، بہرحال تذکرہ ہوتا رہتا تھا، پھر ہر روز مولانا محمد صادق صاحب ذکراللہ کرتے اور دوسری طرف استاذِ مکرم مولانا محمد رشید صاحب دامت برکاتہم العالیہ بھی ذکر کرتے "لاالٰہ الا اللہ" اور "اللہ اللہ" کا تو دل میں ہوک اُٹھتی کہ ہم بھی کبھی اللہ اللہ کریں گے۔

اور گاہے بہ گاہے حضرت مولانا ولی محمد رحمہ اللہ ھڑپہ والوں کا تذکرہ چلتا۔ وقت گزرتا رہا۔ دل میں حضرات کی محبت بڑھتی رہی۔ حضرت اُس وقت چونکہ اسلامی مشن میں ہوا کرتے تھے۔ اِس لیے ہم چند طالب علم اکٹھے ہو کر حضرت کی زیارت کیلئے جاتے۔ حضرت بھی خندہ پیشانی سے ملتے اور ہم آ جاتے۔ پہلی تفصیلی ملاقات اس وقت ہوئی جب حضرت مولانا حق نواز جھنگوی رحمہ اللہ شہید ہوئے۔ صبح نماز کے بعد استاذیم مولانا محمد صادق صاحب دامت برکاتہم نے بھیجا کہ حضرت درس سے فارغ ہوں گے تو ان کو اطلاع دے دیں، جب میں گیا تو حضرت قرآن کریم کا درس دے رہے تھے، سامعین محظوظ ہو رہے تھے، جونہی حضرت فارغ ہوئے میں نے قریب ہو کر مصافحہ کیا اور اطلاع دی تو فرمانے لگے: میں نے مولانا جھنگوی رحمہ اللہ کو مشورہ دیا تھا کہ سیکورٹی کے بغیر باہر نہ نکلا کریں اور اپنا خیال رکھیں، دشمن بڑا چال باز ہے۔ پتہ نہیں ہمارے حضرات اپنا خیال کیوں نہیں کرتے؟ حضرت نے یہ الفاظ بڑے رِقت بھرے انداز میں کہے، جس سے میرے سمیت تمام سامعین پر بھی رقت طاری ہو گئی۔ اس کے بعد کبھی کبھی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔

☆ خلیفہ مجاز: حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ

جب میں درجہ ثالثہ میں تھا تو ہڑپہ جانا ہوا، ایک ہفتہ وہاں قیام رہا، اُس قیام کے دوران میرے ساتھ چند اور ساتھی بھی تھے، اور استاد مولانا محمد رشید صاحب مدظلہم بھی تھے، ابھی ہم وہاں ہی تھے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں پہنچ گئے۔ رات ایک بجے زور زور سے ذکر کی آواز آئی، میں مسجد میں لیٹا ہوا تھا۔ آنکھ کھلی تو دیکھا حضرت شیخ الحدیث صاحب ذکر کررہے ہیں۔ میں ایک وقت تک سویا رہا، آخر نیند کہاں! پہلی بار اتنا زور سے ذکر کرتے ہوئے حضرت کو دیکھا تھا تقریباً صبح تک ذکر میں لگے رہے۔ میں نے اس وقت چند باتیں دیکھیں:

۱......حضرت کا شیخ کے سامنے باادب رہنا اور دھیمے لہجہ میں بات کرنا۔

۲......حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ کی خصوصی توجہات۔

۳......حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ کی سرگوشیاں۔

۴......حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ کا مسائل میں حضرت کی طرف رجوع۔

۵......حضرت مولانا ولی محمد صاحب کا اکثر حضرت کو اپنے ساتھ بٹھائے رکھنا۔

اور بھی بہت کچھ، ان تمام چیزوں کو دیکھ کر مجھے مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا شوق پیدا ہوا، جس کا اظہار میں نے اپنے استاد مولانا محمد رشید صاحب دامت برکاتہم سے کیا۔ انہوں نے جواب دیا ابھی جلدی نہ کریں استخارہ کریں، جس کی وجہ سے مولانا ولی محمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت رہ گئی۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ وفات پا گئے۔ ہم طالب علم ہی رہے کہ ایک وقت گزر گیا، ہم نے سنا حضرت اقدس مولانا عبدالمنان صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت کے ہاں آئے ہوئے ہیں اور حضرت کے پاس قیام پذیر ہیں، میں حاضر خدمت ہوا اور حضرت ہی سے درخواست کی کہ میں بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ: تیاری کرلو اور آجاؤ! میں نے وضو کیا نفل ادا کیے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضرت نے اپنے شیخ مولانا عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ سے ہماری درخواست پیش کردی تو حضرت نے ہمیں بیعت کرلیا۔ پھر میں نے استاذ یم مولانا محمد رشید صاحب سے عرض کیا کہ حضرت نے بیعت تو کرلی لیکن ذکر وغیرہ کی تلقین نہیں کی۔ اور حضرت سے ایک عرصہ بعد اس کا تذکرہ کیا تو بات یہ کھلی کہ طالب علم ہونے کی وجہ سے حضرت نے کسی قسم کا کوئی ذکر نہیں بتایا۔ کہ صرف علم کی طرف توجہ دی جائے بعد میں ذکر تلقین کیا جائے گا۔

حضرت سے محبت بڑھتی گئی۔ رابطہ مولانا عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ سے بھی رہا، خط

وکتابت بھی ہوتی رہی۔ ابھی ہم پڑھتے ہی تھے کہ حضرت کے گھر حضرت اقدس مولانا عبدالمنان رحمہ اللہ کا قیام تھا، میں حاضر خدمت ہوا، حضرت کی موجودگی میں ذکر کی درخواست کی تو حضرت نے فرمایا کہ عبدالمتین سے ذکر سیکھ لو۔ (یاد رہے بھائی عبدالمتین صاحب سے پہلے سے ہی واقفیت تھی ان کی لاری اڈا پر مٹھائی کی دکان تھی اور اس وقت اُن کے والد زندہ تھے، وہ اس دوکان پر رہتے تھے اور بھائی عبدالمتین رحمان کالونی میں قیام پذیر تھے۔) میں نے اُن سے ذکر سیکھ لیا۔

جب حضرت اقدس مولانا عبدالمنان صاحب آخری دفعہ بہاولپور تشریف لائے، حضرت کے ہاں ہی قیام پذیر تھے۔ میں ملنے کیلئے گیا، صبح کا وقت تھا، مسجد سے باہر کھڑے تھے، مصافحہ ہوا تو بھائی عبدالمتین صاحب نے بتایا کہ یہ بھی آپ کے مرید ہیں۔ تو حضرت مولانا عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ: "اب ان کے مرید ہو جاؤ" اشارہ حضرت اقدس مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ کی طرف تھا۔ پھر بھائی عبدالمتین نے کہا کہ: حضرت! یہ تو پہلے سے آپ کے مرید ہیں۔ تو حضرت نے فرمایا: ہاں بھائی! میں کہہ رہا ہوں کہ: اب ان کے مرید ہو جائیں، غالباً عبدالمتین صاحب سمجھ نہیں رہے تھے، پھر وہی اعتراض کرڈالا، پھر حضرت مولانا عبدالمنان صاحب نے زور دے کر فرمایا: عبدالمتین! میں نے کہہ دیا، بس یہ اب ان (مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ) کے مرید ہیں۔ اب اِن کے پیر صاحب یہ ہیں۔ اِس پر بھائی عبدالمتین خاموش ہوگئے۔ اُس وقت حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی جو محبت دل میں پیدا ہوئی، الحمد للہ آج تک موجود ہے۔

تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت مولانا عبدالمنان صاحب بیمار ہوگئے۔ میں اور میرے بہنوئی مفتی محمد صابر (جو حضرت شیخ الحدیثؒ کے خلیفہ مجاز اور استاذ یم مولانا محمد صادق جماپوری کے بھائی ہیں۔) اکٹھے حضرت مولانا عبدالمنان صاحب کی تیمارداری کیلئے چیچہ وطنی پہنچے، رات تکلیف کی شدت کی وجہ سے ملاقات نہ ہوسکی، صبح کچھ افاقہ ہوا، ناشتہ کے بعد حضرت کی زیارت ہوئی تو فرمایا کہ: "میرے پاس کہاں آئے ہو؟ بہاولپور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب موجود ہیں، اُن سے مستقل رابطہ قائم کرلو! وہیں سے فائدہ ہوگا۔ بس میری صحت کیلئے دعا کرو۔ اور خاتمہ بالخیر کیلئے دعا کرتے رہو۔" بہت کم وقت گزرا کہ حضرت مولانا عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ وفات پا گئے۔ جو ہمارے دلوں میں ایک صدمہ سا چھوڑ گئے۔ پھر اس کے بعد ہم حضرت اقدس کے ہی ہو کر رہ گئے۔

کافی عرصہ پہلے کی بات جب عمران خان کرکٹ چھوڑ کر نیا نیا سیاست میں آیا تھا، اس وقت

عمران خان کے اشتہارات دیواروں پہ لگے ہوئے تھے، ایک دن گلی میں حضرت کے ہمراہ کھڑا تھا، حضرت نے نے میرا ہاتھ پکڑا اور سیدھے اشتہار کے پاس جا کھڑے ہوئے اور اپنے ہاتھ کی انگلی عمران خان کے نام پر رکھ کر فرمایا: ''یہ پاکستان میں ایک اور یہودی پیدا ہو گیا ہے۔''

ہمارے علاقہ کا ایک مشہور شیعہ 'شاہ نواز ڈبہ'' تھا، جو بڑا خبیث قسم کا شیعہ تھا، اس کے کرتوتوں کی وجہ سے اسے قتل کر دیا گیا، ہم اس وقت حضرت کے پاس حدیث کا سبق پڑھ رہے تھے، جب حضرت کو اس کے قتل کی اطلاع ملی تو حضرت نے فوراً کتاب بند کی اور دُعا کے ہاتھ اٹھا دیئے، ہم سخت حیران ہوئے کہ ایک رافضی مردار ہوا ہے، حضرت دُعا کیوں مانگ رہے ہیں؟ حضرت نے دُعا کی اور فرمایا: ''اس کی زندگی بھی فتنہ تھی، اور اس کی موت اس سے بڑا فتنہ ہے۔ اللہ اس فتنے سے حفاظت فرمائے۔'' واقعی یہ حقیقت تھی، اسی کے قتل کیس میں حضرت فاروقی شہید رحمہ اللہ گرفتار ہو کر بم دھماکے کا شکار ہوئے۔ اسی کیس میں مولانا اعظم طارق شہید رحمہ اللہ گرفتار ہو کر زخمی ہوئے۔

ایک مرتبہ مجھے ساتھ لے کر نکلے اور مرغی کے والے پاس جا کر کھڑے ہو گئے، اور ایک مرغی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُسے کہا کہ: یہ والی مرغی تو لو! اس نے تولی اور ذبح کرنے لگا تو زور سے فرمایا: ذبح نہیں کرو، اِدھر لاؤ! مجھے دو، میں خود ذبح کرتا ہوں۔ تم لوگوں کے دین ایمان کا پتہ نہیں چلتا۔ ابھی چند دن قبل پتہ چلا ہے کہ یہاں ہی ایک مرغی والا ''پرویزی'' ہے، اس بے ایمان نے کتنے مسلمانوں کو حرام کھلایا ہے۔ اس لیے میں خود ذبح کروں گا۔ پھر سنت کے مطابق مرغی کو ذبح فرمایا، جب ٹھنڈی ہو گئی تو پھر اُسے کہا: لو! اب اس کا گوشت بناؤ۔

ایک مرتبہ الیکشن میں ایک شیعہ کھڑا ہو گیا، مقابلہ میں بھی پیپلز پارٹی کا نمائندہ تھا غالباً وہ بھی شیعہ تھا، ایک سنی مسلمان نے اس شیعہ کو سپورٹ کی، اور اس کے ساتھ تعاون کیا۔

حضرت اور میں چہل قدمی کے لیے نکلا کرتے تھے، ایک روز ہم چہل قدمی کر رہے تھے، کہ وہی شخص سامنے آ گیا، اور حضرت کو ملنے لگا، حضرت بھی اُسے جانتے تھے، بجائے اُس کے سلام کا جواب دینے کے حضرت نے اُسے فرمایا: ''اوئے کا کا! تینوں کی ہو گیا سی؟ تو کیوں اوہدے نال تعاون کیتا سی؟ چل کلمہ پڑھ! لا الہ...... الا اللہ، پڑھ پڑھ کا کا پڑھ! لا الہ الا اللہ...... محمد رسول اللہ۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر زور زور سے جھٹکا دیتے اور فرماتے: پڑھ پڑھ! اسے مکمل کلمہ پڑھایا اور فرمایا کہ: تجدید نکاح بھی کر لینا۔

میں جب بھی حضرت کے پاس جاتا خصوصی وقت عنایت فرماتے۔ مجھے کبھی بھی کھانا یا کوئی اور چیز کھلائے بغیر گھر سے روانہ نہیں کرتے تھے۔ کئی دفعہ معذرت کرتا کہ حضرت آپ کے گھر والے بیمار ہیں میری وجہ سے تکلیف ہو گی، فرمایا کرتے کہ: اتنے دور سے آپ مجھے ملنے کے لیے آتے ہیں، کیا میرا اتنا بھی حق نہیں ہے؟ ساتھ ہی کئی دفعہ فرمایا کہ: میرے گھر والے بھی آپ کے آنے پر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ میں خاموش ہو کر کھا لیتا۔

کئی دفعہ خدمت کیلئے ہاتھ بڑھاتا کہ کچھ دیر پاؤں وغیرہ دبالوں تو منع فرماتے، میں اصرار کرتا تو فرماتے: عادت نہیں ہے۔ زیادہ اصرار پر فرماتے: چلو ہاتھ لگا لو۔ اور کبھی خاموش ہو جاتے، میں پاؤں دبانے لگتا تھوڑے ہی وقفہ کے بعد فرماتے: بس کرو! کئی دفعہ ہفتہ ہفتہ آپ کے پاس رہا کرتا تھا، پہلی دفعہ جب میں آپ کے پاس گیا ارادہ دس دنوں کا تھا کہ میں آپ کے پاس رہوں گا۔ چونکہ حضرت کے گھر میں استانی صاحبہ بھی تکلیف میں ہوتی تھیں، دل میں ارادہ تھا کہ کھانا باہر کہیں سے کھا لیا کرونگا، جب میں نے رہنے کا ارادہ ظاہر کیا تو فوراً فرمادیا کہ: کھانے کا کہیں اور نہیں سوچنا، کھانا آپ کو یہیں ملے گا۔ اللہ کے ہاں کوئی کمی نہیں ہے۔ پھر فرمایا ہتھیار لائے ہو؟ جہاد کا زمانہ تھا، سمجھ نہ سکا، میرے استفسار پر فرمایا کہ: تسبیح لائے ہو؟ ذکر کا ہتھیار تو تسبیح ہے!۔ میں نے جی کے جواب کے ساتھ دکھائی تو خوش ہو گئے۔

ایک دفعہ مجھ سے ذکر کا طریقہ پوچھا تو میں نے بتا دیا، بڑی محبت سے کچھ اصلاح فرمائی اور پوچھا کہ ''الا اللہ'' کتنی بار پڑھتے ہو؟ تو میں نے عرض کیا کہ: حضرت میں تو نہیں پڑھتا، کیوں کہ بھائی عبدالمتین صاحب نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا، بلکہ لا الہ الا اللہ اور اللہ اللہ بتایا تھا، پھر ساتھ ہی کہا کیونکہ حضرت مولانا عبدالمنان صاحب نے مجھے ان کے پاس بھیجا تھا اور انہوں نے ایسا بتایا تھا۔ تو حضرت خاموش ہو گئے پھر میں نے سوال کیا کیا میں ''الا اللہ'' کی تسبیحات پڑھا کروں؟ فرمایا نہیں! اگر حضرت کا ''الا اللہ'' کی تسبیح بتلانا مقصود ہوتا تو حضرت ذکر سیکھنے کیلئے میرے پاس بھیجتے، جب انہوں نے عبدالمتین کے پاس بھیجا، جبکہ ان کو پتہ ہے کہ عبدالمتین اسطرح کرتا ہے، تو پھر آپ وہی ذکر کریں جو عبدالمتین نے بتایا ہے۔

اس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت نے مجھے مولانا عبدالجلیل صاحب رحمہ اللہ کے پاس بھیجا جو سرگودھا کے قریب ڈھڈیاں شریف رہتے تھے۔ اور حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری

رحمہ اللہ کی خانقاہ میں ہوتے تھے، وہیں حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب کا مزار ہے۔ اب اکثر جب میں حضرت کے پاس آتا تو فرماتے کہ: ڈھڈیاں جاؤ! اور میرا سلام دو وہاں ضرور جایا کرو!۔ جب بھی میں جاتا، حضرت وہاں کیلئے کئی باتیں سکھلاتے، مثلاً ایک دفعہ مجھے کہا کہ حضرت کے پاس جا کر کہیں کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بیعت دو قسم پر ہے: ا...... بیعت توبہ ۲...... بیعت سلوک، جو بیعت ہم نے مولانا عبدالمنان صاحب کے دست مبارک پر کی ہے۔ وہ تو "بیعت توبہ" ہے جو ہمیں سمجھ آتی ہے۔ آپ مجھے "بیعت سلوک" کرلیں! میں جب ڈھڈیاں حاضر ہوا تو میں نے یہ ساری بات مولانا عبدالجلیل رحمہ اللہ سے عرض کی، تو تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد فرمایا کہ: "وہی بیعت کافی ہے"

تقریباً پانچ سال تک اِدھر حضرت سے رابطہ اور اُدھر حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب رحمہ اللہ سے رابطہ چلتا رہا جو تبدیلی ذکر وغیرہ حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب کرتے میں حضرت سے ذکر کرتا، حضرت اس کی توثیق فرماتے۔

ایک دفعہ میں نے کہا کہ: حضرت! حضرت مولانا عبدالمنان صاحب نے آپ کے حوالہ کیا تھا اور آپ مجھے مولانا عبدالجلیل صاحب رحمہ اللہ کے ہاں بھیج دیتے ہیں؟ فرمایا: وہ بڑے ہیں، مجھ سے بہتر تربیت کریں گے، میں نے کہا: میرا دل تو یہاں ہی لگتا ہے، وہاں جا کر تو میں فقط آپ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں، البتہ اپنے دل کے خلاف آپ کا حکم ماننے میں مجھے فائدہ ہو رہا ہے۔

جب حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب رحمہ اللہ نے اس دارِفانی کو چھوڑ کر دارِ بقاء کو سفر کرلیا تو پھر ہمیں بہت صدمہ ہوا، میں روتا تھا تو حضرت نے فرمایا کہ: کیوں روتا ہے؟ ہم جب موجود ہیں تو صدمہ کس چیز کا؟

پھر تو حضرت کے ہاں آنا جانا کثرت سے ہوگیا۔ جب بھی میں حاضرِ خدمت ہوتا حضرت پوری توجہ میری طرف کر لیتے، جب سے میرا تبادلہ بہاولپور میں ہوا تو اکثر و بیشتر آپ کی خدمت میں حاضری ہوتی رہتی تھی۔ کئی دفعہ مدرسہ میں حاضر ہو کر حضرت کی زیارت کرتا، اگر سبق سے پہلے جاتا تو مختصر ملاقات فرماتے، پورے انہماک سے حالات پوچھتے گھر والوں کے حالات پوچھتے اور ہمارے مسائل حل فرماتے۔ زیادہ سے زیادہ چار پانچ منٹ کی بات ہوتی پھر فرماتے "چنگا میں سبق پڑھاتا ہوں" اور طلباء سے فرماتے: پڑھیئے جی!

اور ہمیں رخصت فرما دیتے اور اگر ہم سبق کے بعد ملتے تو کافی لمبی بات فرماتے اور مختلف قسم کے حالات پوچھتے کبھی فرماتے کہ: بھائی! آپ کی فوج کیا کر رہی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

حضرت کی اجازت کے بعد میں نے حضرت قاری محمد یعقوب صاحب نقشبندی رحمہ اللہ کو بتایا تو انہوں نے اپنی طرف سے فرمایا کہ: میری طرف سے بھی اجازت ہے۔ میں نے کہا کہ: حضرت! میں نے تو آپ کے ہاتھ پر بیعت ہی نہیں کی، پھر آپ کیسے اجازت دے رہے ہیں؟ فرمایا کہ: اگر بیعت ضروری ہے تو کر لیتے ہیں، حضرت قاری صاحب نے بیعت کرلیا، ساتھ ہی اجازت بھی دے دی، مگر مَیں دِل دِل میں ذکر کر رہا تھا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کو معلوم ہوگا تو ناراض ہونگے، مگر جب میں نے بتایا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا: بہت اچھا ہوا۔ جب میں نے دوبارہ بیعت کا ذکر کیا تو فرمایا کہ: ہمارے بزرگوں کا یہ معمول رہا ہے۔ اور کئی حوالے دیئے اور فرمایا کہ: اس کو "بیعتِ اجازت" کہتے ہیں۔

مجھ سے اکثر و بیشتر ابو، امی اور بچوں کے حالات ضرور پوچھتے تھے، آخری بیماری میں تقریباً روزانہ مَیں جاتا تھا، کبھی گھنٹہ، کبھی دو یا تین گھنٹے بیٹھتا، جب تک حضرت رحمہ اللہ میں بولنے کی سکت تھی تب تک تو مختلف باتیں کرتے اور مختلف باتیں پوچھتے اور کبھی فرماتے کوئی نئی بات بتاؤ۔ ہوتی تو بتا دیتا ورنہ کہتا حضرت کیا بتاؤں؟

اور جب سے میرا تعلق ہوا اور میں حاضر ہوتا تو مجھے دیکھ کر ایسے مسکراتے جیسے اچانک پھول کھل گیا ہو۔ اور ہمیشہ دیکھتے ہی میں محسوس کرتا کہ شاید حضرت میرا انتظار کر رہے تھے۔ اتنے خوش ہوتے جس کی حلاوت میں آج بھی محسوس کر رہا ہوں۔

جب میں نے حضرت کی رحلت کی خبر سنی پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ ایسا شفیق شیخ کہاں ڈھونڈوں؟ جب بھی حضرت کی یاد آتی ہے، آنکھیں پتھرا جاتی ہیں، دِل خون کے آنسو روتا ہے، اعضاء کانپنے لگتے ہیں، ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ ساتھی پریشان ہوجاتے ہیں۔ سچی بات ہے کہ جب سے حضرت ہم سے جدا ہوئے، موٹر سائیکل چلاتے ہوئے جونہی حضرت کا خیال آتا ہے۔ ہاتھ کانپنے لگتے ہیں اور ڈر لگتا ہے کہ کہیں گر نہ جاؤں، بے دھڑک آنکھوں سے آنسو شروع ہوجاتے ہیں

تیرے شہکار ترستے ہیں، تیری صورت کو
تیرے ہاتھوں کے تراشیدہ صنم روتے ہیں

دیکھ کیا حال ہوا ہے تیرے دیوانوں کا؟
روتے ہیں اور بصد رنج و الم روتے ہیں

حضرت کے گھر کی طرف جانے کا ارادہ کرتا ہوں تو بے قابو ہو جاتا ہوں، ہمت نہیں پڑتی کہ میں اس گھر کو خالی کیسے دیکھوں گا۔ پھر نہیں جاتا۔ اکثر چلتے پھرتے اچانک آواز نکلتی ہے: آہ! میرے شیخ! میرے مربی! میرے استاد اچانک کہاں چلے گئے؟ ہمارے اوپر سے ابرِ رحمت چلا گیا۔

ایسا غم ہے جو کسی صورت بھی اب جاتا نہیں
اشک بار آنکھوں کو اب کچھ بھی نظر آتا نہیں

انا لِلّٰہِ وانّا الیہِ رَاجعُون کہہ کر دل کو ڈھارس بندھانے پر مجبور کرتا ہوں، ورنہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ یہ یادیں ہمیں کیسے بھول جائیں گی۔

کچھ خواب جو آنکھوں سے نکالے نہیں جاتے
آنسو جو نکلتے ہیں سنبھالے نہیں جاتے

لکھنے میں ہزاروں باتیں ہیں، بس جو ٹوٹے پھوٹے انداز سے جو الفاظ آئے قلم بند کر دیئے۔

جو دوسروں کے غم کو سمجھتا تھا اپنا غم   اے زندگی! وہ تیرا مہرباں گزر گیا

☆...... ایک مرتبہ مدرسہ کے بعض اساتذہ نے تنخواہ بڑھانے کی درخواست دی، مجلس شوریٰ نے کہا کہ استاد شیخ الحدیث صاحب بھی درخواست لکھ دیں تاکہ ان کی بھی تنخواہ بڑھائی جاسکے۔ لیکن استاد جی نے یہ فرماتے ہوئے صاف انکار کر دیا کہ: ''جسے بیٹھا ہوا نظر نہیں آتا، اسے کھڑا کیا نظر آئے گا۔؟ میں کیوں درخواست دوں؟ میں نے کوئی مطالبہ کیا ہے کہ میری تنخواہ بڑھاؤ؟''

☆...... فرمایا: ''میرے پاس (غالباً [ناقل]) بخاری، ترمذی اور مسلم کا سبق تھا، مدرسہ والوں نے ''ابوداؤد شریف'' کا سبق بھی دیدیا اور کہا کہ اچھی طرح پڑھانا ہے، میں نے کہا اچھی طرح پڑھاؤں گا، ان شاء اللہ۔ اور خوب اچھی طرح پڑھایا۔ الحمد للہ۔''

☆...... فرمایا: ''شیعہ دس محرم کو شہیدوں میں نام لکھوانے کے لیے ''فصد'' پر نشتر لگواتے ہیں۔ فصد اس رگ کو کہتے ہیں جس پر نشتر لگایا جائے تو خون دھار کی شکل میں تیزی سے نکلنے لگتا ہے۔''

قاری محمد ارشاد الحق☆

استاذ جی رحمہ اللہ کی کرامت

استاذِ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی نیک، متقی، پرہیزگار اور اللہ والے انسان تھے۔ واقعی آپ ولی کامل تھے، آپؒ کی ولایت، تقویٰ، للّٰہیت اور طلباء پر شفقت و محبت کا ایک عالم معترف ہے۔ بندہ بھی آپؒ کے تلامذہ میں سے ہے، آپ کی ایک کرامت جو کہ مجھ ناچیز سے متعلق ہے قارئین کی نذر کرتا ہوں۔

جب بندہ اولیٰ میں تھا، اُس وقت کی بات ہے کہ ایک روز استاذِ محترم ہمیں صرف کا سبق پڑھا رہے تھے، میری سُنانے کی باری آئی تو مجھے سبق نہ آیا، اس پر میرے ہم کلاس ساتھی ہنس پڑے، اُستاذیم رحمہ اللہ نے میری ہمت اور حوصلہ بڑھانے کے لیے اپنے مخصوص لہجے میں فرمایا: کاکا! توانوں کی پتہ؟ ایدھے کولوں اللہ نے دین دا بڑا کم لینا اے!'' (کاکا! تمہیں کیا پتہ! اس سے اللہ نے دین کا بڑا کام لینا ہے۔)

استاذیم کی یہ دُعائیہ پیشین گوئی مجھ ناچیز کے حق میں یوں پوری ہوئی کہ الحمد للہ 23 سال سے اپنے مادرِ علمی ''دارالعلوم مدنیہ'' میں قرآن پاک کی خدمت کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور تادم آخر اس سے وابستہ رکھے۔ آمین

حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرت استاذیم رحمہ اللہ کی دُعا ہی کا نتیجہ اور اُسی کی برکت ہے، ورنہ میں اس قابل کہاں؟ میں سمجھتا ہوں کہ کیونکہ وہ ولی اللہ تھے، اللہ کے پیارے تھے، اللہ کے محبوب تھے، اور اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی بات کی لاج ضرور رکھتا ہے۔ اُس نے استاذیم رحمہ اللہ کی زبان سے نکلی ہوئی بات کی لاج رکھی اور مجھے اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمالیا۔ الحمد للہ، ثم الحمد للہ

☆......☆......☆......☆

☆ مدرس: دارالعلوم مدنیہ

مولانا شیخ شفیق الرحمٰن مدظلہ☆

ایک جامع وہر دلعزیز شخصیت

بندہ عاجز کو 1995/96 میں استاذ محترم حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ سے شرف تلمذ نصیب ہوا۔ ہم نے دارالعلوم مدنیہ میں ''التوضیح والتلویح'' آپ سے پڑھی تھی۔ اس کے علاوہ زیادہ تعلق وربط یا کثرت سے ملاقات واسفار کی سعادت نہ حاصل ہو سکی، اس لیے ذاتی زندگی، معمولات، معاملات وغیرہ پر روشنی ڈالنے سے قاصر ہوں، بس آپؒ کی چند خوبیاں جو اس وقت یاد ہیں، قارئین کی نذر کر کے اس کارِ خیر میں اپنا حصہ ڈالنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی تقویٰ، للّٰہیت، متانت، سنجیدگی، وقار، خودداری، عاجزی، انکساری، اخلاص اور شفقت ومحبت کا مظہر تھی، طلباء سے بے حد مشفقانہ برتاؤ، معمولات میں استقامت، فرائض وسنن کے ساتھ ساتھ نوافل ومستحبات بالخصوص تہجد وذکر الٰہی کی پابندی آپ کے نمایاں اوصاف ہیں۔

طلباء سے تعلق اس قدر تھا کہ اُن کی ذاتی خوشی، غمی میں شرکت فرمایا کرتے تھے، جب میری والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تو آپ تعزیت کے لیے بذات خود ہمارے تشریف لائے۔ جو کہ آپ کی شفقت ومحبت کا واضح ثبوت ہے۔

تدریس میں آپ کی خاص اور قابل تقلید خوبی ہر طالب علم کی ظاہری وپوشیدہ خوبیوں کا مکمل ادراک کر کے اُن پر تبصرہ کرنا تھی، سہ ماہی وشش ماہی امتحان میں طلباء کے پرچوں کو پورے غور وخوض سے دیکھتے، ہر ہر پرچے پر تبصرہ فرماتے اور طلباء کو اُن کی پوشیدہ صلاحیتوں سے آگاہ فرمایا کرتے تھے۔

اس طریقہ سے ہر طالب علم، بالخصوص کمزور بلکہ کمزور ترین طلباء کو اُن کی سطح سے اوپر لانے کی کوشش فرماتے، اور اُن پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔

علمی طور پر طالب علم اختلاف کرتا تو برا محسوس نہ فرماتے بلکہ خوش ہوتے تھے، کبھی ضرورت

☆ مدرس: دارالعلوم مدنیہ...... پروفیسر: اسلامیہ یونیورسٹی، بہاول پور

پڑ جاتی تو طلباء کے سامنے ہی اردو شرح بھی منگوا کر دیکھنے میں عار محسوس نہیں فرماتے تھے۔

طلباء کو توجہ دلانے اور سمجھانے کی خاطر کبھی ایسا انداز اختیار فرماتے کہ یوں لگتا تھا کہ جیسے آپ خود اس مسئلہ میں اُلجھے ہوئے ہیں اور حل نہیں کر پا رہے، اس پر آپ کا یہ فرمان: ''کاکا! کیا بنے گا؟ یہ مسئلہ کیسے ہے؟'' اس خیال کو تقویت دیتا تھا، یہ محسوس کرتے ہوئے ہر طالب علم غور شروع کر دیتا اور خود اسے حل کرنے کی کوشش کرتا، یہی آپ کا مقصد ہوتا تھا، چنانچہ کچھ ہی دیر بعد آپ وہ مسئلہ بیان فرما کر سب کی تسلی فرما دیتے تھے۔ غرض ایک کامل استاد کی تمام صفات آپ میں اتم درجہ کی موجود تھیں۔

ایک مرتبہ ہم سہ روزہ میں آپ کے ساتھ ملتان گئے، باوجود بڑھاپے کے تہجد اور ذکر کی پابندی فرماتے تھے۔ موسم سرما تھا، آپ کا رضائی لپیٹ کر ذکر کرنا مجھے ابھی تک یاد ہے۔ تبلیغی جماعت کے کام کے بارے میں فرماتے تھے کہ: کام تو اچھا ہے، کرنا چاہیے، لیکن ہمیں وقت ہی نہیں ملتا۔

جب ہم نے دیکھا اس وقت آپ کی عمر تقریباً 55/60 سال تھی، اس وقت معمولات کے انتہائی پابند تھے، ناغہ بالکل نہیں فرماتے تھے، تو خود اندازہ لگا لیجیے کہ جوانی میں کیا عالم ہوگا؟

اللہ تعالیٰ آپؒ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔ آمین ☆☆

میں حضرت کے درس میں پابندی سے شرکت کرتا تھا، کوئی بھی پریشانی ہوتی تو آپ سے دُعا کرواتا تھا، ایک مرتبہ گھریلو حالات ایسے ہو گئے کہ ہر کام ہی الٹ ہونے لگا، سخت پریشانی ہوئی، میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور صورتحال عرض کی، آپؒ نے مجھے فرمایا: روزانہ عشاء کے بعد بارہ تسبیح (بارہ سو مرتبہ) حسبنا اللہ و نعم الوکیل پڑھا کریں، آپ کو اس تسبیح میں تقریباً آدھا گھنٹہ لگے گا۔ میں نے تسبیح شروع کر دی، واقعی کیلکولیٹڈ ٹائم آدھا گھنٹہ لگتا تھا۔ چند ہی دن میں میری اٹیچمنٹ لاہور کر دی گئی، میں حیران ہوا کہ یہ تو اور بھی پریشانی آ گئی، میں نے حضرت سے عرض کیا کہ: حضرت! میں پابندی سے تسبیح پڑھ رہا ہوں، اس کے باوجود لاہور اٹیچمنٹ کے آرڈر آ گئے ہیں؟ تو حضرت نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ہاں اسی میں بہتری ہوگی۔ لہٰذا میں چلا گیا، وہاں جا کر معلوم ہوا کہ واقعی حضرت کا فرمان ٹھیک تھا۔ یہاں آنا واقعی میرے لیے مفید تھا۔ بعد میں مَیں نے حضرت سے وہ تسبیح دوسروں کو بتانے کی اجازت لی تو اجازت مرحمت فرما دی۔

حضرت کی وفات سے قبل ایک صاحب کا موٹر سائیکل چوری ہو گیا تو میں نے اُن کو یہی تسبیح بتائی، انہوں نے تسبیح کی، ۱۵/۲۰ دن بعد شجاع آباد سے اُن کا موٹر سائیکل مل گیا۔ میں یہی سمجھتا ہوں کہ یہ اسی تسبیح کی برکت ہے۔ (محمد اختر بیگ، ون یونٹ کالونی، بہاول پور)

مفتی محمد صابر جمال پوری مدظلہ☆

میرے استاد میرے شیخ ومحسن

موت التقیٰ حیاۃ لاانقطاع لھا
کم مات قوم وھم فی الناس احیاء

ترجمہ: تقویٰ پر موت ایسی حیات جاوداں ہے کہ جسے کبھی فنا نہیں۔

بہت سے لوگوں پر اگرچہ ظاہری طور پر موت واقع ہو چکی ہے، مگر وہ لوگوں کے دلوں میں اَب بھی زندہ ہیں۔ جامعیت، متانت، سنجیدگی، وقار، کرم نفس، تواضع، حلم، مجسمہ ورع وتقویٰ، مخزن علم وعمل، پیرصدق وصفا، سراپا وقار وتمکنت، خفیف الجسم اور لطیف الروح...... کن کن الفاظ سے اپنے شیخ، اپنے استاد، اپنے مربی، اپنے مشفق، اپنے مہربان کو یاد کیا جائے؟ اللہ تعالیٰ نے ان میں بے شمار صفات وفضیلتیں جمع فرمادی تھیں۔

حضرت اقدس، قرۃ العین وشرافۃ العین، احقر کے استاد ومربی، مرشد العلماء مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ اس عالم فانی سے رحلت فرما کر عالم بقا میں اپنے رب کے حضور پہنچ گئے۔ بلاشبہ موت وحیات اس عالم کا خاصہ ہے، جو آیا ہے رہنے کیلئے نہیں آیا، بنی آدم کے آنے جانے کا سلسلہ حق تعالیٰ شانہ کا امر ہے، جس سے کسی کو چھٹکارا نہیں، اور رضا بالقضاء کے بغیر کوئی چارا نہیں، تاہم بعض شخصیتیں انسانیت کیلئے مینارۂ نور ہوتی ہیں، جن کے وجودِ مسعود سے علم ودانش، زہد وتقویٰ اور شریعت وطریقت کی بنیادیں مزید نکھر کر سامنے آجاتی ہیں، اور اُن سے علوم نبوت کا وقار قائم رہتا ہے، ایسی منتخب اور برگزیدہ ہستیوں میں سے میرے استاذ ومربی، حضرت اقدس مولانا محمد حنیف صاحب قدس سرہ بھی تھے، حضرت ایک ایسی ہستی تھی جن کے علم وفضل سے ایک عالم مستفیض ہوتا تھا اور جن کو حضرت قبلہ محترم مرشد العلماء حضرت اقدس ولی کامل مولانا ولی محمد رحمہ اللہ علیہ (آف ہڑپہ) اور حضرت سیدی ومرشدی قدوۃ الصالحین، مولانا عبدالمنان رحمۃ اللہ علیہ اور قبلہ حضور عارف باللہ، حضرت مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ (جن کو استاذ محترمؒ "حضرت گیارہ والے" کے نام سے یاد کرتے تھے) ان مذکورہ حضرات کی

☆ فاضل: دارالعلوم مدنیہ......خلیفہ مجاز: حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ

دعاؤں نے چار چاند لگا دیئے اور ایسا کندن اور مزاج شناسِ علوم نبوت بنا دیا تھا کہ جس کی کرنوں نے ایک عالم کو منور کر دیا، پھر خالق کائنات کے بلانے پر لبیک کہتے ہوئے چل دیئے، آپ نہ صرف اپنے دور کے متبحر اور ممتاز عالم دین تھے، بلکہ علم ودانش کا مجسمہ اور للّٰہیت کا بہترین نمونہ تھے، اُن کے وجود مسعود سے علم وعلماء کا وقار قائم تھا۔ آپؒ ہمہ قسم صفات حسنہ سے موصوف، گوناگوں خوبیوں کا مرقع، اہل حق کے دل کا سرور اور آنکھوں کا نور تھے۔

چنا ہے پھول عزرائیل نے ایسا گلستاں سے
کہ جس سے ہوگیا سارا چمن ہی دشت وویرانہ

سیدی واستاذی ومرشدی علم ومعرفت کے امام، وقت کے جنید وولی، حضرت اقدس مولانا محمد حنیفؒ سے تعلق کافی عرصہ رہا، زیادہ تعلق اس وقت بنا جب احقر حضرت والا کی مسجد ون یونٹ کالونی میں حضرت اقدس، ولی کامل، عارف باللہ، مولانا عبدالمنان رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً کے ہاتھ پر بیعت کر کے آیا تھا۔ وہ میرا خامسہ کا سال تھا، خامسہ والے سال ہی سے بزرگوں سے تعلق ہوگیا تھا۔ ان سے دعائیں لینے کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا تھا، اُس سے اگلے سال سادسہ میں حضرت موصوف کے پاس بھی سبق آگیا تھا، بندہ نے آپ کے پاس "توضیح تلویح" پڑھی، اسی دوران خدمت کا موقع بھی ملنا شروع ہوگیا اور حضرت کی توجہ زیادہ ہونے لگی، تقریباً تین سال مدرسہ میں حضرت کی خدمت میں رہا، عام طور پر دوپہر کے وقت گھر کا سامان خریدنے کیلئے غلہ منڈی میں بھیجتے تھے اور کبھی خود بھی ساتھ تشریف لے جاتے تھے۔ اس دوران حضرت والا کو نزدیک سے دیکھا، حضرت والا ہر شعبہ حیات میں دنیا اور دنیا کی آسائشوں سے دور رہتے تھے، زہد وقناعت میں آپ نمونہ اسلاف تھے، دنیا کی عظمت ومحبت کسی بھی انداز سے آپ کو متاثر نہ کر سکی، لباس، پوشاک، خورد ونوش اور رہن سہن میں ہمیشہ سادگی وقناعت کو اپنایا، تکلفات سے قطعاً مبرا تھے، ہر کام شریعت اور سنت نبوی کے مطابق کرتے اور اخلاص وللّٰہیت کے مجسمہ تھے، مدرسہ دارالعلوم مدنیہ میں جب مدرس مقرر ہوئے تو مشاہرہ (ماہوار تنخواہ) بہت قلیل تھا اسی قلیل تنخواہ پر اکتفاء تھا، کبھی قلتِ تنخواہ کا شکوہ نہیں کیا۔

ایک مرتبہ احقر راقم الحروف حضرت قبلہ ناظم صاحب (مولانا غلام مصطفیٰؒ) کے کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا، حضرت، اساتذہ کا مشاہرہ دے رہے تھے، اسی دوران حضرت والا سیدی ومرشدی بھی تشریف

لائے اور آپ کو مشاہرہ دیا گیا جن میں دوسو روپے زائد تھے، حضرت نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ آپ نے دو سو روپے زیادہ دیئے ہیں! حضرت ناظم صاحبؒ نے فرمایا کہ: آپ کا مشاہرہ بڑھا دیا گیا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے۔ حضرت والا نے کبھی بھی مشاہرہ بڑھانے کا کہا نہیں تھا۔ ہر حال میں زبان پر اللہ کا ذکر جاری رہتا تھا۔

اسباق میں حضرت کا انداز

حضرت والا اسباق پڑھانے کے ماہر تھے، زیادہ لمبی چوڑی تقریر نہیں فرماتے تھے، بلکہ مختصر انداز میں الفاظ سہل کر کے سمجھاتے تھے، جب کبھی امتحان لینا ہوتا تو ایک دو ساتھیوں کے سنانے پر اکتفا کرتے، اور فرماتے کہ: دیگ میں دیکھو، اگر ایک چاول پکا ہے تو ساری دیگ پکی ہے، اگر ایک چاول کچا ہے تو سمجھ لو ساری دیگ کچی ہے، اسی طرح ایک دو ساتھیوں سے سننے سے ہم پتہ چلا لیتے کہ کتاب پکی ہے یا کچی۔ دورہ والے سال تو عام طور پر بندہ سے سنتے، اُسی پر اکتفا کر لیتے تھے اور عبارت پڑھنے کا موقع بھی زیادہ بندہ کو ملتا تھا۔ **فللہ الحمد**

دورہ حدیث والے سال بندہ کے ساتھ اُنس و محبت اور بڑھ گئی تھی، اِسی سال ایک واقعہ پیش آیا، وہ یہ کہ حالات کی خرابی کی وجہ سے حکومت کی طرف سے گرفتاریاں شروع ہوئیں اور حکومت کے کارندے مدرسہ میں بھی گھس آئے تھے، یہاں سے ایک ساتھی کو بھی اٹھالیا، حضرت اقدس سیدی واستاذی کو بندہ کے بارے میں کافی علم تھا، جب ہمارا ''ترمذی شریف'' کا سبق ہو رہا تھا، حضرت نے میرے چہرے کی طرف دیکھا اور فرمایا آپ کیوں پریشان ہو رہے ہو؟ کیا کوئی خطرہ ہے؟ تو میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ نے حکماً فرمایا: ''کاکا! (یہ آپ کا پیارا تکیہ کلام تھا) آپ تین دن کیلئے چلے جاؤ! اگر حالات درست ہو جائیں تو آجانا، ورنہ دیکھ لینا'' حضرت اسطرح بھی خیال رکھتے تھے۔

اور اسی دورۂ حدیث والے سال احقر بیمار ہو گیا، تو حضرت والا نے فرمایا: ''کاکا! چھٹی کر لو! جب تندرست ہو جاؤ تو پھر سبق میں آجانا'' بندہ کے آٹھ سال کی پڑھائی کے دوران صرف یہی تین چھٹیاں ہوئیں تھیں۔ حضرت ہمارے مربی تھے، بہت خیال رکھتے تھے دُعا بھی کرتے تھے۔

حضرت کی مجاہدین سے محبت:

حضرت مجاہدین سے بہت محبت رکھتے تھے، گاہے گاہے اُن کے حالات بھی سنتے تھے، احقر

کا چونکہ مجاہدین کے ساتھ زیادہ تعلق رہتا تھا، اس لیے مجھ سے مجاہدین کے حالات سننے کیلئے بے تاب رہتے تھے، جب کبھی آپ سے ملاقات کیلئے گھر جاتا تو فرماتے: کاکا! مجاہدین کے حالات سناؤ۔ اور یہی حال ہمارے حضرت اقدس، ولی کامل، قدوۃ العارفین، مولانا عبدالجلیل رائپوری رحمہ اللہ کا بھی تھا، وہ بھی اکثر مجاہدین کے حالات سنتے تھے، ایک دفعہ سیدی واستاذی نے فرمایا: کاکا! قاری سیف اللہ اختر (امیر حرکۃ الجہاد الاسلامی) کے متعلق افواہیں پھیلی ہوئی ہیں، ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو احقر نے کہا: حضرت! مخالفین نے اُن کے خلاف پروپیگنڈہ کیا ہوا ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ بندہ نے خود بریگیڈیئر مستنصر باللہ سے ملاقات کی ہے اور ان سے یہی سوال کیا ہے کہ: قاری سیف اللہ اختر صاحب آپ کے خلاف سلطانی گواہ بنے ہیں؟ اس لیے آپ کو یہ سزا سنائی گئی ہے! تو بریگیڈئیر صاحب نے فرمایا: لوگ جھوٹ بولتے ہیں، میں نے قاری صاحب جیسا عظیم مجاہد آج تک نہیں دیکھا، تو حضرت والا نے فرمایا: اب بات سمجھ آئی ہے۔

عجز و انکساری:

۲۰۰۱ء میں بندہ ناچیز جامعہ محمودیہ کراچی میں بطورِ مدرس متعین تھا اسی دوران حضرت والا حج پر جا رہے تھے، جب کراچی مدرسہ انوار القرآن آدم ٹاؤن میں پہنچے تو مجھے معلوم ہوا کہ حضرت سیدی واستاذی تشریف لائے ہیں اور حج پر جا رہے ہیں، تو احقر وہاں پہنچ گیا، حضرت والا سے ملاقات ہوئی، (پھر بندہ ائیرپورٹ تک حضرت والا کے ساتھ ہی رہا۔ الحمدللہ۔) بندہ کی دعوت پر بندہ کے پاس جامعہ محمودیہ تشریف لائے اور پھر فرمایا کہ آپ میرے ساتھ مولانا عبدالشہید نعمانی ابن مولانا عبدالرشید نعمانی کے گھر چلو جو کہ اسوقت جامعہ کراچی میں پروفیسر تھے، چنانچہ ان کے گھر چلے گئے اور رات وہاں پر گزاری۔

اسی دوران حضرت نے ایک ایسے واقعہ کا تذکرہ فرمایا جو بہاول پور میں پیش آیا تھا۔ مختصراً یہ کہ کسی شخص نے ایک مجاہد پر چوری کا الزام لگایا تھا اور وہ مجاہد تھا بھی مفرور۔ تو اسی دوران وہ مفرور ساتھی حضرت کے پاس گیا، حضرت اس کے اوپر ناراض ہو گئے اور فرمایا: مجاہد ایسے ہوتے ہیں؟ جو داڑھی کٹواتے ہیں؟ تو اس ساتھی نے کہا: حضرت یہ ہماری مجبوری ہے، بہر حال، اس نے اپنی صفائی پیش کی اور کہا: حضرت! ہم اس چوری میں ملوث نہیں ہیں، مختصر سی ملاقات کے بعد وہ چلا گیا۔ حضرت ان پر

ناراض رہے۔ کچھ عرصہ بعد جب اس کیس کا فیصلہ ہوگیا تو حضرت والا کو بندہ نے جا کر پوری تفصیل سنائی، تو اس سے مطمئن ہوگئے۔

اس وقت حضرت نے فرمایا: کاکا! میں اس ساتھی کے اوپر بہت ناراض ہوا تھا، اس کے بعد میری اس سے ملاقات بھی نہیں ہوئی، وہ تو بہت اچھے لوگ ہیں، اور فرمایا: ان سے کہنا کہ میں آپ کیلئے اور آپکے ساتھیوں کیلئے بیت اللہ کے پاس دُعا کروں گا اور نام لیکر کہا کہ: ان کیلئے دعا کروں گا، یہ تو بہت اچھے لوگ ہیں۔ اس طرح اپنی عاجزی وانکساری ظاہر کی۔

اسی طرح تین سال قبل مدرسہ مدنیہ کا سالانہ اجلاس ہوا، (بندہ اس وقت طاہر والی مدرسہ میں بطور مدرس خدمات انجام دے رہا تھا) اسی اجلاس میں حافظ عبدالقیوم نعمانی صاحب بھی آئے، بندہ اُن سے ملاقات کیلئے آیا ہوا تھا، جب اجلاس ختم ہوا تو بندہ اجلاس والے کمرے میں داخل ہوا جو حضرات موجود تھے اُن سے ملاقات ہوئی، تو اس میں حضرت سیدی استاذیؒ سے بھی ملاقات ہوئی، آپ کے ساتھ نمونہ اسلاف، ولی کامل، رازی دوراں حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی دامت فیوضہم بھی تھے، حضرت والا نے مجھے دیکھ کر حضرت اقدس مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب مدظلہ سے فرمایا کہ: یہ ہمارے مجاہد ہیں اور بہت قربانیاں دی ہیں اور یہ مولانا حافظ عبدالجلیل رائے پوری ڈھڈیاں شریف والوں کے خلیفہ بھی ہیں، تو اس پر حضرت مولانا عبدالمجید صاحب نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ یہ حضرت والا کی عاجزی اور انکساری نہیں تو اور کیا ہے؟ کہ وہ میرے استاذ اور مربی ہو کر میری تعریف کر رہے تھے؟ یہ جذبہ تھا چھوٹوں کو آگے بڑھانے کا۔

احقر راقم الحروف کو جب حضرت اقدس مولانا عبدالجلیل رائپوریؒ کی طرف سے خلافت ملی تو بندہ نے حضرت موصوف کو آکر بتایا کہ: حضرت نے مجھے اجازت مرحمت فرمادی ہے، تو حضرت اس پر بہت خوش ہوئے اور فرمایا: یہ بزرگوں کا اعتماد ہے۔ ڈھڈیاں شریف میں آنا جانا زیادہ ہوتا تھا، اس لیے حضرت کو حالات بتلانے کیلئے حاضر ہوتا اور بتلاتا تھا کہ حضرت نے یہ فرمایا اور یہ حکم دیا۔ تو حضرت والا اس پر دعا فرماتے تھے۔

اور خصوصاً جب بندہ پر مجاہدین کے سلسلہ میں کیس وغیرہ بنا تو اس دوران حضرت والا بہت محبت اور اُنس فرماتے اور خصوصی دعائیں فرماتے رہے، اگر راقم الحروف آپ سے ملاقات کیلئے

دوران درس (سبق) میں پہنچ جاتا تو اسی وقت ساتھیوں کو خاموش کر کے فرماتے: کاکا! اِن کے لیے دعا کردیں! ایسا استاذ و مربی کہاں ملے گا؟ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔

2005.6 ء میں جب بندہ سنٹرل جیل کراچی میں قید تھا، اسی دوران حضرت نے شفقت فرمائی بندہ کو ذکر واذکار کرانے کی اجازت عنایت فرمادی۔ بندہ کے بھائی استاذِ مکرم مولانا محمد صادق جمال پوری دامت فیوضہم کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ: اُن سے کہیں کہ میری طرف سے اجازت ہے، آپ وہاں بیٹھ کر ساتھیوں کو ذکر کروایا کریں (یعنی اللہ اللہ سکھائیں) حقیقت یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ بھی ملا انہیں حضرات کی دعاؤں اور شفقتوں سے ملا ہے۔ یہ حضرت والا کی بہت بڑی مہربانی اور اعتماد تھا کہ اس ناچیز کو بھی اجازت مرحمت فرمادی۔ فللہ الحمد۔ حضرت ہی کی دعائیں ہیں کہ اللہ نے ضائع ہونے سے محفوظ رکھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور اپنے شایان شان بلند مقام عطا فرمائیں۔......راقم اثیم ابوعزام......محمد صابر جمال پوری......۲۰/۱۰/۲۰۱۲ ☆☆

☆...... فرمایا: "دل صحیح ہوجائے تو سارا جسم صحیح ہوجائے۔ اس لیے صوفیاء کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کی ضربیں دل پر لگیں، تاکہ دل صحیح ہوجائے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ: "لکل شيء صيقل، وصيقل القلوب ذكر الله" ہر چیز کے لیے ایک صیقل (زنگ اتارنے اور صاف کرنے والا آلہ) ہوتا ہے اور دلوں کا صیقل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔"

☆...... فرمایا: "قول اور عمل میں مطابقت ہونی چاہیے۔ ورنہ بات میں تاثیر نہیں ہوگی۔ ابراہیم تیمی بڑے واعظ تھے، وہ صرف وہی بات کہتے تھے جس پر اپنا عمل ہوتا تھا۔ فرماتے تھے کہ میں اپنے قول کو اپنے عمل پر پیش کرتا ہوں، اگر مطابق ہو تو بیان کرتا ہوں، ورنہ نہیں۔"

☆...... فرمایا: "تقویٰ کے تین درجات ہیں۔ [۱] قبول اسلام۔...... [۲] تمام طاعات پر عمل، تمام کبائر سے اجتناب...... [۳] ہر وہ کام جو اللہ کی طرف سے توجہ ہٹائے اسے ترک کردینا۔"

☆...... بنات کے ایک مدرسے میں آپ "بخاری" و "ترمذی" پڑھاتے تھے، وہاں سے ماہانہ مشاہرہ آخر وقت میں صرف 2,000 تھا۔ لیکن آپ خندہ پیشانی سے پڑھاتے رہے۔ طلباء کو "اخلاص" کی ترغیب کی خاطر فرماتے تھے کہ: "کیا بخاری و ترمذی والے استاد کی تنخواہ 2,000 ہوتی ہے؟ لیکن میں پڑھا رہا ہوں، تم بھی تنخواہ کی فکر نہ کرنا، بس اللہ کی رضا کی خاطر پڑھاتے رہنا۔"

مولانا مفتی احمد سفیان مدظلہ☆

پیکر علم وفا

''کا کام محنت کرنی ہے اور خوب مطالعہ کر کے پڑھانا ہے، ہم نے تمہارا تقرر کر دیا ہے۔'' یہ تھے وہ الفاظ جو 2001ء میں میری جامعہ مدنیہ میں تقرری کے وقت حضرت قبلہ والد محترم اور مولانا زبیر احمد صاحبؒ کی موجودگی میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے دفتر اہتمام میں مجھے بلا کر فرمائے تھے اور پھر ان کا سایہ شفقت ہمیشہ قائم رہا۔

حضرت شیخ الحدیثؒ سے میں نے کوئی سبق وغیرہ تو نہیں پڑھا لیکن پھر بھی دل میں استادوں جیسا ادب واحترام رہا۔ کوئی بھی مسئلہ ہوتا تو اپنی اولاد کی طرح شفقت فرماتے اور اس مسئلہ کی طرف راہنمائی فرماتے۔ جب بھی ملاقات ہوتی تو خندہ پیشانی اور مسکراتے چہرے کے ساتھ ملتے اور خیریت دریافت فرماتے۔ اکابرین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے وقت کے بہت پابند تھے۔ جامعہ کی طرف سے جو کام بھی سپرد کیا جاتا تھا اس کو وقت پر پورا فرماتے تھے۔ جامعہ میں امتحانات کا انتظام بندہ کے سپرد ہے تو امتحانات کے موقع پر پرچے وغیرہ بنانے کا مسئلہ ہوتا یا پرچے چیک کرنے کا، باوجود اپنی ضعفِ طبیعت کے جو وقت بتایا جاتا تھا اسی وقت میں پہنچانے کی کوشش فرماتے۔

بہر حال حضرت شیخ الحدیثؒ حقیقی معنوں میں پیکر علم وفا تھے اور ہمارے اکابرین کے صحیح نقشِ قدم پر چلنے والے تھے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقشِ قدم چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور حضرت شیخ الحدیثؒ کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کے لواحقین ومریدین متوسلین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

☆ مدرس ونائب رئیس دار الافتاء: دار العلوم مدنیہ

مولانا مفتی محمد یوسف الحسینی مدظلہ☆

حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ......کا مسلکی ذوق

دار العلوم مدنیہ بہاولپور کے شیخ الحدیث، جامع مسجد ون یونٹ کالونی کے امام، حضرت مولانا ولی محمد اور حضرت مولانا عبد المنان رحمہما اللہ کے خلیفہ مجاز سینکڑوں سالکین کے مرشد، استاذ العلماء حضرت مولانا محمد حنیف صاحب نور اللہ مرقدہٗ دارِ فنا سے دارِ بقا کو کوچ فرما گئے ہیں۔

ہستی سے تا بملکِ عدم ایک جست تھی　　چھپکی نہ آنکھ بھی کہ ادھر سے ادھر گیا

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سارے محاسن وصفات سے متصف فرمایا تھا جن میں سے چند نمایاں صفات یہ تھیں:

(۱) اکابر کی تحقیقات پر بھرپور اعتماد حضرت رحمہ اللہ کی رگ وپے میں کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا تھا۔ اکابر کی تعلیمات کے خلاف کچھ بھی بات سننے کو تیار نہ ہوتے تھے۔ درسگاہ میں دورانِ سبق اگر کوئی طالب علم اپنے مطالعہ کے بل بوتے پر کوئی ایسے بات نقل کرتا جو اکابر کی تعلیمات کے خلاف ہوتی تو اس کا مدلل انداز میں رد فرما کر اور اکابر کے مسلک کو واضح فرماتے۔

(۲) فقہ حنفی سے والہانہ لگاؤ بھی حضرت رحمہ اللہ کا خاص وصف تھا۔ بہاولپور میں جب پروفیسر عبد اللہ بہاولپوری (جو کہ بہاولپور میں غیر مقلدیت کے بانی تھے) نے فقہ حنفی سے لوگوں کو بدظن کرنا شروع کیا تو حضرت رحمہ اللہ نے اس کو قطعاً برداشت نہ کیا۔ خاموش طبع ہونے کے باوجود اس فتنہ کا تعاقب کیا اور مناظر اسلام امام المتکلمین استاذِ محترم حضرت مولانا محمد امین صفدر اکاڑوی رحمہ اللہ کے اپنے علاقہ مین بیانات ودروس کا سلسلہ شروع کیا اور جب تک پروفیسر عبد اللہ زندہ رہے حضرت رحمہ اللہ نے اس تسلسل کو جاری رکھا۔

(۳) اپنے آپ کو بڑوں کی تعلیمات سے مستغنی نہ سمجھنا بھی، حضرت رحمہ اللہ کے کمالات میں سے ایک کمال تھا۔ کئی سال تک افتاء کا کام کرنے کے باوجود بہشتی زیور آخر زندگی تک آپ کے مطالعہ میں

☆ فاضل: جامعہ باب العلوم کہروڑپکا......مدرس ونائب رئیس دار الافتاء: دار العلوم مدنیہ......مدیر: مجلّہ المصطفیٰ، بہاول پور

رہی۔ دورانِ درس جب بھی کوئی وقت فارغ ہوتا فوراً دارالافتاء سے بہشتی زیور منگوا کر اس کا مطالعہ فرماتے۔اور طلباء کو بھی اس کی ترغیب دیتے۔

(۴) خلافِ شرع باتوں پر فوراً گرفت فرماتے، حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ کے ایک ساتھی (جواب آخرت کو سدھار گئے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے) نے اپنی آخری عمر میں حضرت الشیخ رحمہ اللہ سے اصلاحی تعلق قائم کیا۔ایک مرتبہ بندہ ان کے ساتھ حضرت الشیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔انہوں نے جو کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھے وہ آج کل کے رواج کے مطابق کفوں اور گول گھیرے والی قمیص تھی۔حضرت الشیخ اس لباس کو دیکھ کر جلال میں آگئے فرمایا مولوی صاحب اب تو آپ کی زندگی کا اخیر ہے اب تو اس غیر شرعی لباس کو چھوڑ دو۔ مجھے آپ کے جسم پر یہ لباس دیکھ کر سخت تکلیف ہو رہی ہے۔میرا جی یہ چاہ رہا ہے تجھے ملوں بھی نہیں۔اب بس کرو اور اس لباس سے توبہ کرو۔یہ حضرت الشیخ کی غیر شرعی لباس سے انتہائی نفرت کی دلیل ہے۔اسی طرح ایک جگہ بندہ بھی حضرت الشیخ رحمہ اللہ کے ساتھ نکاح کی ایک تقریب میں شریک تھا۔نکاح ہو جانے کے بعد دولہا کے دوست نے اپنے موبائل سے دولہا کی تصویر بنائی حضرت الشیخ کی نظر پڑ گئی۔حضرت الشیخ فوراً اس تقریب سے اٹھ کر باہر تشریف لے گئے اور فرمایا جہاں غیر شرعی کام ہوں ہم وہاں نہیں بیٹھ سکتے، صاحبِ دعوت کی نظر پڑی تو اس نے آکر پاؤں پکڑ لئے حضرت نے اس کو ڈانٹا اور فرمایا تم ان کو روک نہیں سکتے؟ حضرت نے فرمایا اب میں ادھر نہیں بیٹھ سکتا آخر وہ نوجوان آیا اس نے معافی مانگی، حضرت کے سامنے وہ تمام تصاویر ضائع کیں تب حضرت راضی ہوئے اور تشریف فرما ہوئے۔زندگی بھر حضرت کا یہ معمول رہا کہ خلاف شرع باتوں پر سخت گرفت فرماتے تھے۔

یہ چند باتیں سرِ دست اپنے جذبات کے اظہار کے لئے سپردِ قرطاس کر دی ہیں۔ان کے علاوہ بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو بہت سی خوبیوں سے نوازا تھا۔جن کا ذکر قارئین کو دوسرے حضرات کے مضامین میں ملے گا۔اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی حسنات کو قبول فرما کر ان کے درجات عالیہ کا سبب بنائے اور ہمیں بھی ان کے نقشِ پا کو مشعل راہ بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃً

☆......☆......☆......☆

مولانا جمیل الرحمٰن عباسی مدظلہ☆

چند یادیں......چند واقعات

حضرت شیخ رحمہ اللہ نے ۱۳۸۱ھ 1961ء میں ''دارالعلوم عیدگاہ، کبیروالا'' سے دورۂ حدیث کیا، بخاری شریف حضرت مولانا علی محمد صاحب رحمہ اللہ کے پاس پڑھی، ترمذی شریف حضرت مولانا عبدالخالق صاحب رحمہ اللہ کے پاس پڑھی، ابوداؤد شریف حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب مدظلہم کے پاس پڑھی، جب کہ حضرت مولانا منظور الحق صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا ظہور الحق صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہم بھی آپ کے اساتذہ میں شامل ہیں۔

دارالعلوم کبیروالہ میں آپؒ کی سند پر '' '' جیسے وقیع الفاظ ثبت ہیں، آپ کی وفاق المدارس کی سند پر بطور صدر وفاق کے مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کے دستخط ہیں، اور بحیثیت ناظم وفاق کے مفتی محمود رحمہ اللہ کے دستخط ہیں۔

۱۳۸۳ھ سے ۱۳۸۵ھ تک ''جامعہ عباسیہ'' بہاول پور میں زیرِ تعلیم رہے۔اور حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ اور دیگر حضرات سے کسب فیض کیا۔جون 1965ء میں جامعہ عباسیہ بہاول پور سے فراغت حاصل کی، فاضل عربی کا امتحان اس سے قبل 1961ء میں پاس کر چکے تھے۔

شوال ۱۳۸۵ھ سے ''دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور'' میں تدریس کا آغاز فرمایا۔شمسی اعتبار سے غالباً اگست 1965ء میں ''دارالعلوم مدنیہ'' میں پڑھانا شروع فرمایا۔

حضرت شیخؒ کے ابتدائی استاذ جنہوں نے آپ کو مبادیات کی تعلیم بھی دی اور شرک وبدعت سے متنفر کر کے توحید وسنت کی محبت آپ کی رگ رگ میں پیوست کر دی، وہ حضرت مولانا غلام محمدؒ (پنج کسی تحصیل کبیروالا) تھے، حضرت شیخؒ فرماتے تھے کہ: میری نظریاتی تربیت انہوں نے کی اور آج میں الحمدللہ جو مضبوط عقائد کا حامل اور ٹھوس نظریات پر قائم ہوں یہ انہی کی مرہون منت ہے، فرماتے تھے کہ: میں نے ان سے بڑھ کر کسی استاذ کو شفیق اور اپنے لئے مہربان نہیں پایا۔

☆ فاضل وسابق مدرس: دارالعلوم مدنیہ......حال مدرس: جامعہ عباسیہ، بہاول پور......مدیر اعلیٰ: مجلّہ صفدر......مدیر: تسکین الصدور

آپ نے درجہ وسطیٰ اور درجہ علیا کی تعلیم دار العلوم کبیر والا میں حاصل کی، بلا کے ذہین اور بے پناہ استعداد کے حامل تھے، اپنے مطالعہ اور کتاب فہمی کے واقعات سناتے رہتے تھے، چند سال قبل دار العلوم مدنیہ بہاولپور میں حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی مدظلہ تشریف لائے تو انھوں نے حضرت شیخ سے فرمایا ''آپ اپنے ہم درس طلباء میں سے قطعی سب سے زیادہ سمجھتے تھے'' ۱۳۸۱ھ میں آپ نے دار العلوم کبیر والا سے دورہ کیا، دورہ حدیث کی سند پر سلیم الطبع، جید الفہم، لہ ملکۃ راسخۃ، اھل للتدریس والتبلیغ جیسے وقیع الفاظ درج ہیں، سند پر اساتذہ میں سے حضرت مولانا عبد الخالق صاحبؒ، حضرت مولانا علی محمد صاحبؒ، حضرت مولانا منظور الحق صاحبؒ، حضرت مولانا ظہور الحق صاحبؒ، حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی مدظلہ کے دستخط ثبت ہیں۔

فراغت کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کر لی اور ہڑپہ (چیچہ وطنی) سکول میں ٹیچر لگ گئے، مگر حضرت مولانا ولی محمد صاحبؒ کی ترغیب پر ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔

سرکاری ملازمت ترک کر کے حضرت مولانا ولی محمد صاحبؒ کا ایک مکتوب بنام حضرت مولانا عبد الرشید نعمانیؒ لیکر بہاولپور تشریف لائے اور جامعہ عباسیہ بہاولپور (حال اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور) میں شعبہ تفسیر میں داخلہ لے لیا۔

ان دنوں جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ التفسیر کے منصب پر رازیٔ زمانہ، رئیس المفسرین یگانۂ روزگار عالم حضرت مولانا علامہ شمس الحق افغانیؒ ضوء فشاں تھے۔

حضرت افغانیؒ کے پاس تفسیر پڑھنے اور ان سے شرف تلمذ حاصل کرنے کی حضرت شیخ کی دیرینہ تمنا اور آرزو تھی، چنانچہ یہ واقعہ متعدد بار سنایا کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر منطقی قواعد کی روشنی میں کی، مثلاً: الحمد موضوع ہے، للہ محمول ہے، وغیرہ، ہم بڑے حیران ہوئے کہ اتنا علم!! آخر میں حضرت کشمیریؒ نے فرمایا ''بھائی ہمارا کیا علم ہے، علم تو ہے ہمارے استاذ حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ کا''، ہم اور بھی حیران ہوئے کہ جب حضرت کشمیریؒ اتنے بڑے عالم ہیں تو ان کے استاذ حضرت افغانی کتنے بڑے عالم ہوں گے اور دل میں یہ آرزو مچلنے لگتی کہ کاش ہم بھی حضرت افغانیؒ کے شاگرد بننے کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے، اللہ تعالیٰ نے ہماری خواہش کی تکمیل اس طرح کر دی کہ حضرت افغانیؒ شیخ التفسیر بن کر جامعہ عباسیہ تشریف لائے اور ہمیں بھی ان کے پاس

پڑھنے کا موقع مل گیا۔

راقم کے استفسار پر ایک مرتبہ جامعہ عباسیہ کے حالات سناتے ہوئے فرمایا کہ ''جامعہ عباسیہ'' میں سید احمد سعید کاظمی بھی پڑھاتے تھے اور حضرت افغانیؒ بھی، اسی طرح طلباء میں بھی دیوبندی، بریلوی شامل تھے، دیوبندی طلباء بہت ذہین تھے، سبق کے دوران طلباء، کاظمی صاحب سے سوالات کرتے تو کاظمی صاحب سے جواب نہ بن پڑتا، ایک پٹھان طالب علم نے ایک مرتبہ کاظمی صاحب کو یہاں تک کہہ دیا کہ ''آپ ادھر ہماری جگہ آ جائیں، ہم آپ کی جگہ آ جاتے ہیں، آپ سوال کریں، پھر آپ دیکھیں ہم آپ کو کیسے جواب دیتے ہیں'' بریلوی طلباء ناراض بھی ہوتے اور کہتے کہ ہم جب آپ کے حضرت افغانیؒ سے دورانِ سبق سوالات نہیں کرتے تو آپ حضرت کاظمی صاحب سے دوران درس کیوں سوال کرتے ہیں؟ ہم کہتے: ''تم بھی سوال کیا کرو، ہم نے کب روکا ہے؟ کاظمی صاحب کی جوبات ہمیں سمجھ نہیں آئے گی ہم اس کے متعلق سوالات تو کریں گے'' اصل بات یہ تھی کہ اگر بریلوی طلبہ حضرت افغانیؒ سے سوالات کرتے بھی تو حضرت افغانیؒ تو علم کا طلاطم خیز سمندر تھے، ہر موضوع پر پُر مغز اور فی البدیہہ تقریر کر ڈالتے، جبکہ کاظمی صاحب علمی مسکین تھے، دیوبندی طلبہ بے حد ذہین تھے، حضرت افغانیؒ کے آگے تو وہ خود کو مبتدی طالب علم سمجھتے تھے، مگر کاظمی صاحب تو خود مبتدی طلبہ کی صف کے بھی نہیں تھے۔

حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ کاظمی صاحب کے سر میں پھوڑا تھا جس کی وجہ سے ان کا حافظہ بھی کچھ بہتر نہ رہا تھا اور استعداد بھی زیادہ اچھی نہیں تھی۔

حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ بریلوی حضرات، کاظمی صاحب کو رازیٔ زماں، غزالیٔ دوراں کہا کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی پٹھان طالب علم نے رازیٔ زماں، غزالی دوراں کی جگہ لکھ دیا ''اجہل زماں، احمق دوراں'' اس پر بڑا ہنگامہ ہوا، کچھ لے دے ہوئی اور معاملہ سرد پڑ گیا۔

☆ ۱۴۲۶ھ میں دار العلوم مدنیہ میں درجہ ثالثہ میں ایک طالب علم محمد عبد اللہ پڑھتا تھا، میرے پاس نفحۃ العرب کا سبق تھا، وہ غیر حاضری کر کے آیا تو حضرت الاستاذ مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب کے حکم پر میں نے اسے کہہ دیا کہ مفتی صاحب سے کلاس میں بیٹھنے کی تحریر لیکر آؤ، وہ دار الحدیث کے سامنے سے گزرا تو حضرت شیخؒ نے اسے دیکھ لیا، اس کے والد صاحب حضرت شیخؒ کے متعلقین میں سے تھے، حضرت شیخؒ نے عبد اللہ کو بلوا کر پوچھا کہ تم کہاں پھر رہے ہو؟ اس نے حواس باختگی میں کہہ دیا کہ

مولانا جمیل الرحمٰن صاحب (راقم) نے مجھے کلاس سے نکال دیا ہے، حضرت شیخؒ اس کا ہاتھ پکڑے خود میری کلاس میں تشریف لے آئے، میں ایک طرف ہوگیا اور حضرت کیلئے نشست خالی کردی، حضرت تشریف فرما ہوئے، مجھ سے عبداللہ کو نکالنے کی وجہ پوچھی تو میں نے مکمل تفصیل پیش کردی، حضرت نے ڈنڈا منگوایا اور عبداللہ کو مرغا بننے کا حکم دیدیا اور خوب پٹائی کی، میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ حضرت کو اتنا جلال میں دیکھا اور ڈرتے ڈرتے کہہ دیا۔ حضرت! اتنی مار کافی ہے، حضرت نے مارنا موقوف کردیا اور اور کان چھڑا دیئے، پھر اس سے توبہ کرائی، اور مجھے مخاطب ہوکر فرمایا ''تجھے اس پر کیوں ترس آگیا؟ ایسے گدھے تو میں نے کئی سیدھے کئے ہیں'' اس کے بعد دعا کیلئے ہاتھ اٹھادیئے اور گڑگڑا کر دعا فرمارہے تھے'' یااللہ! اس مار کو عبداللہ کی اصلاح کا ذریعہ بنادے، یااللہ! یہ مار اس کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے وغیرہ وغیرہ'' اور یہ دعا اس قدر مؤثر ہمدردانہ انداز میں فرمارہے تھے کہ مجھے رشک آرہا تھا، میں نے دل ہی دل میں سوچا کہ ایسے حضرات کو مارنے کا حق ہے، جو پٹائی کرنے کے بعد طلبہ کے لیے رورو کردعائیں کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو سختی کرنے کا کیا حق پہنچتا ہے جو طلبہ پر رعب جمانے کے لیے یا باقی کلاس کو ڈرانے کیلئے کسی ایک طالب علم کو نشانِ عبرت بنادیتے ہیں یا اپنی ذاتی خواہشات کی تسکین کیلئے بے دریغ ڈنڈے برساتے جاتے ہیں۔

☆ سلسلہ نقشبندیہ کے عظیم بزرگ حضرت مولانا سید حبیب اللہ شاہ صاحب آف نہڑ والی (فاضل دارالعلوم مدنیہ بہاولپور و فرزند و خلیفہ مجاز سید صفی اللہ شاہ صاحبؒ) نے ایک مرتبہ حضرت شیخؒ کی دعوت کی اور مجھے بھی حاضری کا حکم فرمایا ہوا تھا، میں حضرت شیخ صاحبؒ کے ساتھ چلا گیا، وہاں پہنچ کر حضرت مولانا سید صفی اللہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مرقد پر فاتحہ پڑھی (حضرت مولانا سید صفی اللہ صاحبؒ پر تفصیلی مضمون ماہنامہ صفدر کے شمارہ نمبر ۱۹ میں شائع ہوچکا ہے، ان کی نماز جنازہ حضرت شیخ نے ہی پڑھائی تھی) واپسی پر خانقاہ شریف (ضلع بہاولپور) سے گزرنا تھا، میں نے حضرت شیخؒ سے گزارش کی کہ اگر مناسب سمجھیں تو حضرت مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی مدظلہ (شیخ الحدیث جامعہ صدیقیہ بہاولپور و فرزند حضرت مولانا عبداللہ دھرم کوٹیؒ) سے بھی ملاقات کرتے جائیں، حضرت شیخؒ خوشی سے تیار ہوگئے، مولانا فضل الرحمٰن صاحب بھی حضرت شیخؒ کی تشریف آوری پر بہت مسرور ہوئے، حسن اتفاق سے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے بڑے بھائی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہ (تلمیذ رشید: حضرت شیخ

الحدیث مولانا محمد زکریاؒ) بھی وہاں تشریف لائے ہوئے تھے، وہ بھی ملنے کیلئے حجرہ میں تشریف لائے تو حضرت شیخؒ نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا کہ ''یہ تو بالکل اپنے والد ماجد (حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ) کے ہمشکل ہوگئے ہیں'' پھر مولانا محمد عبداللہ دھرم کوٹیؒ کے متعلق موضوع چل پڑا، حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ ''جب میں حضرت مولانا عبدالعزیزؒ (چک ۱۱ چیچہ وطنی والے) کے پاس تھا، مولانا عبداللہ صاحبؒ کو پھوڑا نکلا ہوا تھا، میں نے مزاحاً کہا ''نسبت کا اثر تو نہیں ہے؟'' (حضرت مولانا عبدالعزیزؒ کو بھی پھوڑا نکلا ہوا تھا) اتنی دیر میں حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ تشریف لے آئے تو مولانا عبداللہ صاحبؒ نے فرمایا ''حضرت! مولوی حنیف کہتا ہے کہ آپ کو جو پھوڑا نکلا ہوا ہے یہ نسبت کا اثر تو نہیں ہے، اگر ایسی بات ہو تو میں علاج کرانا چھوڑ دوں؟ حضرت نے فرمایا نہیں، نہیں علاج کراؤ''

☆ ہمارے ہم کلاس مولانا محمد اقبال صاحب نے ایک مرتبہ حضرت شیخؒ کے سامنے اپنی مسجد کے بعض حضرات کی شکایت کی کہ وہ تنگ کرتے ہیں تو حضرتؒ نے پوچھا، کچھ لوگ آپ سے مسائل وغیرہ میں رہنمائی بھی لیتے ہیں؟ مولانا نے کہا ایسے تو بہت ہیں، بہت کم لوگ مخالفت کرتے ہیں، حضرت شیخؒ نے فرمایا پھر مسجد مت چھوڑو، لوگوں کو تمہاری وجہ سے اگر دینی نفع پہنچتا ہے تو نفع پہنچاتے رہو، ہر مسجد میں ایسا کوئی نہ کوئی ہوتا ہے جو امام کی دل آزاری کرتا رہتا ہے، لوگوں کی باتوں سے تنگ دل ہوکر دین کا کام چھوڑ دینا اچھا نہیں ہے، پھر اپنے متعلق ارشاد فرمایا کہ ''تم تو ابھی جوان ہو، میرا حال یہ ہے کہ لوگ جب نئی گاڑی خرید کرتے ہیں تو پہلے اس میں مجھے بٹھاتے ہیں تاکہ برکت ہوجائے، نیا مکان بناتے ہیں تو مجھے لے جاتے ہیں پہلے مجھ سے دعا کرواتے ہیں پھر مکان میں رہائش شروع کرتے ہیں، اس کے باوجود بعض مقتدی کہتے ہیں کہ بوڑھے نے تنگ کررکھا ہے'' اس طرح کی باتیں کرکے استقامت کی ترغیب دی۔ (اس جگہ راقم کو حضرت امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کا جملہ یاد آگیا، فرمایا: ''امام مقتدی حضرات کی اصلاح کے لیے ہوتا ہے اور ہر مسجد میں ایک دو بابے ہوتے ہیں جو امام کی اصلاح کرتے ہیں۔'')

☆ ایک موقع پر حضرت شیخؒ نے فرمایا ''میں نے ایک مرتبہ حضرت مولانا ولی محمدؒ سے عرض کیا حضرت! ان خادم حضرات کو تو کچھ بھی نہیں آتا، یہ تو بالکل ہی نہیں پڑھتے، حضرت نے فرمایا، یہ بتاؤ تمہارا مقصد کیا ہے؟ میں نے سوچنے کے بعد کہا ''یہی کہ خاتمہ ایمان پر ہوجائے'' مولانا ولی محمدؒ نے

فرمایا: "خادموں کے خاتمہ بالایمان پر مہر لگ جاتی ہے"۔ حضرت شیخؒ نے ایک اور موقع پر فرمایا "میں تو خادموں کو بالکل نکما سمجھتا تھا اب (بڑھاپے میں) پتہ چلا کہ خادم تو جنتی ہوتے ہیں (مشائخ کی دعاؤں کی برکت سے اللہ تعالیٰ جنت کا فیصلہ فرما دیتے ہیں یا خدمت کی برکت سے اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کی توفیق عنایت فرما دیتے ہیں)

☆ حضرت شیخؒ کا حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ سے بہت گہرا تعلق تھا، حتی کہ حضرت شیخؒ خود کو ان کا پروردہ کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ جامع مسجد ون یونٹ کالونی بھی انہوں نے دلوائی تھی اور دارالعلوم مدنیہ بہاولپور تدریس کے لئے بھی انہوں نے بھیجا تھا، مولانا نعمانیؒ نے فرمایا تھا کہ مولانا غلام مصطفیٰ (ناظم اعلیٰ دارالعلوم مدنیہ بہاولپور) کو جا کر کہو کہ میں آپ کے مدرسہ میں تدریس کرنا چاہتا ہوں، آپ مجھے جو بھی کتاب دیں گے میں پڑھا لوں گا اور مفت پڑھاؤں گا۔ چنانچہ ناظم صاحبؒ مان گئے اور ایک سال مفت پڑھاتا رہا۔ دوسرے سال میری تنخواہ پچاس روپے مقرر ہوگئی، مفتی فاروق احمدؒ (مولانا محمد صدیق انبیٹھویؒ کے صاحبزادے اور مولانا محمد احمد بہاولپوری کے والد) نے فرمایا "آپ کو پتہ ہے آپ کی تنخواہ کیوں مقرر ہوئی؟" میں نے کہا مجھے تو معلوم نہیں فرمانے لگے مولانا غلام مصطفیٰ نے مولانا مفتی عطاء الرحمٰن کو رکھا ہے، وہ ان کا اپنا آدمی ہے، ان کی تنخواہ 50 روپے مقرر ہوئی تو آپ کی تنخواہ بھی مقرر ہوگئی۔ میں نے کہا اچھی بات ہے کسی کے طفیل ہم بھی رنگے گئے۔ الغرض حضرت شیخؒ پر حضرت نعمانیؒ بے پایاں شفقت فرماتے تھے، اس کے باوجود حضرت شیخؒ کو نعمانی صاحبؒ نے فرمایا کہ میں تمہیں اجازت حدیث دینا چاہتا ہوں مگر میری سند میں ایک بدایونی ہے، آپ اجازت حدیث لیں گے؟ حضرت شیخؒ نے فرمایا "مجھے ایسی اجازت نہیں چاہئے جس میں کوئی بدعتی ہو" آخر میں حضرت شیخؒ نے ان سے اجازت لے لی (شاید اس لئے کہ بعض حدیث کی کتب میں ایسے اہل بدعت رواۃ موجود ہیں جن کی بدعت کفر کی حد تک نہیں پہنچی اور وہ اپنے مذہب کی اشاعت بھی نہیں کرتے ہیں) تاہم حضرت شیخؒ عام طور پر اپنی اس سند کا تذکرہ نہیں فرماتے تھے۔

☆ ایک مرتبہ ماہنامہ "حق چار یارؓ" میں شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا ایک ملفوظ شائع ہوا کہ "میں پورے شرح صدر کے ساتھ کہتا ہوں کہ جماعت اسلامی غیر ناجی فرقہ ہے" میں نے ایک طالب علم کے ہاتھ وہ رسالہ حضرت شیخؒ کے پاس بھیج دیا، حضرت نے دیکھ کر فرمایا "انہیں

(راقم کو) آج پتہ چلا ہے! ہمیں تو بہت پہلے کا پتہ ہے کہ جماعت اسلامی غیر ناجی فرقہ ہے۔

☆ راقم نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ حضرت امام اہل السنۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام رکھا ہے میں نے خواب حضرتؒ کو سنا کر تعبیر پوچھی تو حضرت نے فرمایا "مسلک احناف کا جو کام آپ کر رہے ہیں یہ اس کی تائید ہے" پھر فرمایا "پہلے میں بھی اپنے نام کے ساتھ حنفی لکھنے کا اہتمام کرتا تھا"۔

☆ ایک مرتبہ میں کراچی سے واپس آیا تو حضرتؒ کو ملنے گیا اور یہ بھی بتایا کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے مرقد پر بھی میرا جانا ہوا تھا اور فاتحہ پڑھنے کی سعادت ملی۔ اس پر پوچھا کہ وہاں سے قریب قائداعظم کا بھی مزار ہے، وہاں بھی گئے تھے؟ میں نے کہا قائداعظم کے مزار پر تو میں آج تک نہیں گیا، ویسے بھی وہاں لڑکے، لڑکیوں کا برملا اختلاط ہوتا ہے، سب کے سامنے لڑکے، لڑکیاں گپیں ہانک رہے ہوتے ہیں۔ اور یہ گناہ سرعام ہو رہا ہوتا ہے، حضرت شیخؒ نے فرمایا "ہم کسی کے بارے میں کیوں بدگمانی کریں، وہ میاں بیوی بھی ہو سکتے ہیں، بہن بھائی بھی تو ہو سکتے ہیں، ہاں! ان کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کو بدگمانی میں مبتلا نہ کریں"۔

☆ ایک مرتبہ فرمایا "جب طالب علم سوال کرتا ہے تو استاذ کے ذہن میں اللہ تعالیٰ فیضان نازل فرماتے ہیں"

☆ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضرت! بہت سے بزرگ مجلسِ ذکر منعقد کرتے ہیں، اگر آپ بھی مجلس ذکر کا انعقاد فرمائیں تو بہت مفید ہوگا، کچھ دیر وعظ بھی ہو جایا کرے گا، لوگوں کو نفع ہوگا، فرمایا "مجلس منعقد کرنے سے شہرت ہوتی ہے جب کہ ہمارے سلسلہ میں اخفاء ہے" میں نے عرض کیا، جو حضرات مرید ہو چکے ہیں صرف انہی کی مجلس ہو جایا کرے۔ فرمایا "ایک مجلس میں جو شریک ہوگا وہ اگلی مجلس میں دوسروں کو بھی ورغلا کر لائے گا کہ ہمارے پیر صاحب مجلس کرواتے ہیں، تم بھی شریک ہو جاؤ۔"

☆ کچھ عرصہ قبل حضرتؒ کی خدمت میں جانا ہوا تو فرمایا "نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے 63 برس عمر عطا فرمائی، کتنا اچھی عمر میں وفات ہوئی" اس مجلس میں فرمایا "جب ہم بچے تھے تو سمجھتے تھے کہ ہماری موت بہت دور ہے ابھی تو ہم نے جوان ہونا ہے، جب جوان تھے تو خیال آتا تھا کہ ابھی تو ہم نے بوڑھا ہونا ہے، اب ہم بوڑھے ہو گئے ہیں، اب کیا سوچیں؟ انسان بس دھوکہ میں ہی رہتا ہے۔

☆ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا، حضرت! تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کوئی خواب بتانا پسند فرمائیں گے؟ فرمایا: میری طبیعت کثیف ہے، لطیف نہیں ہے، خواب عام طور پر لطیف طبیعت والے دیکھتے ہیں، ویسے بھی بزرگوں سے سنا ہے کہ خواب نہ ہی آئیں تو بہتر ہے، کیونکہ جب بندہ اچھے خواب دیکھتا ہے تو سمجھتا کہ میں کچھ بن گیا ہوں۔ ہاں ایک خواب آپ کو سنا چکا ہوں، وہی دیکھا تھا۔ (حضرت مولانا ولی محمدؒ کے متعلق حضرت شیخؒ نے خواب دیکھا تھا ملاحظہ ہو) فرمایا ''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں ہوں اور لوگ کہہ رہے ہیں کہ حضور ﷺ تشریف لارہے ہیں، میں بھی دوڑتا ہوا وہاں پہنچا جہاں لوگ جمع ہو رہے تھے، میں نے دیکھا لوگ ایک شخص کے گرد جمع ہیں، میں نے قریب جا کر دیکھا تو وہ آنحضرت ﷺ نہ تھے بلکہ حضرت مولانا ولی محمدؒ تھے، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف نہیں لائے؟ لوگوں نے کہا ''آنحضرت ﷺ خود تو تشریف نہیں لائے البتہ اپنی جگہ مولانا ولی محمد صاحب کو بھیج دیا'' تب سے میرے دل میں حضرت مولانا ولی محمد صاحبؒ کی عقیدت ومحبت بہت بڑھ گئی۔

☆ ایک مرتبہ راقم نے عرض کیا۔ حضرت! آپ نے کسی کو خلافت بھی دی ہے؟ فرمایا ''مولانا غلام حیدر صاحب کو دی ہے، میں نے دیکھا کہ ذکر بہت کرتے ہیں، رائیونڈ بھی جاتے ہیں، حضرت مولانا ولی محمدؒ سے بیعت تھے، مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب کے توجہ دلانے پر انہوں نے مجھ سے تعلق قائم کرلیا، میری خلافت کی پتہ نہیں ان کے ہاں کوئی حیثیت بھی ہے کہ نہیں میرے ساتھی ہیں'' (اس وقت تک حضرت شیخؒ نے صرف انہی کو اجازت دی ہوئی تھی، بعض میں بعض دیگر حضرات کو اجازت دیدی۔)

اس موقع پر حضرت شیخؒ نے مزید فرمایا ''مولانا عبدالعزیز'' (چک گیارہ والے) فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے میں اپنی خلافت بھی واپس کردوں، مولانا عبدالعزیز صاحبؒ نے کسی کو خلافت نہیں دی تھی، (حضرت شیخؒ کی معلومات کے مطابق حضرت گیارہ والوں نے کسی کو خلافت نہیں دی ورنہ حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہٗ نے حضرت گیارہ والوں کے بعض خلفاء کے نام گنوائے ہیں) البتہ حضرت گیارہ والے مولانا ولی محمد صاحبؒ، مولانا عبدالمنان صاحبؒ، سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ وغیرہ کی طرف لوگوں کو متوجہ فرماتے تھے۔

☆ حضرت شیخؒ نے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا ولی محمد

صاحبؒ کی ترغیب پر حضرت مولانا عبدالعزیز صاحبؒ (چک گیارہ) سے بیعت کرلی، حضرت گیارہ والوں سے آپ کا تعلق کتنا گہرا تھا، اس کا اندازہ حضرت شیخؒ کی اپنی تحریر سے لگایا جاسکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

''بندہ نے ۱۹۶۱ء میں لاہور صوفی عبدالحمید صاحب کی کوٹھی پر حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے ساتھ بیعت کی۔ بیعت کرنے سے پہلے حضرت اقدس مولانا عبدالعزیز رائے پوریؒ چک گیارہ کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اس سے پہلے تعارف نہیں تھا۔ حضرت اقدسؒ نے فرمایا کہ **وان جاھداک علی ان تشرک بی مالیس لک به علم** آیت میں **مالیس لک به علم** کیوں فرمایا گیا؟ اگر علم ہوتو کیا شرک جائز ہے؟ بندہ نے جواب دیا کہ یہ قید واقعی ہے احترازی نہیں۔ یعنی واقعہ کا بیان ہے۔ شرک، جہالت ہے علم نہیں۔ اس کے بعد فرمایا: حضرتؒ سے بیعت کرلو۔ پھر اکٹھے رہیں گے مجھے اس وقت یہ خیال نہ تھا۔

جب بندہ حضرت اقدس رائے پوریؒ کے انتقال کے بعد گیارہ چک گیا۔ تو حضرت کی ہیبت اتنی تھی۔ کہ بندہ کو سامنے بات کرنا مشکل ہوگیا۔ بڑی مشکل سے عرض کیا کہ تزکیۃ النفس کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ بیعت کرلیں حضرت نے جواب دیا کہ بڑوں کی بیعت نہیں ٹوٹتی اور فرمایا تجدید بیعت نہیں ہوتی تجدید تجدید بیعت ہوتی ہے۔ چونکہ بندہ خاموش رہتا تھا تو مجھے کھولنے کے لیے فرمایا: کہ کسی نے مسئلہ پوچھا ہے کہ امام نے رکوع نہیں کیا، سجدہ میں چلا گیا، پھر سجدہ کے بعد رکوع کیا اور رکوع کے بعد سجدہ کیا، کیا نماز ہوئی یا نہ ہوئی؟ بندہ نے کہا کہ: مجھے کیا پتہ۔ حضرت نے فرمایا آخر تُو بھی مولوی تو ہے۔ تو بندہ نے کہا کہ سجدہ سہو کے بعد نماز ہوجائے گی۔ تو حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے۔ حضرت کو قرآن مجید سے بڑا شغف تھا۔ جب بندہ جاتا تو حضرت میرے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ کے ساتھ دور کرتے ''جلالین شریف'' اٹھالیتے، جہاں ضرورت پڑتی دیکھ لیتے۔

رمضان المبارک میں بندہ پورا مہینہ حضرتؒ کے ساتھ رہتا۔ اور حضرت اسی طرح قرآن مجید کا دور ترجمہ سے کرتے، میرا خیال ہے اس طرح پورا قرآن مجید ترجمہ کے ساتھ ہوگیا۔ جب حضرتؒ فیصل آباد (لائل پور) رمضان المبارک میں تشریف لے جاتے۔ تو بندہ

بھی پہنچ جاتا۔

ایک دفعہ فرمایا: علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی کتاب ''مشکلات القرآن'' عصر کے بعد سنایا کر! بندہ نے عصر کے بعد سنانا شروع کیا۔ تو اٹک ہوتی۔ کیونکہ ''مشکلات القرآن'' بہت مشکل کتاب ہے۔ حضرت مولانا ولی محمد صاحبؒ نے فرمایا اٹکتے کیوں ہو؟ بندہ نے عرض کیا کہ ذِکر کی وجہ سے مطالعہ نہیں کرتا۔ تو مولانا صاحبؒ نے فرمایا۔ کہ تمہیں چاہیے کہ ذکر میں تخفیف کردو، تو بندہ نے ایسا کیا، پھر مطالعہ کے ساتھ سنانا شروع کیا۔''

☆ ایک مرتبہ میں نے شادی کے متعلق پوچھا تو فرمایا ''میری شادی کا عجیب واقعہ ہے، میرے استاذ تھے حضرت مولانا غلام محمدؒ، وہ مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے، ان سے بڑھ کر مجھے کوئی استاذ شفیق نہیں ملا، وہ اپنے گھر میرا رشتہ کرنا چاہتے تھے، میری خواہش بھی یہی تھی، مگر میری والدہ نے انکا کر دیا، میری والدہ میرا رشتہ وکیل صاحب (   ) کے گھر کرنا چاہتی تھیں، میں نے حضرت مولانا ولی محمد صاحبؒ سے مشورہ کیا، حضرت نے استخارہ کا حکم فرمایا، میں نے استخارہ کیا اور خواب میں دیکھا کہ گھر وکیل صاحب کا نظر آیا مگر دروازہ پر استاد کھڑے تھے، میں نے یہ خواب حضرتؒ کو سنایا تو حضرت نے فرمایا ''وکیل صاحب کے گھر شادی کرلو'' چنانچہ ایسا ہی کیا۔

☆ ایک مرتبہ راقم نے عرض کیا کہ حضرت! طلباء کے لئے کوئی نصیحت فرمائیں، حضرت نے فرمایا [۱] اخلاص سے پڑھیں [۲] محنت کریں [۳] باہر کے تعلق نہ ہوں۔

کبھی کبھی بیانات میں فرمایا کرتے تھے کہ ''طلباء تین باتوں کا اہتمام کریں تو امتحان میں ضرور پاس ہو جائیں گے [۱] مطالعہ کریں [۲] استاد کا سبق غور سے سنیں [۳] کم از کم ایک مرتبہ تکرار کر لیں۔

☆ ایک مرتبہ راقم نے طلباء کے اندر محنت کی کمی کی شکایت کی اور اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا ایک تو ہم پرفتن دور میں ہیں، دوسرا طلباء میں پہلے والا اخلاص نہیں رہا، رسمی تعلیم ہو رہی ہے، پھر بھی یہ غنیمت ہے، حضرت تھانویؒ نے فرمایا تھا کہ جب کسی کا ہیرا گم ہو جاتا ہے تو وہ پوری ڈھیری جمع کر لیتا ہے کہ کوئی تو ہیرا ہوگا، ہم بھی ہر قسم کے طلباء جمع کر لیتے ہیں، ہیرا تو کوئی کوئی ہوتا ہے، پھر بھی دار العلوم مدنیہ مدرس پیدا کر رہا ہے، تھوڑے سہی، اسی طرح ہمارے دار العلوم کبیر والا میں بھی طلباء بہت محنت کرتے تھے، اس

لئے وہاں سے بھی اچھے اچھے مدرس نکلے۔

☆ فرمایا ''مولانا عبد الرشید نعمانیؒ اور مولانا محمد احمد بہاولپوری (مشہور مبلغ) دونوں اکٹھے دار العلوم دیوبند داخلہ کے لئے گئے تھے، دونوں عالم فاضل تھے، مگر چاہتے تھے کہ چند ماہ وہاں پڑھ کر برکت کے لئے دورہ حدیث کی سند لے لیں۔ دار العلوم دیوبند کی کمیٹی نے مولانا محمد احمد کو داخلہ دے دیا کیونکہ وہ مظاہر العلوم سہارنپور کے فیض یافتہ تھے اور دار العلوم اور مظاہر العلوم میں مسلکی و مشربی ہم آہنگی تھی، مگر مولانا عبد الرشید نعمانی صاحب کو داخلہ نہ ملا کیونکہ وہ ندوہ کے فاضل تھے، نعمانی صاحب کو آخر عمر تک اس کا دکھ رہا (شاید اپنی اسی خواہش کی تکمیل کے لئے اپنے بھائی حضرت مولانا عبد الحلیم چشتی صاحب مدظلہ، رئیس تخصص فی الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی و استاد حدیث جامعۃ الرشید کراچی وخلیفہ مجاز حضرت سید نفیس شاہ صاحبؒ کو دار العلوم دیوبند بھیجا، چشتی صاحب حضرت مدنیؒ کے شاگرد اور دار العلوم دیوبند کے فاضل ہیں)

☆ ایک مجلس میں فرمایا ''دار العلوم مدنیہ کے تمام اساتذہ نے ایک مرتبہ مولانا غلام مصطفیٰؒ کو درخواست لکھی کہ ہماری تنخواہ بڑھائی جائے، میں نے درخواست نہ لکھی، مولانا غلام مصطفیٰ نے مجھے کہا تم بھی درخواست لکھو تا کہ ہم کمیٹی کو پیش کریں اور تنخواہ میں اضافہ ہو۔ میں نے کہا ''میں نے آپ کو کب کہا ہے کہ تنخواہ بڑھاؤ، نہ بڑھاؤ''

☆ ایک مرتبہ راقم نے عرض کیا حضرت! آپ کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟ فرمایا ''خاتمہ ایمان پر ہو جائے، اولاد نیک ہو جائے''۔

☆ ایک زمانہ میں حضرت شیخ کے پاس ہدیہ لے کر جانے کا میرا معمول بن گیا، حضرتؒ نے روک دیا اور فرمایا ''ہر دفعہ ہدیہ نہیں لاتے، کبھی کبھی لاتے ہیں، وہ بھی ضروری نہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت دیا ہے، ہدیہ لانے کا معمول بن جائے تو پھر امید بندھ جاتی ہے، یہ بات درست نہیں''۔

☆ ایک مرتبہ حاضری ہوئی تو مولانا محمد یوسف رحمانی بھی وہاں موجود تھے اور دل کی بیماری بڑھ جانے کی شکایت کر رہے تھے، حضرت نے فرمایا ''تم زور لگا کر کیوں تقریر کرتے ہو؟ آرام آرام سے تقریر کیا کرو، آخر ہم بھی تو زندہ ہیں، بڑا آہستہ بیان کرتا ہوں''۔

☆ ایک موقع پر چشتی قادری کی بحث چھڑی تو حضرت شاہ عبد الرحیم سہارنپوریؒ کا مشہور واقعہ سنایا

کہ حضرت میاں جی ایک مرتبہ پیرانِ کلیر تشریف لے گئے، سردی کا موسم تھا، رات کو مسجد میں لیٹے تو گرمی محسوس ہوئی، باہر آکر رضائی لے کر لیٹے تو انہیں بارش برستی محسوس ہوئی، اندر چلے گئے، پھر بارش بند معلوم ہوئی، تو باہر آ لیٹے، پھر بارش شروع ہوگئی، دو دفعہ ایسا ہوا، تیسری بار باہر آکر لیٹے اور پکا ارادہ کر لیا کہ جتنا زور سے بارش ہوگی اندر نہ جائیں گے، بارش برسنا شروع ہوگئی اور خوب برسنا معلوم ہوئی اور خیال ہوا کہ رضائی بھیگ گئی ہوگی، مگر دیکھا تو نہ فرش گیلا تھا نہ رضائی بھیگی تھی، سب لوگ سو رہے تھے، اسی وقت آواز آئی، کوئی کہہ رہا تھا، عبدالرحیم! حضرت نے فرمایا میں سمجھا کہ خانقاہ میں کوئی اس نام کا خادم ہوگا، جب کئی بار آواز آئی تب میں بولا۔ تو آواز آئی ہاں تمہیں ہی بلاتا ہوں۔ اور یوں کہا گیا ''یہاں کی برکت اور دولت اب گنگوہ پہنچ گئی ہے، اور تمہارا حصہ وہیں مولانا رشید احمد گنگوہی کے ہاں ہے وہاں جا کر لے لو!'' میاں جی نے فرمایا کہ میں وہاں سے چلا آیا مگر حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا، یہاں تک کہ حج کو جانا ہوا، وہاں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں حاضری ہوئی، تو حاجی صاحبؒ نے فرمایا تم حضرت گنگوہی کے پاس جاؤ اور حضرت گنگوہی کے نام ایک خط بھی عنایت فرمایا، حضرت گنگوہی نے مجھے چاروں سلسلوں میں بیعت فرمایا (اس طرح ہم چشتی بھی ہیں قادری بھی وغیرہ)

☆ حضرت شیخؒ کی اجازت اور حکم سے میں نے حضرت اقدس سید نفیس الحسینی شاہ صاحب سے بیعت کی تھی (بیعت تبرک) اور کچھ عرصہ وہاں گزارا تھا، حضرت شاہ صاحبؒ ذکر بالجہر کا فرماتے تھے، میں واپس آیا تو حضرت شیخؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے آہستہ ذکر کرنے کی اجازت دے رکھی ہے اور میری طبیعت بھی آہستہ ذکر کرنے پر زیادہ مطمئن ہوتی ہے، مگر حضرت شاہ صاحبؒ ذکر بالجہر کا فرماتے ہیں تو اب میرے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا ''حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس ذکر بالجہر کیا کرو، یہاں آہستہ ذکر کیا کرو، پھر کوئی اپنا واقعہ بھی بیان فرمایا جو مجھے صحیح یاد نہیں۔ جس کا خلاصہ یہی تھا کہ میں بھی کسی جگہ آہستہ ذکر کرتا تھا کسی جگہ ذکر بالجہر۔

(نوٹ: ذکر بالجہر تعلیم کے لئے ہوتا ہے کہ بعض اوقات آہستہ ذکر کرنے سے وسوسے اور خیالات پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور یکسوئی نہیں رہتی، ذکر بالجہر سے یکسوئی آجاتی ہے اور خیالات پر کنٹرول ہو جاتا ہے، ذکر بالجہر کے وقت اس بات کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے، کسی کی عبادت اور آرام میں خلل نہ آئے اور چیخ پیدا نہ ہو، حضرت شیخؒ کو آخر عمر میں میں نے خود

دیکھا کہ وہ آہستہ آواز سے ذکر فرماتے تھے، حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کے اس سلسلہ میں ایک دو ملفوظات ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ نے فرمایا ''ذکر تو آہستہ آواز سے ہی کرنا چاہئے مگر خود بخود شوق میں اگر آواز بلند ہو جائے تو یہ جہر وہ نہیں جس کی ممانعت آئی ہے کہ: چلا کر ذکر نہ کرو، چنانچہ فرمایا کہ میرا حجرہ حالانکہ مدرسہ کے پاس تھا، مگر جہر کی وجہ سے مدرسہ اور دیگر قسم کے شور بالکل سنائی نہیں دیا کرتے تھے، اور رفع خیالات اور یکسوئی کے خیال سے اگر شیخ کسی کو زور کے ذکر کو فرمائے تو وہ ازالہ مرض کے لئے ہیں اور علاج کے لئے ایسا کرنا منہی عنہ نہیں ہے اور یہ ذکر جہر کچھ صحبت کی کمی کو بھی تھوڑا بہت پورا کرتا ہے (مجالس رائپوریؒ صفحہ ۱۲۴)

(۲) قریبی گاؤں کے سید صاحب حضرت والا (حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ) سے بیعت ہوئے ہیں، حضرت والا سے عرض کیا کہ حضرت! جب رات کو گھر میں ذکر کرتا ہوں تو گھر کے اور کنبہ کے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری نیند میں خلل نہ ڈالو، خدا تو آہستہ آواز میں بھی سنتا ہے اور یہی مسجد کے پڑوسی بھی کہتے ہیں، اگر حکم ہو تو گاؤں سے جو باہر جگہ ہے وہاں جا کر ذکر کیا کروں؟ اور کہا کہ یہ خالی زمین میں نے اپنی قبر کے لئے متعین کر رکھی ہے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ اجازت کی کیا بات ہے جہاں ذکر کرنے سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو وہاں ذکر کر لیا کرو، جیسے اب بات کر رہے ہو اتنی آواز سے بھی ذکر جہر ہو سکتا ہے اور کسی کو تکلیف بھی نہیں ہو سکتی، اور قبر کے لئے جگہ پہلے سے نیت کی، کیا بات ہے؟ عرض کیا کہ قبر اپنی موت یاد رکھنے کے لئے۔ فرمایا کہ اور لوگوں کی قبروں کو دیکھ کر موت کو یاد کر لیا کرو کہ مجھ کو بھی یہاں آنا ہے اور مرنا ہے اور اس لئے (بھی قبر پہلے سے متعین کرنا درست نہیں) کہ نہ تو کسی کو پتہ ہے کہ کہاں مرے اور کہاں دفن ہو اور قبر ملے نہ ملے، یہ قصہ قبر والا ہرگز نہ کرنا۔

اور یہ خیال اپنے دل سے بالکل نکال دو اور پاس بھی نہ بھٹکنے دینا کہ پیر بننا ہے اور اگر ایسا خیال کرو گے تو فسادِ نیت کی وجہ سے پھر کچھ بھی نہ ہوگا، یہی کیا کم ہے کہ خدا کا فضل ہو جائے اور چھٹکارا ہو جائے اور اس کے فضل سے بیڑا پار ہو جائے، باقی فضل ہو جائے تو اللہ میاں نے جس سے کام لینا ہوا سے پیر بنا دیتے ہیں، یہ اپنے بس کی بات نہیں، بلکہ ایسا خیال رکھنے سے نقصان ہوتا ہے، تم تو یوں سمجھ لو کہ نہ میں پیر ہوں نہ مرید، وہی چاہے تو آدمی پیر بھی بن سکتا ہے اور مرید بھی۔

(مجالس رائپوری صفحہ ۳۷۳،۳۷۴)

☆ ایک موقع پر حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ کی خانقاہ میں اعتکاف میں تھا، موبائل کے ذریعہ حضرت شیخ سے رابطہ کیا تو پوچھا تم اعتکاف میں نہیں ہو؟ میں نے عرض کیا۔ اعتکاف میں ہوں اور موبائل کے ذریعہ بات کر رہا ہوں تو ڈانٹ کر فرمایا دفع کرو موبائل کو، وقت سے فائدہ اٹھاؤ۔

☆ ایک مرتبہ کلاس میں تشریف فرما تھے، تپائی پر ایک روپے کا سنہری سکہ پڑا تھا، حضرت نے وہ دیکھ لیا پھر فرمایا یہ سکہ کیسے نظر آ گیا؟ کتاب کے حروف تو نظر نہیں آتے (ان دنوں حضرت توضیح پڑھانے کے لئے موٹا شیشہ استعمال فرماتے تھے) مزید فرمایا کہ: پیسے میں حرکت ہوتی ہے، جب پیسہ جیب میں ہو تو آرام نہیں کرنے دیتا ہے، طلباء سے کہتا ہے چلو شاہدرہ چل کر جلیبیاں کھاتے ہیں۔

☆ حضرت شیخ اپنے مریدین کا بہت خیال فرماتے تھے، ایک مرتبہ میں حاضر ہوا تو پوچھا وہ احمد پور والے ساتھی ہیں مولانا الطاف صاحب، ان کا پتہ نہیں کیا حال ہے، ان کو اچھی خاصی تکلیف تھی، میں نے عرض کیا حضرت! ابھی فون کے ذریعہ معلوم کر لیتے ہیں، چنانچہ مولانا محمد سلیمان صاحب (شیخ الحدیث دارالعلوم فتحیہ احمد پور شرقیہ) سے فون کے ذریعہ مولانا محمد الطاف صاحب کی خیریت دریافت کر کے حضرت کو مطلع کیا تو حضرت کو تسلی ہوگئی۔

☆ جب تک صحت رہی حضرت شیخ ہر سال ۲۹ ویں رمضان شریف کو میرے ختم قرآن مجید کے موقع پر تشریف لاتے تھے، آخری بیان حضرت کا ہی ہوتا تھا اور دعا بھی حضرت کرواتے تھے، ایک مرتبہ راقم نے جامع مسجد الکوثر کوثر کالونی میں قرآن مجید سنایا، ختم کے موقع پر حضرت تشریف لائے، دعا کے بعد جب دیکھا کہ یہاں مٹھائی نہیں بانٹی گئی تو بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور فرمایا "تمہاری مسجد والے اچھے ہیں، مٹھائی کے چکر میں نہیں پڑتے"۔

ختم کے موقع پر ایک مرتبہ مسجد صدیقیہ حنفیہ صادق کالونی میں معروف شاعر مفتی سعید ارشد الحسینی تشریف لائے ہوئے تھے، ہم نے فیصلہ کیا کہ پہلے حضرت شیخ کا بیان اور دعا ہو جائے بعد میں مفتی سعید ارشد کی نظمیں ہوتی رہیں گی تاکہ حضرت شیخ کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانا پڑے، جب حضرت کا بیان مکمل ہو گیا اور حضرت نے دعا بھی کرا دی تب میں نے بتایا کہ حضرت! یہ مشہور نعت خواں ہیں، اب یہ نظمیں پڑھیں گے، حضرت نے فرمایا، "اچھا! میں بھی بیٹھ جاتا ہوں، کچھ میں بھی سن لوں گا" چنانچہ

حضرتؒ دیر تک تشریف فرما ہوئے۔

ختم کے موقع پر ایک مرتبہ بیان کرتے ہوئے فرمایا "میں ماہ رمضان میں کہیں نہیں جاتا، عباسی صاحب مجھ سے محبت کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مجھے بھی ان سے محبت ہے اور پھر یہ مسلک کا کام بھی بہت اچھا کر رہے ہیں، اس لئے میں ان کی دعوت پر آ جاتا ہوں اور آپ کے سامنے کچھ باتیں کر لیتا ہوں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو آخرت میں نفع دیں" اسی سے ملتی جلتی باتیں بطور تمہید کے حضرت نے کیں، مجھے بے حد مسرت ہوئی۔

☆ ایک مرتبہ حضرت شیخ ختم قرآن کے موقع پر تشریف لائے، حسبِ معمول حضرت کے بیان سے پہلے مفتی محمد قاسم صاحب کا بیان ہوا، مفتی صاحب کا بیان کچھ لمبا ہو گیا، حضرت ضعف کی وجہ سے زیادہ دیر نہ بیٹھ سکے، دعا فرمائی اور بیان کے بغیر تشریف لے گئے، میں نے محسوس کیا کہ شاید حضرت ناراض ہو گئے ہیں، چنانچہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت کرنے لگا تو حضرت نے فرمایا: یہ عمر ہے میرے ناراض ہونے کی؟" پھر دیر تک خوش گوار موڈ میں گفتگو فرماتے رہے، مفتی محمد قاسم صاحب کے بیان کی بھی تعریف فرماتے رہے، فرمایا "یہ لڑکا بہت اچھا بولتا ہے، مگر اس رات میری طبیعت میں کچھ ضعف تھا، میں زیادہ دیر نہ بیٹھ سکا۔"

☆ قریباً دو سال قبل حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری ہوئی، میرے موبائل کے ذریعہ حضرتؒ نے شیخ الحدیث حضرت مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی مدظلہ کی عیادت کی، باتوں باتوں میں دونوں شیوخ نے ایک دوسرے کی عمر دریافت کی، حضرت شیخ نے چاند کے حساب سے اپنی عمر ۹۴ سال بتائی، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے اپنی عمر شمسی اعتبار سے ۷۶ سال بتائی، پھر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے مزاحاً فرمایا "میں تو آپ سے سینئر نکلا، میں تو آپ کو بڑا سمجھتا رہا" پھر فرمایا: "علم اور تقویٰ کے اعتبار سے تو آپ پھر بھی بڑے ہیں" دیر تک اس طرح کی گپ شپ ہوئی دونوں شیوخ کی اس بے تکلف گفتگو نے مجھے بہت فرحت بخشی۔

☆ حضرت شیخ نے جو ذکر ذمہ لگایا ہوا تھا کبھی کبھی میں پورا کر لیتا تھا، اکثر ادھورا رہ جاتا، جب حضرت پوچھتے کہ ذکر ہو رہا ہے؟ تو میں جواب دیتا "جی حضرت ہو رہا ہے" حضرت کی مراد یہ ہوتی تھی کہ مکمل ہو رہا ہے کہ نہیں؟ جب کہ میری مراد یہ ہوتی تھی کہ کچھ نہ کچھ تو ہو ہی رہا ہے، ایک مرتبہ حضرت

نے پوچھا تو میں نے حسبِ معمول جواب دے دیا، حضرت نے فرمایا ''بھائی کہاں ہو رہا ہے؟ جس کا ذکر مکمل ہوتا ہے وہ نظر بھی آتا ہے'' میں کانپ گیا، اور پھر سستی ترک کر دی۔

☆ حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی مدظلہٗ سے حضرت کی بہت بے تکلف گپ شپ تھی، میں نے حضرت اوکاڑوی مدظلہٗ کے علاوہ کسی اور کو حضرت شیخ سے ہنسی مزاح کرتے ہوئے نہیں دیکھا، حضرت شیخ کا چہرہ حضرت اوکاڑوی کو دیکھ کر دمکنے لگتا، جب حضرت شیخ کی طبیعت خراب ہوتی تو میری تمنا ہوتی کاش! حضرت اوکاڑوی تشریف لے آئیں۔

مولانا حبیب اللہ صاحب (فیروزہ) اور مولانا عمر فاروق صاحب (بستی رڈاں) تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے لئے سرگودھا جا رہے تھے، میں نے انہیں مشورہ دیا کہ حضرت اوکاڑوی صاحب کے پاس چلے جاؤ تو بہت فائدہ رہے گا، علمی بھی، روحانی بھی۔ انہوں نے کہا اب تو ہم حضرت شیخ سے بھی رخصت لے چکے ہیں، میں نے حضرت شیخ سے فون پر بات کی تو حضرت نے فرمایا ''یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ مولانا محمد انور صاحب کے پاس چلے جائیں، وہ تو اپنے ساتھی ہیں اور بہت ذہین ہیں، انہوں نے (مولانا حبیب اللہ اور مولانا عمر فاروق نے) مجھے اوکاڑوی صاحب کا بتایا نہیں، آپ انہیں کہہ دیں یہ اوکاڑوی صاحب کے پاس ہی چلے جائیں''۔ چنانچہ دونوں ملتان چلے گئے اور ایک سال تک حضرت اوکاڑوی کے علوم و تقویٰ سے بہرہ ور ہوتے رہے۔

☆ حضرت شیخ نے اپنے بیٹوں کی تعلیم کی طرف بھرپور توجہ دی اور آخری حد تک کوشش کی کہ عالم بن جائیں، عالم تو نہ بن سکے تاہم جس شعبہ سے منسلک ہوئے اس میں کامیاب ہیں، انہوں نے حضرت شیخ کی بے پناہ خدمت کی اور حضرت کو راحت پہنچانے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا، آپ کے چھوٹے صاحبزادے تو سعودی عرب سے سکالرشپ چھوڑ کر آ گئے، کچھ عرصہ قبل حضرت شیخ ہسپتال میں تھے، میں نے حضرت کے صاحبزادوں سے بہت اصرار کیا کہ آپ حضرات گھر تشریف لے جائیں، ایک رات ہمیں خدمت کا موقع دیں مگر وہ نہ مانے اور کہا: ''ہمارا اطمینان اسی میں ہے کہ ہم دو بھائیوں میں سے کوئی ایک حضرت کے ساتھ رہے'' اللہ تعالیٰ دونوں صاحبزادوں مخدوم زادہ انیس الرحمٰن صاحب اور مخدوم زادہ عبدالعزیز صاحب اور صاحبزادی کو اس عظیم خدمت کی جزاء عطا فرمائیں اور حضرت کی اہلیہ کا صحت کے ساتھ سایہ قائم رکھیں۔ آمین یا رب العالمین ☆☆

مولانا صہیب احمد مدظلہ☆

حضرت الشیخ رحمہ اللہ

اہل السنۃ والجماعۃ کی عظیم دینی درس گاہ، مادرِ علمی ''دارالعلوم مدنیہ، ماڈل ٹاؤن بی، بہاول پور'' کے شیخ الحدیث، علم و عمل، تقویٰ، اخلاص، اخلاق، کردار اور استقامت کے کوہِ ہمالیہ ہمارے محبوب استاذِ مکرم حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ تقریباً نصف صدی تک علوم دین کی شمعیں بکھیرنے کے بعد ۲۵ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ بمطابق 12، اکتوبر 2012ء بروز جمعۃ المبارک بوقت عشاء فتنوں کی اس چلچلاتی دھوپ میں ہمیں اکیلا چھوڑ کر بقضائے الٰہی اس دارِ فانی سے تشریف لے گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون، ان للہ مااخذ ولہ مااعطیٰ و کل شی ء عندہ باجل مسمی۔ اللھم اجرنا فی مصیبتنا واخلفنا خیراً منھا۔

برادران مکرم حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی مدظلہم، شیخ زادہ حضرت مولانا سرفراز حسن خان حمزہ اور برادر عزیز مولانا محمد صدیق قریشی کے فرمان، پُرزور اصرار اور حکم پر چند ٹوٹی پھوٹی بے ربط باتیں حاضر خدمت ہیں ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

اپنے ماضی کی طرف نظر دوڑائی تو وہ منظر سامنے آ گیا جب مَیں نے ہوش سنبھالا تھا، وہ غالبًا 1986-87 کا سال تھا، بندہ کے والد ماجد حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور نے مجھے قرآن کریم حفظ کے لیے مادرِ علمی ''دارالعلوم مدنیہ'' میں استاذِ مکرم حضرت مولانا قاری محمد امین صاحب مدظلہ العالی کی کلاس میں داخل کرایا تو مدرسہ میں دیگر چند بزرگوں کے ساتھ ایک نورانی چہرہ کی بھی روزانہ زیارت ہونے لگی، مدرسہ کے اجتماعات میں آپؒ کے بیانات بھی ہوتے رہتے تھے، حضرت والد ماجد مرحوم و مغفور باوجودیکہ اُن سے عمر میں بڑے تھے، اُن کا بے حد احترام واکرام کرتے تھے، مدرسہ کی تقریبات میں اختتامی دُعا بھی اُنہی سے کرواتے تھے بلکہ یوں کہیں کہ آپؒ مدرسہ کی تقریبات کی روح رواں تھے۔

☆ مدرس: دارالعلوم مدنیہ......ابن: شیخ الحدیث حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رحمہ اللہ، بانی: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور

اسی دوران حضرت الشیخ رحمہ اللہ ''دارالعلوم اسلامی مشن'' تشریف لے گئے لیکن والد ماجد مرحوم ومغفور کا اُن کے ساتھ پیار ومحبت والا تعلق بدستور باقی رہا۔

حضرت والد ماجد مرحوم ومغفور کا معمول تھا کہ عید الفطر کے دن وہ بہاول پور شہر میں موجود چند بزرگوں اور اپنے چند بے تکلف دوستوں کے پاس ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے تھے، اس موقع پر ہمیں بھی اپنے ہمراہ لے جاتے، اُن بزرگوں میں ایک حضرت الشیخ رحمہ اللہ بھی تھے، تقریباً ہر سال حضرت الشیخ رحمہ اللہ کے پاس اُن کے گھر والد ماجد مرحوم ومغفور کا جانا ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ کا واقعہ میرے ذہن میں گھوم رہا ہے، حضرت والد ماجد مرحوم ومغفور مجھے حضرت الشیخ رحمہ اللہ کے پاس لے گئے، حضرت الشیخ رحمہ اللہ نے ایک پلیٹ سویوں کی بھر کر مجھے دی، میرا بچپن تھا، اس لیے اتنی مقدار کا میں متحمل نہیں تھا، لیکن حضرتؒ کے اصرار پر اُسے ختم کرنا پڑا، بڑی مشکل سے وہ پلیٹ خالی کی تو حضرت الشیخ رحمہ اللہ نے دوبارہ اسے بھر دیا۔ اب یہ یاد نہیں کہ اُس پلیٹ کے ساتھ میں نے کیا کِیا۔ اسی موقع پر حضرت الشیخ رحمہ اللہ نے مجھے دس (10) روپے عیدی بھی عنایت فرمائی۔

عرصہ پانچ سال بعد حضرت الشیخ رحمہ اللہ ''دارالعلوم اسلامی مشن'' سے واپس ''دارالعلوم مدنیہ'' تشریف لے آئے، اور پھر سے دارالعلوم کی روح اور جان بن گئے، تمام تقاریب میں خصوصی بیان اور دُعا حضرت ہی فرمایا کرتے تھے۔

بندہ نے اپنی تعلیم کے آخری دو سال مادرِ علمی ''جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی'' میں مکمل کیے، اس لیے حدیث شریف کے اسباق میں حضرت الشیخ رحمہ اللہ سے شرف تلمّذ نہ حاصل ہوسکا۔ البتہ درجہ عالیہ میں حضرت الشیخ رحمہ اللہ نے ہمیں ''توضیح تلویح'' پڑھائی تھی، سبق کو اتنا آسان اور سہل کر کے طلباء کے ذہنوں میں اتار دیتے کہ ہمارے ساتھیوں کو یہ دقیق کتاب بھی مشکل نہ لگتی تھی۔

بندہ اپنی کلاس کا کمزور طالب علم تھا، پڑھائی کی طرف توجہ بھی کم ہی رہی، حضرت الشیخ رحمہ اللہ گاہے بگاہے نہایت ہی شفقت، محبت اور نرمی سے مجھے تنبیہ فرماتے رہتے تھے کہ میں اپنی پڑھائی کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دوں۔

اپنے والد مرحوم ومغفور سے متعدد مرتبہ انفرادی واجتماعی مجالس میں یہ بات سنی کہ حضرت الشیخ رحمہ اللہ نے کبھی بھی مشاہرہ میں اضافہ کا مطالبہ نہیں کیا۔ مدرسہ نے جو دیا اُس پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ: اُن کے مخلوق سے سوال نہ کرنے کی برکت ہی ہے کہ ظاہری اسباب بالکل نہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اُن کو دو حج کرائے، ملتان میں اپنا گھر بھی عطا فرمایا۔

شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ بمطابق دسمبر 1995ء میں جب بندہ درجہ اولیٰ کا امتحان دے چکا تھا، رضائے الٰہی سے بندہ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا، اور کچھ ہی عرصہ بعد ۳ ذوالقعدہ ۱۴۱۷ھ بمطابق 13 مارچ 1997ء کو حضرت والد ماجد رحمہ اللہ داغ مفارقت دے گئے۔ اس وقت بندہ درجہ ثالثہ کی ابتدا کر چکا تھا۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی وفات کو ابھی پانچواں سال مکمل نہیں ہوا تھا کہ ۱۰ ذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ بمطابق 25 جنوری 2002ء کو بڑے بھائی اور گھر کے سرپرست حضرت مولانا زبیر احمد صاحب کے انتقال پُر ملال کا دلخراش سانحہ پیش آگیا۔ یہ میرا دورۂ حدیث کا سال تھا۔

دورۂ حدیث سے فراغت کے فوراً بعد میرا تقرر ''دارالعلوم مدنیہ'' میں پہلے سال ''معاون مدرس'' اور دوسرے سال ''مدرس'' کے طور پر ہوگیا۔ یہیں سے میری عملی زندگی کا آغاز ہوا۔ گھر کی سربراہی کی ذمہ داری بھی مجھ پر آن پڑی۔

اس تمام عرصہ میں جو تقریباً دس سال کو محیط ہے، زندگی کے سفر میں بعض مشکل اور تلخ مقامات بھی آئے، ایسے مواقع پر اسباب کی دنیا میں جب نظر دوڑاتا تو حضرت الشیخ رحمہ اللہ ہی میرا سائبان اور آسرا نظر آتے۔ اُنہی کی آغوش میں مجھے اپنے مسائل کا حل، اپنے غموں کا مداویٰ اور اپنی راحت میسر ہوتی تھی۔ حضرت بے حد پیار اور شفقت والا معاملہ فرماتے تھے، دُعائیں دیتے، حوصلہ بڑھاتے، تسلی دیتے، مفید اور مبارک مشورے عنایت فرماتے، غرض جو کچھ بھی آپؒ سے بن پڑتا اور کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مصائب ومشکلات سے پریشان حال جب آپ کی مجلس میں آتا تو سب غم غلط ہو جاتے تھے، آپؒ کی مجلس سے اٹھتے وقت ہمیشہ یہی محسوس ہوا کہ جیسے پریشانی کا وجود سرے سے تھا ہی نہیں۔ واقعۃً اگر حضرت کی شفقتیں، عنایتیں، محبتیں اور مہربانیاں نہ ہوتیں تو شاید بلکہ غالباً میں زمانے کے کسی اور رُخ پر ہوتا۔

حضرت الشیخ رحمہ اللہ کی زندگی کے آخری سال جب آپؒ صاحب فراش تھے، بندہ بطورِ

گاڑی ڈرائیور کے آپؒ کو دار العلوم سے گھر چھوڑ کر آنے کی سعادت کچھ عرصہ میرے حصہ میں رہی، مَیں چونکہ اخبار بینی کا عادی ہوں، اس لیے حضرتؒ سے ملکی اور عالمی مسائل پر گفتگو جاری رہتی تھی، حضرتؒ ملکی اور عالمی خبریں سنتے اور اُن پر اپنا تبصرہ بھی فرماتے تھے۔کوئی اور ساتھی جاتا تو میرے بارے میں فرماتے کہ: اُسے بھیج دو! وہ خبریں سناتا ہے۔

علالت سے قبل حضرتؒ نمازِ ظہر دار العلوم سے متصل مدینہ مسجد میں ہی ادا فرماتے تھے، مجھے یاد نہیں کہ کبھی آپؒ کی تکبیر اولیٰ فوت ہوئی ہو۔

حضرتؒ کی ایک نمایاں خوبی وصفت "استقامت" تھی، آپؒ بڑی استقامت اور پابندی کے ساتھ دار العلوم مدنیہ میں ۴۲ سال تک کریما، نام حق سے صحیح بخاری تک مختلف کتب کی تدریس فرماتے رہے، پانچ سال اسلامی مشن رہے، ۴۵ سال سے زائد عرصہ جامع مسجد ون یونٹ میں امامت وخطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔اس تمام عرصہ میں وقت کی پابندی اور ناغہ نہ کرنا آپ کا خاصہ رہا۔

آپؒ کی ایک بڑی صفت "حق گوئی" بھی تھی، جس بات کو حق سمجھتے، بلا خوف وخطر برملا اُس کا اظہار فرمادیتے تھے، اس معاملے میں لایخافون لومۃ لائم کا مصداق تھے۔ایک صاحب نے شیعہ کو ووٹ دیا تو آپ نے اُن سے ہاتھ ملانے سے انکار کر دیا۔

مجاہدین سے بہت شغف اور محبت تھی، سانحہ لال مسجد کے بعد کی بات ہے کہ ایک صاحب آپ کی خدمت میں کسی کام سے آئے، آپ کو اُن کے بارے میں اطلاع ملی تھی کہ انہوں نے شہداء لال مسجد کے بارے میں نازیبا کلمات کہے ہیں، تو آپ نے اُن سے ملنے انکار کر دیا۔

حضرت کے تقویٰ کو دیکھ کر قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، اپنا کھانا گھر سے ساتھ لاتے تھے، مدرسہ کی سالانہ تعطیلات میں حضرت والد ماجد مرحوم ومغفور زائد گوشت مختلف اساتذہ کو بھیج دیتے تھے، لیکن حضرت الشیخ رحمہ اللہ قبول نہ فرماتے، اگر قبول فرماتے تو رقم ادا کرتے۔ایک استاذ صاحب نے آپؒ سے کہا کہ: کیا آپ سے حرام سمجھتے ہیں؟ فرمایا: میں نے کوئی کہا ہے کہ حرام ہے؟ بس! میرا دل مطمئن نہیں ہوتا۔

دار العلوم مدنیہ کے شعبہ بنات کی انتظامی ذمہ داری احقر کے کندھوں پر ہے، سالانہ افتتاحی

واختتامی تقریبات میں مَیں حضرت الشیخ رحمہ اللہ سے درخواست کرتا تو بڑی ہی شفقت اور محبت کے ساتھ خندہ پیشانی سے قبول فرماتے اور تمام تقریبات میں شریک ہوتے تھے۔کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ مَیں اپنی کم فہمی اور بچپنے کے باعث دورانِ سبق ہی جا کر حضرت سے درخواست کر دیتا تو حضرت شفقت کی حد فرمادیتے اور اسی وقت اٹھ کر چل پڑتے۔

ایک مرتبہ شعبہ بنات کی تعمیر نو کا سنگ بنیاد رکھنا تھا، ٹھیکیدار صاحب نے کہا کہ ابھی چلیں، مَیں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؒ سبق میں مشغول تھے، مَیں نے درخواست کی تو فوراً سبق بند کیا اور طلباء سے فرمایا کہ: مدرسۃ البنات کی تعمیر نو کا سنگ بنیاد رکھنا ہے، ہم وہاں جا رہے ہیں، اور چل پڑے۔

ایک مرتبہ ایک جائز بات پر اپنے ایک شاگرد سے سخت ناراض تھے، شہر کے ایک مدرسہ کی تقریب ختم بخاری میں انہوں نے مصافحہ کرنا چاہا تو آپؒ نے بڑی مشکل سے صرف مصافحہ ہی کیا۔مَیں اُن کے ساتھ کھڑا تھا، مَیں ڈر گیا کہ حضرت جلال میں ہیں، پتہ نہیں میرے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے؟ لیکن آپؒ نے شفقت کی حد فرمادی اور مجھے دیکھتے ہی مسکرا پڑے اور خوشی سے ملے۔

بہاول پور کے ایک مدرسہ کے مہتمم صاحب نے مجھ سے کہا کہ: ہم نے اپنے مدرسہ کے ختم مشکوٰۃ کے لیے حضرت الشیخ رحمہ اللہ سے وقت لینا ہے، آپ ساتھ چلیں، میں اُن کے ہمراہ ہو لیا، حضرت نے حسب سابق شفقت فرمائی اور وقت عنایت فرمایا۔

۱۰ شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ بمطابق 2، اگست 2009ء بروز اتوار میرا نکاح ہوا، اگلے روز دار العلوم ہی میں دعوت ولیمہ کا انتظام تھا، حضرت الشیخ رحمہ اللہ بطورِ مہمان خصوصی تشریف لائے، ہمارے قومی معمول کے مطابق پروگرام میں خاصی تاخیر ہو گئی، لیکن حضرت نے شفقت کی حد فرمائی اور علالت، ضعف وکبر سنی کے باوجود بہت دیر انتظار فرمایا، دعوت کے بعد ہی تشریف لے گئے۔مجھے دوسو (200) روپے ہدیہ بھی عنایت فرمایا۔

استغناء بھی آپ کی خاص صفت تھی، مجھے یا تو آپ کے استغناء پر رشک آتا یا پھر اپنے والد ماجد مرحوم ومغفور کے استغناء پر۔

آخری ایام علالت میں برادرِ عزیز مولانا محمد عاصم کے ہمراہ حاضری ہوئی، بہت ہی شفقت

فرمائی، باوجودیکہ صاحب فراش تھے، اپنے پاس پڑے سیب کی دو ڈلیاں اپنے دست مبارک سے مجھے عنایت فرمائی۔ انہی ایام میں ایک مرتبہ آپؒ کے صاحبزادے بھائی محمد انیس صاحب نے میرے بارے میں پوچھا کہ: آپ نے اِن کو پہچانا ہے؟ تو مسکرا کر فرمایا: اِن کو نہیں پہچانوں گا تو کس کو پہچانوں گا؟ اللہ اکبر، بندہ شرمندگی سے پانی پانی ہو گیا۔ ایک طرف اپنے گناہوں پر نظر جاتی اور دوسری طرف ایک ولی کامل کی اس قدر شفقتوں، عنایتوں اور محبتوں پر۔

اللہ تعالیٰ ہمارے شیخ رحمہ اللہ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے، حسنات قبول فرمائے، سیأت سے درگزر فرمائے، آپؒ کی علمی میراث قیامت تک آپ کی جسمانی و روحانی اولاد میں باقی و ساری رہے۔

۲۶ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ بمطابق 13، اکتوبر 2012ء بروز ہفتہ 11 بجے دن مرکزی عیدگاہ بہاول پور میں آپ کے صاحب زادوں کے فیصلہ کے مطابق آپؒ کے نصف صدی کے رفیق شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم نے آپؒ کا جنازہ پڑھایا۔ آپؒ کا جنازہ بہاول پور کے تاریخی جنازوں میں سے ایک تھا۔ بعد ازاں ون یونٹ قبرستان میں تدفین ہوئی۔ ☆☆

اخلاص......اور......للّٰہیت

استادِ محترم کی تمام خوبیاں اس لیے واقعی ان کی ''خوبیاں'' تھیں کہ وہ ''مخلص'' تھے۔ آپ سراپا اخلاص، تقویٰ اور للّٰہیت کا پیکر تھے۔ آپ کی ہر ہر ادا سے ''اخلاص'' ٹپکتا تھا۔ تعلیم حاصل کی تو اخلاص سے، تدریس شروع کی تو اخلاص سے، امامت وخطابت اور درسِ قرآن کی ذمہ داری نبھائی تو اخلاص سے۔ غرضیکہ ہر کام میں اخلاص ہی اخلاص تھا۔

ایسا عظیم صاحب ایماں کہاں سے آئے　　　اس شان کا مفسّر قرآن کہاں سے آئے

نہ صرف خود انتہائی مخلص بلکہ سراپا اخلاص تھے، بلکہ اپنے تلامذہ، مریدین اور متعلقین کو ''تصحیح عقائد'' کے بعد جس چیز کی سب سے زیادہ اہمیت سے تعلیم وترغیب دیتے وہ ''اخلاص'' تھا۔

☆......فرمایا: ''تصحیح نیت کرلو۔ اس نیت سے نہ پڑھو کہ استاد لگ جاؤں گا، بلکہ اس نیت سے پڑھو کہ اللہ راضی ہو جائے، ثواب ملے۔''

مولانا محمود تمیمی مدظلہ☆

سادگی اور عاجزی کی انوکھی مثال

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے ہر اچھی صفت سے نوازا تھا۔ بالخصوص سادگی اور عاجزی آپ میں بہت تھی۔ یہ دار العلوم مدنیہ کے لیے سعادت کی بات ہے کہ آپ جیسا عظیم مدرس اور ذی شان شیخ الحدیث دار العلوم کو میسر ہوا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا خاص کرم ہے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ صاحبؒ نے بازار جانا تھا، کوئی کام تھا، آپ نے فرمایا: ایسا شخص میرے ساتھ جائے جس کے پاس سواری بھی ہو اور جلدی بھی لے جائے، بحمد اللہ اس ناچیز کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ حضرت شیخ کو موٹر سائیکل پر لے گیا۔ اور بحمد اللہ بہت جلدی لے گیا اور بحفاظت۔ آپ نے فرمایا: ماشاء اللہ، موٹر سائیکل چلانے میں تو بہت ماہر ہو، اللہ تعالیٰ علم میں بھی اسی طرح مہارت دے۔

ایک مرتبہ کسی نے آپ کو تین صد (300) روپے دیئے کہ آپ ان سے بٹیر لے کر تناول فرمائیں، آپ نے اس رقم کو انہی نوٹوں کو محفوظ رکھا، پھر طلباء سے پوچھا کہ: بٹیر کون لائے گا؟ کس کو پتہ ہے؟ سب نے میرا نام لیا کہ مولانا محمود صاحب کو پتہ ہوگا۔ حضرت کی عاجزی اور سادگی پہ میں قربان، باوجود شیخ الحدیث ہونے کے مجھے اپنے پاس نہیں بلایا، بلکہ خود چل کر اوپر والی منزل میں ''کتب خانہ'' میں میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ: ''مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ کو بٹیروں کا معلوم ہے کہ کہاں سے ملتے ہیں، یہ رقم لے لیں اور ان کے بٹیر لا دیں۔'' میں آپ کی سادگی اور عاجزی پر حیران رہ گیا۔ پھر میں نے حاجی عابد صاحب کو فون کیا تو انہوں نے بلا معاوضہ کچھ بٹیر حضرت شیخ صاحبؒ کی خدمت میں بھیج دیئے۔

آپؒ مدرسہ کے انتہائی خیر خواہ تھے، ہر قسم کی خیر خواہی فرماتے تھے، جس کسی کا کام آپؒ کے بس میں ہوتا ضرور کرتے تھے، سفارش کا معاملہ ہوتا تو مہتمم صاحب تک سفارش بھی کر دیتے تھے۔

اس رمضان المبارک میں عیادت کے لیے گھر حاضر ہوا تو آخری ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند فرمائے۔ اور ہمیں اُن کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دار العلوم مدنیہ اور اہلیان بہاولپور کو اُن کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆

☆ مدرس: دار العلوم مدنیہ......ابن: شیخ الحدیث مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم

مولانا محمد ارشد مدظلہ☆

میرے شیخ

تعلیم حاصل کرنے کے بعد اصلاح نفس کے لیے کسی شیخ کی تلاش میں تھا تو اللہ رب العزت نے مدد فرمائی، حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا دیا، عشاء کی نماز حضرتؒ کے پاس پڑھی اور پھر آنے کا مقصد بیان کیا، حضرتؒ نے شفقت فرماتے ہوئے بیعت فرما لیا، اس کے بعد حضرتؒ کے پاس آمد و رفت شروع ہو گئی، چونکہ بندہ کا تعلق درس و تدریس سے تھا، اس کے حوالے سے حضرتؒ بہت نصیحتیں فرماتے تھے۔ مدرسہ میں رہنے کے حوالے سے اور طلباء کے حوالے سے اور انتظامیہ کے حوالہ سے جب بھی کوئی معاملہ ہوتا تو میں حضرتؒ سے مشورہ کرتا، حضرتؒ ایسا مشورہ دیتے کہ دل کو بہت اطمینان ہو جاتا۔

چنانچہ جب میں نے حاصل پور کو چھوڑا تو بعض جگہوں پر مدرسہ کے معاملات کو سنبھالنے کی پیشکش ہوئی تو میں نے حضرت سے مشورہ کیا، حضرتؒ نے منع فرما دیا کہ ایسی ذمہ داری سنبھالنا بہت مشکل کام ہے، البتہ تعلیمی امور سنبھالنے میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت کو میں نے دیکھا کہ تکلیف کے باوجود نماز کے لیے مسجد تشریف لے جاتے تھے۔

ایک دفعہ بندہ خدمت میں حاضر تھا، نماز کا وقت ہو گیا، حضرتؒ مسجد تشریف لے گئے ابھی نماز میں دیر تھی، بیٹھ گئے، جب نماز کا وقت ہوا حضرت اٹھنے لگے میں نے سہارا دینے کی کوشش کی تو حضرت نے اشارہ سے منع فرما دیا اور بڑی مشقت سے خود ہی اٹھے اور نماز پڑھی۔ ایک دفعہ میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے ان کے متعلق پوچھا میں نے بتایا کہ یہ سب قراء کرام ہیں، تعلیم قرآن میں مصروف ہیں حضرت نے ان کو فرمایا کہ دنیا میں سب سے بہتر کام یہی ہے جو آپ حضرات کر رہے ہیں اور بہت سی دعاؤں اور نصیحتوں سے نوازا۔

ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ صادق پبلک سکول بہاولپور میں ایک مرزائی پرنسپل مقرر ہوا اس کے خلاف تحریک میں شہر بھر کے علماء تاجر حضرات وغیرہ سب جمع تھے، ایک مدرسہ میں جمع ہوئے اہل

☆ فاضل: دارالعلوم مدنیہ......مدرس: جامعہ عباسیہ بہاولپور

مدرسہ نے کھانے کا انتظام کیا ہوا تھا، سب حضرات کھانے میں مصروف ہو گئے مگر حضرتؒ ایک طرف بیٹھے رہے، مہتمم مدرسہ نے حضرت سے درخواست کی کھانا لگا ہوا ہے تشریف لے آئیں، حضرت نے فرمایا کہ یہ بچوں کا حق ہے۔

حضرتؒ کی زندگی بھر کا معمول تھا کہ اپنا کھانا خود گھر سے لے آتے تھے، ایک دفعہ حضرتؒ کے مقتدی سے ملاقات ہوئی اس نے حضرت کے بارے میں فرمایا کہ حضرت حقیقی امام ہیں جو امامت کا منصب ہے حضرتؒ سو فیصد اس کے لائق ہیں، حضرت کی حق گوئی اور رعب کی وجہ سے انتظامیہ مسجد کو بھی شرع کے خلاف کام کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔

حاصل پور سے جب میں بہاولپور آ گیا حضرتؒ نے پوچھا کہ وہاں کتنی تنخواہ تھی؟ میں نے حضرتؒ کو بتائی اور یہاں کی بھی بتائی حضرتؒ خوش ہوئے فرمایا کہ دنیاوی فائدہ بھی ہوا۔ میں نے حضرتؒ سے عرض کیا کہ آپ کی دعاؤں سے مسجد کی امامت بھی مل گئی ہے اور مسجد کی بنیاد بھی آپ سے ہی رکھوائی گئی تھی حضرت بہت خوش ہوئے۔

حضرتؒ ہمیشہ استغناء کے ساتھ کام کرنے کی ہدایت فرماتے تھے، ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ کسی کے گھر سے بھی کبھی کھانا نہیں منگوانا۔

حضرتؒ ہمیشہ فرماتے تھے کہ تنخواہ میں اضافہ کا کبھی بھی مطالبہ نہ کرنا، رزق کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ بس میری بدقسمتی ہے کہ حضرتؒ سے کامل استفادہ نہ کر سکا۔☆☆

☆...... فرمایا: "میں (غالباً [ناقل]) سُلّم خود مطالعہ میں حل کر کے آتا تھا، ایک روز استاذِ محترم نے مجھے عبارت پڑھنے کے لیے کہا تو میں نے اس مطالعہ والے حصہ کو یہ سمجھ کو چھوڑ دیا کہ یہ تو پڑھا ہوا ہے اور آگے پڑھنا شروع کر دیا۔ تمام طلباء ہنس پڑے، کہ اسے یہ ہی پتہ نہیں کہ سبق کہاں سے شروع ہو رہا ہے۔ لیکن استاذِ محترم نے اُن کو روکا اور فرمایا: بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ طالب علم مطالعہ میں کتاب حل کر کے آتا ہے، تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو پڑھا ہوا ہے۔ گویا حوصلہ افزائی فرمائی۔ مجھے بھی خوشی ہوئی، کیونکہ حقیقت بھی یہی تھی۔"

☆......☆......☆......☆

مولانا عطاء الرحمٰن☆

ہمارے قابل قدر استاذ رحمہ اللہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے: بے شک اللہ پاک اس علم کو اس طرح قبض نہیں کرے گا کہ بندوں سے چھین لے بلکہ علم قبض کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ علماء کو اٹھا لے گا، یہاں تک کہ ایک عالم بھی باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے اور اُن سے مسئلے پوچھیں گے، وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ علماء حقہ کے وجود سے کائنات کا وجود باقی رہے گا، اور علماء کی موت دراصل انسانیت کی موت ہے۔ علماء کا وجود انسانیت کے لیے رحمت کا ذریعہ ہے۔

ہمارے استاذ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ یقیناً علم وعمل کے پہاڑ تھے، اُن کا وجود اہلیان بہاول پور کے لیے خصوصاً اور عالم اسلام کے لیے عموماً باعث رحمت تھا۔ آپؒ سادی طبیعت کے مالک تھے، عاجزی وانکساری، اخلاص وللّٰہیت، صبر واستقامت جیسے اوصاف سے مزین تھے، تقریباً نصف صدی تک اہلیان بہاول پور آپؒ سے مستفید ہوتے رہے۔

مضت الدھور وماأتين بمثلہ ولھذا اتیٰ فعجزن عن نظائرہ

ہمارے استاذ رحمہ اللہ جس طرح علمی طور پر رشد وہدایت کے چراغ تھے اسی طرح روحانی اعتبار سے بھی خلق کثیر نے آپؒ سے استفادہ کیا۔ آپؒ کی مستقل صحبت اختیار کرنے والوں نے یقیناً آپ سے بہت کچھ حاصل کیا اور اصول بھی یہی ہے کہ خوشبو کی صحبت اختیار کرنے سے خوشبو تو میسر ہوہی جاتی ہے۔ بقول شیخ سعدیؒ

جمال ہمنشیں درمن اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

آج دارالعلوم مدنیہ کے در ودیوار افسردہ ہیں کہ نصف صدی تک ان در ودیوار کے سائے میں بیٹھ کر علم پھیلانے والا شیخ کہاں گیا؟ طلباء واساتذہ غمگین ہیں کہ ان کا ہادی کدھر گیا؟ ون ہونٹ کی

☆ فاضل: دارالعلوم مدنیہ......مدرس: جامعہ نظامیہ، بہاول پور

مسجد اداس ہے کہ منبر ومحراب کی رونق چلی گئی۔ العین تدمع، والقلب یحزن آنکھوں میں آنسو اور دل غمگین ہے۔ ہمارے استاد کمال درجہ کے متقی انسان تھے، کبھی بازار سے مرغی کا گوشت نہیں لیتے تھے، بلکہ زندہ مرغی خرید کر اسے خود ذبح کرتے تھے۔ تصنع اور تکلفات سے کوسوں دور تھے۔ اکثر سنجیدہ اور باوقار رہتے تھے، کبھی پروقار مزاح بھی فرمالیتے تھے۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے، خاص کر جو آپ کے گھر جاکر ملتا اسکا بہت ہی اکرام فرماتے تھے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے بال بال کی مغرت فرمائے، آمین۔☆☆

علم وعمل کے شہسوار

۱۲ اکتوبر ۲۰۱۲ء جمعۃ المبارک کے دن بعد نماز مغرب سرزمین بہاول پور یتیم ہوگئی، بالخصوص علماء اور طلباء۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ نہایت سادہ انسان تھے، مگر علم وعمل کی چمک، دمک ان پر نمایاں تھی، تقویٰ میں ''ولباس التقویٰ'' کے مصداق تھے۔ (لباس تقویٰ سے مراد عمل صالح اور خوف خدا ہے۔ [معارف القرآن، ج۳]) حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ دونوں صفات کے حامل تھے، اخلاق حمیدہ ان کے گھر کی لونڈی تھی، یہی وجہ ہے کہ جو اُن کو ملتا تھا وہ انہی کا ہو کر رہ جاتا تھا، اتباع سنت کا خوب اہتمام تھا۔ آپؒ شریعت وطریقت دونوں میں اعلیٰ معیار پر تھے، آپؒ کی تعلیم وتعلم کی سند بھی اعلیٰ ہے اور تصوف وسلوک کا تعلق بھی نہایت عمدہ ہے۔

آپؒ دین کے کام میں انتہائی مخلص تھے، ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ مخلص عالم کی نشانی یہ ہے کہ دوسرے کو دین کی خدمت کرتے دیکھے تو خوش ہو۔ بالکل یہی کیفیت حضرت رحمہ اللہ کی تھی۔ آپؒ اس سے نہ صرف خوش ہوتے بلکہ دوسروں کے لیے دعا گو بھی رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کو کروٹ کروٹ سکون نصیب فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے۔

آخری گزارش:

حضرت کے تمام تلامذہ ومریدین کو چاہیے کہ روزانہ کم از کم سورۃ یاسین پڑھ کر حضرت کو ایصال ثواب کیا کریں، اور اپنی دُعاؤں میں حضرت کو کبھی نہ بھولیں۔

مولانا قاری محمد اقبال☆

تواضع اور شفقت کے پیکر

1987ء کی بات ہے جب بندہ درجہ اولیٰ میں تھا، استاذیم حضرت مولانا محمد صادق جمال پوری مدظلہم ''صَرف'' پڑھاتے تھے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی خدمت کی توفیق بندہ ناچیز کے حصہ میں آتی رہتی تھی، ایک دفعہ بہاول پور سے علماء کی جماعت ''سہ روزہ'' کے لیے گئی، اس جماعت میں حضرت مولانا قاضی رشید احمد صاحبؒ، حضرت مولانا حافظ سعید صاحبؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ جیسے اکابر علماء اور جبال العلم حضرات شامل تھے، میں بھی استاذ جی کی خدمت کے لیے ساتھ تھا۔ استاذ جیؒ تہجد اور ذکر کی بہت پابندی فرماتے تھے۔

جاتے ہوئے استاذ محترم مولانا صادق مدظلہم نے مجھے فرمایا تھا کہ: ''اشاد الصرف'' ساتھ لے جاؤ! وہاں استاذ جی سے پڑھتے رہنا۔ تعمیل حکم میں مَیں کتاب لے گیا، وہاں جا کر استاذ محترم کو بتایا تو فرمایا: مولوی صادق کو کہنا کہ: یہ وہیں پڑھائے جہاں اس کے پڑھانے کا مقام ہے، یہاں وہ کام کرو جس کے لیے آئے ہوئے ہیں۔

1993ء میں بندہ حرمین شریفین گیا تو ایک روز کیا دیکھتا ہوں کہ حرم مکہ میں بیت اللہ کے قریب استاذ شیخ الحدیث صاحب تشریف لا رہے ہیں، میں دیکھ کر آپؒ کی طرف بڑھا، آپ نے بھی میری طرف توجہ فرمائی، اور فرمایا: کاکا! تم بھی ادھر آئے ہوئے ہو! بہت خوش ہوئے، انتہائی شفقت سے ملے اور پھر عمرہ کے تمام اعمال میں مجھے اپنے ساتھ رکھا۔ جب واپس آگئے تو گاہے بگاہے تذکرہ فرماتے رہتے تھے کہ: یہ میرا حرمین کا ساتھی ہے۔ اس سے آپ کی عاجزی اور شفقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

☆......☆......☆......☆

☆ فاضل ومدرس: دار العلوم مدنیہ

مولانا عبدالرؤف مدظلہ
فاضل ومدرس: دار العلوم مدنیہ، بہاول پور

شفقت، تواضع اور سادگی کے پیکر

اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاص الخاص بندوں میں سے ایک ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ بھی تھے۔

بندہ نے تو آپ کو سراپا شفقت، تواضع اور سادگی کا پیکر پایا، بہت ہی نرمی اور محبت سے پیش آتے تھے، اور یہ مہربانی تمام طلباء کے لیے عام تھی۔ آپ کے فیض محبت کے چشمہ سے سب ہی سیراب ہوئے۔ کبھی کبھار ڈانٹ اور تنبیہ فرماتے تھے، وہ بھی پیار بھری۔

تواضع ایسی تھی کہ اپنے حالات سے کبھی آگاہ نہیں کیا، اپنے آپ کو چھپا کر ہی رکھا، اسی لیے آج جب عزیزم حمزہ سلمہ میرے پاس آیا تو میں حضرت استاذِ محترم کے حالات سے ناواقفی کی بنا پر کچھ بھی نہ بیان کرسکا۔ البتہ ایک واقعہ سنا ہوا تھا جو قابل تحقیق ہے کہ زمانۂ طالب علمی میں حضرت استاذ صاحب رحمہ اللہ کے پاس صرف ایک ہی قمیص ہوتی تھی، رات کو جب سب طلباء سو جاتے، آپ اُسے دھو لیتے اور صبح سب کے اٹھنے سے قبل اُٹھ کر اسے پہن لیتے۔ اسی طرح کافی عرصہ گزار دیا۔ دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں استاذِ محترم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اُن کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین۔

مولانا محمد عارف مدظلہ☆

دیانت وامانت کے کوہِ گراں

استاذ محترم حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ میں دیگر بے پناہ خوبیوں اور صفات حسنہ کے ساتھ ساتھ "دیانت" بھی خوب اعلیٰ درجہ کی تھی، حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بطورِ خاص خیال فرماتے تھے۔ کبھی کسی کا حق نہ مارتے اور اس بارے میں معمولی اور باریک چیزوں پر بھی نظر رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ کے گھر کے باہر ایک مچھلی فروش آیا، آپ نے اُس سے مچھلی خریدنے کے لیے تلوائی، وہ کلو سے کچھ (مثلاً سو گرام) زائد تھی۔ آپ نے ایسا نہیں کیا جیسا کہ عام طور پر ہم کرتے ہیں کہ تھوڑی بہت زیادتی کو خاموشی سے ہضم کر گیا، بلکہ آپ گھر تشریف لے گئے اور اس وزن کے مطابق مکمل رقم طے شدہ ریٹ کے حساب سے ادا فرمائی۔

ایک دوکان سے آپ کے گھر کا سودا ماہانہ اُدھار پر آیا کرتا تھا، آپؒ کی عادت مبارکہ تھی کہ ہر ماہ پابندی سے پہلے سابقہ رقم ادا فرماتے، پھر اگلے ماہ کا کھاتہ شروع فرماتے، مجھے بھی اکثر سودا لانے کی خدمت کی سعادت ملتی تھی، بعض اوقات ایسا ہوتا کہ نیا مہینہ شروع ہوتا اور آپ کے ہاتھ میں گھر والے سودا سلف کی لسٹ تھما دیتے، آپ تشریف لاتے، پہلے سابقہ رقم ادا فرما کر حساب صاف فرماتے، پھر اس لسٹ کا سودا لیتے تھے۔

امیر المؤمنین، خلیفہ چہارم، فاتح خیبر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی دوکان دار سے کچھ خرید رہے تھے، وہ آپ کو پہچانتا نہیں تھا، اچانک اسے علم ہوا تو وہ کہنے لگا: امیر المؤمنین! آپ؟ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ رُک گئے اور اُس سے سودا نہ خریدا کہ شاید یہ میری وجہ سے رعایت کرے اور اسے نقصان اٹھانا پڑے۔ استادِ محترم رحمہ اللہ بھی ایسے واقف کاروں سے سودا نہ خریدتے جن کے بارے میں آپ کا خیال ہوتا کہ وہ لحاظ کرتے ہوئے رعایت کریں گے۔ مبادا اُن کو نقصان نہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ آپؒ کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں آپؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔☆☆

☆ فاضل ومدرس: دار العلوم مدنیہ، بہاول پور......امام: جامع مسجد کوثر، کوثر کالونی، بہاول پور

مولانا محمد جمیل مدظلہ☆

کچھ یادیں......چند باتیں

جامع المعقول والمنقول، پیر طریقت، رہبر شریعت، استاذ محترم حضرت شیخ الحدیث صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات اقدس کسی تعریف کی محتاج نہیں ہے، رب ذوالجلال نے اُستاذ محترم کو ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا تھا، تدریس کا میدان ہو یا طریقت کا، حق وصداقت کا میدان ہو یا خدمت خلق کا، قدرت نے استاذ جی کو ہر میدان کا شہسوار بنایا تھا، زہد وتقویٰ، اخلاص وللّٰہیت، قناعت پسندی، خودداری، حق گوئی، اکابر علماء دیوبند کی صحیح ترجمانی، تواضع، انکساری، عفت وپاک دامنی، اتباع سنت، ذکر الٰہی، تردید فرقِ باطلہ، بے حد شفقت، پابندئ وقت جیسی صفات استاذ محترم رحمہ اللہ کی ذات اقدس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ آپؒ حق بات فرمانے سے کبھی بھی نہیں گھبراتے تھے، اور نہ ہی کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ کرتے تھے۔ چاہے سامنے حکومت کے کارندے ہوں یا عہدے والے مالدار ہوں، ہمیشہ علمائے حقہ کی صحیح ترجمانی کرتے رہے۔ ذیل میں آپؒ سے متعلق چند یادیں درج کی جاتی ہیں۔

ایک مرتبہ ایک صاحب نے آپؒ کو نکاح پڑھانے کے لیے دعوت دی، آپؒ بروقت پہنچ گئے، جیسے ہی تقریب شروع ہوئی تو ایک آدمی تصویر بنانے لگا، آپؒ سخت ناراض ہوئے، اور باہر تشریف لے آئے، پھر لوگوں نے بڑی منت وسماجت کے ساتھ راضی کیا، اور اپنے اس خلاف شرع فعل پر نادم بھی ہوئے۔

ایک مرتبہ آپؒ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ویڈیو بننا شروع ہوگئی تو آپؒ نے جلدی جلدی اپنے چہرہ مبارک پر کپڑا ڈال لیا اور تصویر بنوانے سے محفوظ ہوگئے۔

اسی طرح آپؒ کا جنازہ اٹھانے سے پہلے ایک صاحب نے موبائل کے ذریعہ آپ کی تصویر کھینچی، آپؒ کے ایک قریبی عزیز نے جلدی سے وہ ختم کرادی۔ اور فرمایا: حضرت کی نصیحت ہے کہ

☆ فاضل ومدرس: دار العلوم مدنیہ

میرے مرنے کے بعد بھی کوئی خلاف شرع کام نہ کرنا۔ سبحان اللہ! کتنے عظیم لوگ تھے جو ہمیشہ اتباع سنت کا اہتمام فرماتے تھے اور خلاف شرع کام سے ہمیشہ اجتناب فرماتے تھے۔

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ درس بیضاوی شریف میں تقطیع عبارت، ربط عبارت اور ضمائر پر بہت زور دیتے تھے، اگر کوئی طالب علم سستی کرتا تو تنبیہ فرماتے۔ کتاب حل کروانے کی بہت کوشش فرماتے تھے۔ مختصر مگر جامع انداز میں گفتگو فرماتے تھے، تھوڑے سے وقت میں کافی مقدار میں سبق پڑھا دیتے تھے۔ یہ آپ کی کرامت تھی۔ دورانِ سبق کبھی کبھی علمی لطائف بھی سنا دیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ایک شخص آپؒ کو کسی کے خلاف کوئی بات بتانے لگا، حالانکہ اس کا معاملہ پہلے حل ہو چکا تھا، تو آپؒ بہت ناراض ہوئے، فرمایا: جب معاملہ رفع دفع ہو گیا ہے تو اب مجھے بتانے کی کیا ضرورت ہے؟ مجھے اُن کے بارے میں بدگمان کرنا چاہتا ہے؟ بہت ہی غصہ کا اظہار کیا اور فرمایا: سچے دل سے توبہ کرنے والے کو جب اللہ معاف فرما دیتے ہیں تو ہم کیوں بدگمانی رکھیں؟

ایک مرتبہ دورانِ سبق حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ کا تذکرہ مبارک آیا تو آپؒ نے اُن کا تفصیلی واقعہ سنایا، اور ان کے کافی حالات بیان فرمائے، اس دوران آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

الغرض استاذِ محترم رحمہ اللہ کی ایک ایک ادا قابل رشک اور قابل تقلید تھی۔ خصوصاً دھیمی دھیمی گفتگو بالکل ذہن سے نہیں اُتری۔

دُعا ہے کہ اللہ رب العزت ہم سب کو استاذ جی رحمہ اللہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپؒ کی قبر مبارک پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آپؒ کے لواحقین، تلامذہ، مریدین، محبین، متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ محمد جمیل......یکے از تلامذہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ☆

شیعہ شنیعہ کی تردید کرتے ہوئے ایک بات اکثر ارشاد فرماتے تھے کہ: ''شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا پہلا حق تھا، ابوبکرؓ نے غصب کر لیا۔ اور اس پر صدیق اکبرؓ سمیت خلفائے ثلاثہ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ شیعو! جس نے اول خلیفہ بننا تھا، وہ تو بن گیا، اب تم جتنا مرضی پیٹتے رہو، جو مرضی کرتے رہو، کوئی فائدہ نہیں۔'' آپ کے اس مقولہ ''جس نے بننا تھا وہ تو بن گیا، اب جو مرضی کرتے رہو'' کو ہمارے احباب اکثر اپنی گفتگو میں بطور مزاح کے استعمال کرتے رہتے تھے۔

مولانا عبدالرحمٰن مدظلہ☆

مسلک احناف کے وکیل و ترجمان

استاد محترم حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے گوناگوں صفات سے مالا مال فرمایا تھا۔ آپ کی حیرت انگیز اور قابل تقلید زندگی کا ہر دن صلہ رحمی، شفقت ومحبت، اتباع سنت، علم وتقویٰ، خوش معاملگی، دوسروں کی خدمت، خوش خلقی اور خوش گفتاری کی بے مثال داستانیں اپنے دامن میں لیے ہوئے تھا، آپ کا ایک اہم وصف مسلک احناف کا دفاع وترجمانی تھا۔ آپ اپنے اسباق میں بڑے ہی والہانہ مگر مدلل انداز میں احناف کے مسلک کو بیان فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ دوران سبق ایک طالب علم نے کسی مسئلہ کے بارے میں کہہ دیا کہ: استاد جی! احناف کا مسلک یہ ہے اور شوافع کا یہ، لیکن مولانا......صاحب نے شوافع کے مسلک کو راجح قرار دیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ استاد محترم جلال میں آ گئے اور شوافع کے دلائل کا خوب ناقدانہ تجزیہ کر کے مسلک احناف پر دلائل کا انبار لگاتے ہوئے فرمایا: بلاؤ مولانا......کو، وہ کیسے کہتے ہیں کہ شوافع کا مسلک راجح ہے؟ پھر جب کبھی احناف وشوافع کا اختلافی مسئلہ آتا تو دلائل بیان کرنے کے بعد اس طالب کو متوجہ کرتے اور فرماتے: ہاں بھئی! اب بتاؤ! احناف کا مسلک راجح ہے یا شوافع کا؟ گویا پکے اور راسخ حنفی تھے۔

ایک دفعہ استاد جی نے فرمایا: ''ایک مرتبہ میں شہر سے باہر کہیں جا رہا تھا، راستے میں سائیکل پنکچر ہو گئی، تو بڑی پریشانی ہوئی......'' استاد جی کے ساتھ بیٹھے ایک مزاحیہ ساتھی نے پوچھا: استاد جی! آپ کے پاس سٹپنی نہیں تھی؟ پہلے تو استاد جی اس کی بات سمجھے نہیں، جب سمجھ آئی تو اس قدر ہنسے کہ آپ کو اتنا ہنستے کبھی نہیں دیکھا گیا، بہت دیر ہنستے رہے، پھر خود فرمایا: میں زندگی میں اتنا کبھی نہیں ہنسا۔ اور پھر آپ نے اُس ساتھی کے بولنے پر پابندی لگا دی کہ آئندہ تُو نے کلاس میں نہیں بولنا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاد محترم کے درجات بلند فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ پس ماندگان کو صبر جمیل دے اور ہم سب کو استاد محترم کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین

☆ فاضل ومدرس: دار العلوم مدنیہ

مولانا محمد اسامہ مدظلہ☆

اخلاص اور دنیا سے بے رغبتی کی نادر مثال

استاذِ محترم حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا، بالخصوص اخلاص اور دنیا سے بے رغبتی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

ایک مرتبہ آپ بہت رنجیدہ تھے، ہم نے وجہ پوچھی تو فرمایا: میرا فلاں بیٹا سعودی عرب چلا گیا ہے، تعلیم بھی حاصل کر رہا ہے اور حکومت کی طرف سے اُسے ریالوں کی شکل میں خاصی رقم بھی ملتی ہے، لیکن اس کا حرص ختم نہیں ہو رہا۔ اس وجہ سے پریشان ہوں۔ آپؒ اکثر اپنے بیٹوں کے لیے دُعا گو رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو بھی اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے۔ ان شاء اللہ آپ کی دعائیں ضرور رنگ لائیں گی۔

ایک دفعہ مجھ سے فرمایا: دین سے تعلق ضرور رکھو، مدرسہ سے تعلق ٹوٹنے نہ پائے، جو کچھ بھی ہو جائے مدرسہ سے وابستگی ضرور رکھیں، میں نے عرض کیا کہ: استاد جی! مہنگائی بہت ہے، (یہ فقیر مدرسہ میں ابتدائی دو سال تو بلا معاوضہ خدمت کرتا رہا، پھر دو ہزار مشاہرہ مقرر ہوا۔ جب میرا نکاح ہوا تو اس وقت مشاہرہ 2500 تھا۔) مدرسہ کی تنخواہ پر گزارہ مشکل ہے، آپؒ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اسی کم تنخواہ میں برکت ڈال دیں گے۔

فرماتے تھے کہ ایسا وقت بھی آیا ہے کہ مَیں صرف ایک طالب علم کو پڑھانے کے لیے آیا کرتا تھا، صرف یہی سوچتا تھا کہ یہ پڑھ جائے گا تو کتنوں کو پڑھائے گا۔ دین کا کام کرے گا، مجھے ثواب ملتا رہے گا۔

آپ کی علالت کے ایام میں ایک مرتبہ آپؒ کو بہت خوش دیکھا تو ہم نے وجہ دریافت کی، تو فرمایا: الحمد للہ آج کھڑے ہو کر نماز ادا کی ہے، اس لیے خوشی ہو رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ استاذِ محترم کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں اُن کے نقش قدم پر چلائے، آمین۔

☆ فاضل و مدرس: دار العلوم مدنیہ

مولانا رفیق الرحمٰن مدظلہ☆

منتشر یادیں

ہمارے شیخ رحمہ اللہ کی تمام علماء وطلباء پر خاص شفقت تھی، لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھ پر بالخصوص مشفق تھے اور خاص پیار فرماتے تھے، اور زمانہ طالب علمی میں میرے ذمہ اپنی خدمت کے کام لگایا کرتے تھے، جب کام کر چکتا تو دُعا سے نوازتے تھے کہ: اللہ آپ سے دین کا کام لے۔

دار العلوم سے جو ماہانہ وظیفہ ملتا تھا، معاون مدیر صاحب شفقتاً میرے ذمہ لگاتے، بالخصوص شعبان ورمضان میں وظیفہ پہنچانے کے لیے میں گھر حاضر ہو کر آپؒ کی خدمت میں پیش کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وظیفہ دیتے ہوئے میں نے عرض کیا کہ: شمار کر لیں! تو مسکراتے ہوئے فرمایا: آپ کے دیئے ہوئے پیسوں کو گننے کی ضرورت نہیں۔ میں آپ کے مزاج سے واقف ہوں۔ جب بھی حاضری ہوتی پانی وغیرہ ضرور پوچھتے تھے۔

آپؒ کے تقویٰ اور پرہیزگاری سے سب بخوبی واقف ہیں، اوقات کی پابندی ایک اعلیٰ مثال ہے، اس کے علاوہ آپ کے وقت میں جو برکت تھی اس کو طلباء بطور خاص محسوس کیا کرتے تھے۔ سبق کی مطلوبہ مقدار اکمل طریقہ سے پوری ہو جاتی، اور کچھ وقت بچ بھی جاتا۔

طلباء پر شفقت بھی خوب تھی، اندازِ تفہیم و تنقیح بھی بہت ہی خوب تھا، ایک مرتبہ ظہر کے بعد بخاری شریف کے سبق میں کچھ طلباء ایک دو منٹ تاخیر سے پہنچے تو فرمایا: آپ اب شاید یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بڑے درجے میں پہنچ گئے ہیں، عالم بن گئے ہیں، لہٰذا اپنی مرضی کریں! یہ درست نہیں، تاخیر برداشت نہیں ہوگی، میں آپ سے بھی بڑا عالم ہوں، آپ نے پابندی نہ کی تو آپ کو جوتے بھی لگاؤں گا۔

آپؒ ولی کامل تھے، ایک مرتبہ ہمارے ایک ساتھی مولانا محمد عمران صاحب حال مدرس: جامعہ عباسیہ بہاول پور، استاذِ محترم کو موٹر سائیکل پر گھر چھوڑنے جا رہے تھے، راستے میں موٹر سائیکل پنکچر ہو گیا، ادھر نماز عصر کا وقت قریب تھا، عمران بھائی نے استاذِ محترم کو بتایا کہ: استاد جی! موٹر سائیکل پنکچر ہو گیا ہے، ہوا ختم ہو گئی ہے، آپؒ نے فرمایا: چلتے رہو، یہ خود صحیح ہو جائے گا، وہ تعمیل حکم میں چلتے

☆ فاضل و مدرس: دار العلوم مدنیہ

رہے، آپؒ کی کرامت کہ ہوا بھی مکمل ہوگئی اور پنکچر بھی خود بخود ہی ٹھیک ہوگیا۔

مجھے جب امامت کی ذمہ داری ملی تو حضرتؒ نے مجھ سے مسجد کا حال پوچھا، عرض کیا: سب کام ٹھیک ہے، صرف تنخواہ قسط وار ملتی ہے، فرمایا: کام جاری رکھو، متولی کے لیے دُعا کرتے رہو۔ ممکن ہے اس کے حالات درست نہ ہوں۔ آپ کے فرمان پر عمل کرتا رہا، بحمد اللہ چھ سال ہوگئے ہیں، کام بھی جاری ہے، وظیفہ کی روٹین میں بھی قدرے بہتری آگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی مغفرت فرمائے۔☆

علمی شوق وذوق......اور......مطالعہ وتکرار کی ترغیب

استادِ محترم کو علم سے از حد لگاؤ تھا، گویا علم وذکر آپ کا اوڑھنا اور بچھونا تھے۔ دن رات یا تو علمی مصروفیات میں بسر فرماتے، یا ذکر الٰہی میں۔ علمی انہماک اور ذوق وشوق زمانہ طالب علمی ہی سے خوب بلکہ خوب تر تھا۔

☆...... آپ نے ''قطبی'' کبیر والہ میں مولانا عبد المجید لدھیانوی مدظلہم کے پاس پڑھی تھی، مولانا عبد المجید مدظلہم فرماتے ہیں کہ: ''پوری کلاس میں صحیح معنوں میں قطبی سمجھنے والا صرف محمد حنیف ہی تھا۔''

☆...... شوق مطالعہ اس قدر تھا کہ ایک روز نمازِ عصر کے متصل بعد دعا سے قبل ''تسبیحات فاطمی'' کی بجائے ''شرح تہذیب'' کا مطالعہ شروع کردیا۔ آپ کے استادِ محترم نے دیکھا تو منع فرمادیا کہ اِس وقت نہیں، یہ وقت تسبیحات کا ہے۔ آپ کی عاجزی کی انتہاء تھی کہ اپنے اس شوق کو اپنے اساتذہ کی مرہون منت قرار دیتے تھے کہ: ''ہمارے اساتذہ اس قدر ترغیب دیتے تھے، اس قدر ترغیب دیتے تھے کہ ہم ہر وقت پڑھنے میں ہی لگے رہتے تھے۔''

نہ صرف یہ کہ خود کو علمی شغف تھا، بلکہ اپنے تلامذہ کو بھی گاہے بگاہے خوب خوب ترغیب دیتے اور متوجہ فرماتے تھے۔ چنانچہ ہر سال مدرسہ کی افتتاحی دعا میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے حوالے سے فرماتے کہ: ''جو طالب تین کام کرلے، اس کے لیے مضبوط علمی استعداد کا ضامن میں ہوں، [ا] آئندہ سبق کا مکمل مطالعہ...... [۲] سبق میں خوب توجہ اور دھیان...... [۳] پڑھے ہوئے سبق کا کم از کم ایک مرتبہ تکرار۔ پھر بے شک کتاب بند کرکے الماری میں رکھ دو۔ ان شاء اللہ نہیں بھولے گی۔ پھر دورانِ سال بھی گاہے بگاہے مختلف انداز سے مطالعہ وتکرار وسبق میں دھیان کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔

مولانا محمد نوید، حاصل پوری

حافظ محمد سلیم مدظلہ☆

جامع الصفات شخصیت

شیخ الحدیث، استاذ العلماء، ولی کامل حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ ایک جامع الصفات شخصیت تھے۔ ہمہ قسم کے امتیازی کمالات اور اعلیٰ خصائل من جانب اللہ آپ میں وافر مقدار میں ودیعت فرمائے گئے تھے۔ آپ کی ذات گرامی علم وعمل کا مہر عالم تاب تھی، آپ علم واخلاق اور روحانیت کی ایک مرکزی شخصیت تھے۔ آپ کی ذات گرامی عوام وخواص کا مرجع تھی، آپ ایثار وقربانی کے مجسم پیکر اور اخلاق عظیم کے مظہر تھے۔ جامعیت علم وتقویٰ، عزم وعمل آپ کی زندگی کا طرۂ امتیاز تھے۔ آپ اسلاف کے صحیح جانشین اور یادگار تھے۔ ملنے والوں سے آپ کا معاملہ انتہائی حُسن سلوک کا ہوتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ اس دور کی عظیم المرتبت اور مقبول ترین ہستی اور فی زمانہ علوم اسلامیہ اور کمالات انسانیہ میں اپنی نظیر آپ تھے۔

خاص طور پر ''اخلاص'' آپ میں کوٹ کوٹ کے بھرا ہوا تھا۔ اپنے متعلقین کو بھی خلوصِ نیت کے ساتھ کام کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ مَیں مِلا تو فرمایا: کاکا! تم کیا کرتے ہو؟ عرض کیا: یہیں مدنیہ میں پڑھاتا ہوں، فرمایا: کیا پڑھاتے ہو؟ عرض کیا: انگریزی، ریاضی، سائنس وغیرہ۔ فرمایا: بے شک انگریزی پڑھاتے رہو، لیکن رہو مدرسہ میں، دینی ماحول میں رہو۔

اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا: اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے پڑھاؤ! اور اگر تم سمجھو کہ اخلاص نہیں ہے، تو کام نہ چھوڑو، بلکہ اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہو اور کام میں بھی بدستور لگے رہو۔ کام نہ چھوڑو۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو کروٹ کروٹ راحت نصیب فرمائے۔ اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اخلاص کے ساتھ دین پر قائم رہنے کی توفیق سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔☆

☆ مدرس: دار العلوم مدنیہ

عبدالمتین صاحب، بہاول پور

جامع شریعت وطریقت

سلسلہ عالیہ چشتیہ (رائے پور) کے عظیم بزرگ، شیخ الحدیث، پیرطریقت، ولی کامل، حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ شریعت وطریقت کے جامع تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بے پناہ لائقِ تقلید خوبیوں سے نوازا تھا، وہ نہ صرف میرے لیے بلکہ اہل بہاول پور اور بالخصوص دارالعلوم مدنیہ اور رائے پوری سلسلہ کے متوسلین کے لیے ابر رحمت تھے۔ علم میں وسعت بھی تھی اور مضبوطی بھی، گہرائی بھی تھی اور پختگی بھی، عمل میں استقامت بھی تھی اور اتباع سنت بھی۔

آپ امام الاولیاء حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ، حضرت مولانا عبدالعزیزؒ، حضرت مولانا ولی محمدؒ اور حضرت مولانا عبدالمنانؒ کے فیض یافتہ تھے۔ اور آپ کے مشائخ اربعہ کاملین میں سے تھے۔ جن کی صحبت اور تربیت نے آپ کو بھی کامل بنادیا۔

مولانا ولی محمد صاحبؒ تو حضرت مدنیؒ کے تلمیذ اور دیوبند کے فاضل تھے، جبکہ مولانا عبدالمنانؒ، شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کے شاگرد اور سہارن پور کے فاضل تھے، 19 سال حضرت رائے پوری کی خدمت میں رہے۔ خلافت حضرت مولانا یعقوب بھوپالیؒ سے ملی تھی۔

بندہ کا تعلق بھی مذکورہ بالا اکابر سلسلہ رائے پور سے تھا، اسی نسبت سے حضرت شیخ مولانا محمد حنیف رحمہ اللہ سے گہرا تعلق تھا۔ آپ بھی بہت محبت فرماتے تھے۔ چند یادداشتیں سپرد قلم ہیں۔

علمی رُسوخ:

فتاویٰ کی ایک مشہور کتاب میں ''کفو میں نکاح'' سے متعلق ایک مسئلہ لکھا ہوا تھا کہ اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا۔ مجھے یہ بات کچھ عجیب لگی، میں نے حضرت سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: کہ نکاح ہوجاتا ہے، لیکن انہوں نے عوام الناس کے لیے ایسا لکھا ہے تاکہ عوام اس پر جری نہ ہوجائیں۔ ورنہ بہت سے فتنوں کا سخت اندیشہ ہے۔

ایک مرتبہ رمضان المبارک میں ایک عالم سے مسئلہ پوچھا کہ داڑھ سے خون نکل رہا ہے،

باہر تھوکے جارہا ہوں، اندر نہیں گیا، خون کا ذائقہ محسوس ہوتا رہا ہے۔ انہوں نے کہا روزہ ٹوٹ گیا۔ میں نے حضرت سے پوچھا تو فرمایا: نہیں! روزہ نہیں ٹوٹا۔

اسی طرح ایک اور مسئلہ ایک عالم سے پوچھا تو انہوں نے اور طرح بتایا، لیکن میں نے پھر حضرت سے پوچھا تو آپ نے کتاب کا حوالہ دے کر فرمایا کہ فلاں کتاب کے حاشیہ پر یوں لکھا ہوا ہے، اُن کو بتادو۔

ایک مرتبہ ایک عالم سے مسئلہ پوچھا کہ ایک آدمی امام کے پیچھے نماز میں شریک ہوا، امام رکوع کی حالت میں تھا، اِس نے جلدی میں ایک ہی تکبیر کہی اور رکوع میں چلا گیا، قیام نہیں کیا، نہ ہی دوسری تکبیر کہی، تو انہوں نے فرمایا: اس کو رکعت نہیں مل سکی۔ لیکن جب حضرت سے تذکرہ کیا تو فرمایا کہ: نہیں! رکعت مل گئی ہے، جو تکبیر اس نے کہی وہ تکبیر تحریمہ ہے، رکوع کی تکبیر اس سے چھوٹ گئی، وہ نہ فرض ہے نہ واجب، اور رکوع میں اس نے امام کو پالیا تو اس نے رکعت پالی۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے بارے میں مولانا ولی محمد رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے رُسوخ کی وجہ سے مجھے کامل اعتماد تو صرف اُنہی پر تھا۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ایک مرتبہ میں نے شیخ المشائخ مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ سے حضرت شیخ مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: ''وہ؟ اُن کی بات کرتے ہو؟ وہ بڑے منجھے ہوئے عالم ہیں۔'' مولانا ولی محمدؒ کے اس فرمان کے بعد کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ حضرت شیخ کے علم پر اعتماد نہ کیا جائے۔

حکمت وبصیرت:

ایک مرتبہ ایک ساتھی کا اپنے والد سے کوئی جھگڑا ہوگیا، انہوں نے حضرت کو فیصلہ کے لیے بلایا، حضرت نے دونوں کی مکمل بات اطمینان سے سنی، پھر آخر میں والد کے حق میں فیصلہ فرمادیا۔ انہوں نے تسلیم کرلیا۔ لیکن بعد میں انہوں نے حضرت سے پوچھا کہ: حضرت! یہ فیصلہ آپ نے کیسے فرمادیا؟ حالانکہ حق تو میرا تھا! حضرت نے شفقت سے اُن کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: جی! واقعی حق آپ کا تھا، لیکن مقابل میں والد تھے، میں نے آپ کو آپ کے والد کے سامنے جھکایا ہے، کسی غیر کے سامنے تو نہیں جھکایا ناں؟ اس پر وہ حضرت کی حکمت وبصیرت پر حیران وششدر رہ گئے۔

حضرت مولانا عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ کے ایک مرید تھے جو پہلے سودی کاروبار کرتے تھے، بیعت کے بعد ترک کر دیا تھا، لیکن پھر بھی کچھ اثرات تھے، یعنی کچھ نہ کچھ سودی معاملہ باقی تھا، اور سود بہرحال سود ہے، ایک لاکھ ہو یا ایک پائی۔ ان صاحب نے حضرت شیخ رحمہ اللہ کی دعوت کی جو حضرت نے قبول فرمالی، مجھے سخت ترین حیرت ہوئی۔ لیکن خاموش رہا، حضرت اُن کی دعوت پر تشریف لے گئے، کچھ دیگر احباب بھی ہمراہ چلے گئے، پہنچتے ہی حضرت نے فرمایا: کھانا لاؤ، مجھے بھوک لگی ہے، اس نے عرض کیا کہ: حضرت! کھانے میں ابھی کچھ دیر ہے، آپ نے فرمایا: کاکا! میں شوگر کا مریض ہوں، اتنے میں آپ نے اُن احباب میں سے کسی کو اشارہ کیا تو فوراً بازار سے کھانا لے آئے، آپ نے وہ تناول فرمایا اور میزبان سے کہا کہ: آپ کی دعوت قبول کر لی، آپ کے گھر آ گیا، اور یہاں بیٹھ کر کھانا بھی کھالیا، اب اجازت؟ چنانچہ اجازت لے کر سب وہاں سے چلے آئے اور اس کا کھانا نہ کھایا۔

میں نے حضرت شیخ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ کو تو معلوم تھا کہ وہ سودی کاروبار کرتا ہے، پھر آپ کیسے تشریف لے گئے؟ آپ نے فرمایا: ''مجھے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اُس کے مال سے مجھے بچائے گا۔ اور دیکھ لو کہ اللہ نے بچالیا۔ اور میں گیا اس نیت سے تھا تاکہ یہ کچھ ہمارے قریب ہو، تاکہ اس کو توبہ کرائیں۔'' پھر واقعی وہ ساتھی قریب ہوا، حضرت شیخ رحمہ اللہ نے توبہ کرائی اور اس نے پکی توبہ کر لی۔ الحمدللہ۔

ایک مرتبہ رمضان سے قبل حضرت شیخ نے اپنی مسجد میں تراویح سنانے کے لیے ایک حافظ صاحب کا انتخاب کیا۔ ایک بزرگ نہیں چاہتے تھے کہ وہ حافظ صاحب وہاں قرآن سنائیں، اُنہوں نے حضرت شیخ کو اُن حافظ صاحب کی شکایات کیں، کہ یہ ایسا ہے، ایسا ہے، ایسا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ حضرت نے ان کی تمام شکایات سننے کے بعد بڑے ادب واحترام سے اُن بزرگوں کو فرمایا: ''محترم! میں نے آپ کے کہنے سے مان لیا کہ اُس نے یہ یہ غلطیاں کی ہیں، لیکن کیا یہ بہتر نہیں کہ ہم اس کے بارے میں اچھا گمان کر لیں کہ اس نے توبہ کر لی ہوگی، اللہ نے بھی معاف فرما دیا ہوگا، اب اگر ہم اسے دھتکار دیں تو وہ ہم سے کٹ جائے گا ممکن ہے دین سے بھی دور ہو جائے، آپ بزرگ ہیں، آپ اگر فرمائیں تو میں اسے روک دیتا ہوں، وہ یہاں نہ آئے، لیکن اس کا نقصان نہ ہو جائے؟'' حضرت نے جب انتہائی ادب سے یہ بات اُن بزرگ سے کہی تو وہ کانپ گئے بے ساختہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے

لگے: ''میری غلطی ہے۔'' ہم حضرت کی حکمت وبصیرت پر حیران رہ گئے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ میری شادی پر تشریف لائے، کیونکہ ہمیں تو معلوم تھا کہ گلے میں ہار وغیرہ ڈالنا درست نہیں، ہم نے کوئی انتظام نہیں کیا، لیکن کچھ احباب پھولوں کے انتہائی قیمتی ہار لے آئے، اب پہننا بھی نہیں چاہتا تھا، اور نہ پہنتا تو اُن کی ناراضگی کا اندیشہ تھا، حضرت نے معاملہ بھانپ لیا اور فرمایا: ''یہ ہار اس کے ہاتھ میں پکڑا دو، خوشبو آتی رہے گی۔'' چنانچہ میں نے وہ ہاتھ میں پکڑ لیا۔

اسی موقع پر سر پر پہننے کے لیے جو ''کلاہ'' بنوایا، اس میں بنوانے والے نے سونے کا کام کروایا، ہمیں بتایا تک نہیں، عین وقت پر بتایا تو میں نے اسے اتار دیا اور نہ پہنا۔

سمال انڈسٹری میں ایک مسجد کی جگہ ویران پڑی تھی، وہاں ہمارے ایک پیر بھائی رہتے ہیں، حضرت شیخ نے اُن سے فرمایا: یہ چاردیواری برسوں سے ویران پڑی ہے، اسے آباد کرو! اُنہوں نے عرض کیا: حضرت لوگ آتے ہی نہیں، کیسے آباد کروں؟ حضرت نے فرمایا: ''جیسے میں کہوں تم ویسے کرو، جاؤ اور وہاں نماز شروع کر دو!'' اس نے عرض کیا کہ: حضرت! کہاں نماز پڑھوں؟ فرمایا: وہ جو چاردیواری ہے، چھوٹی سی۔ اسی میں پڑھو۔ پھر حضرت نے وہاں چھپر ڈلوا دیا۔ نماز شروع کرا دی۔ حضرت کے اخلاص کی برکت سے الحمدللہ آج وہاں عالیشان مسجد ہے۔

تقویٰ:

ایک مرتبہ مَیں نے اور حضرت نے مل کر ''کھَل'' خریدی، بیچنے والے سے وصول کر کے ہم نے جہاں رکھوانی تھی، وہ ہمارے پیر بھائی کی جگہ تھی، انہوں نے کہا کہ: چند دنوں میں میری بچی کی شادی ہے، وہ جگہ اس موقع پر کام آئے گی، اس لیے آپ ابھی صبر کریں، میں شادی کے فوراً بعد وصول کر کے رکھوالوں گا۔ ان شاءاللہ۔

اتفاق کی بات کہ ''کھَل'' کا ریٹ کافی بڑھ گیا، کافی لوگوں نے مشورہ دیا کہ آپ اسے بیچ دیں، ریٹ بڑھا ہوا ہے، کافی منافع ہو جائے گا، چند دن بعد ریٹ کم ہو جائے گا تو پھر خرید لینا، میں تیار ہو گیا، لیکن جب حضرت کو پتہ چلا تو فوراً فرمایا: نہیں! ہم ایسا نہیں کریں گے، بالکل نہیں کریں گے۔ میں نے عرض کیا کہ: کیوں نہیں کریں گے؟ آپ نے فرمایا: یہ حرام ہے۔ میں نے پوچھا: کیوں حرام ہے؟ ہم کب کے پیسے دے چکے ہیں، اب وہ ہماری چیز ہے، لہٰذا ہم آگے فروخت کر رہے ہیں، تو حرام

کیوں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ: بیچنے سے قبل قبضہ ضروری ہے، اور ہم نے ابھی تک قبضہ نہیں کیا، اس لیے آگے بیچنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا ہم نے بعد میں مزدوری دے کر اٹھوائی اور قبضہ کیا، پھر سٹاک کی اور بعد میں معمولی نقصان سے بیچ دی۔ گویا حضرت شیخ نے نقصان تو برداشت کرلیا لیکن خلاف شرع کام کو گوارا نہ فرمایا۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے ہمراہ مولانا عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ کے مزار پر گوجرانوالہ جانا ہوا، واپسی پر شام کے وقت ایک مدرسہ میں بھی گئے، وہاں کی انتظامیہ نے کھانے کا بندوبست کیا، اور رات قیام کی درخواست کی، لیکن حضرت شیخ نے معذرت کی اور ملاقات کرکے وہاں سے نکل آئے۔ نہ کھانا کھایا، نہ قیام قبول فرمایا۔ جب باہر نکل آئے تو مجھے فرمایا: کاکا! رات تو گزارنی ہے، کیا یہاں آپ کے کوئی رشتہ دار، یا تعلق دار ہیں؟ میں حضرت شیخ کو اپنے عزیزوں کے ہاں لے گیا، لیکن میں حیران تھا کہ حضرت کو جب مدرسہ والے ٹھہرنے کا کہہ بھی رہے تھے، تو حضرت وہاں کیوں نہیں رُکے؟ میں نے حضرت سے پوچھ لیا تو فرمایا: ''مدارس میں جو مال آتا ہے ا......وہ طلباء کے لیے ہوتا ہے، ۲......زکوٰۃ وصدقات کا ہوتا ہے، اس سے بچنا چاہیے۔

حضرت شیخ کی بچی کا نکاح تھا، سٹیج وغیرہ سب لگا ہوا تھا، لیکن عین نکاح کے وقت حضرت نے سب حاضرین سے فرمایا: ''چلیں جی، مسجد میں چلیں، نکاح ان شاء اللہ سنت کے مطابق ہوگا۔''

ایک مشہور بزرگ کف پہنتے تھے، سنت کیونکہ کھلے بازو والا لباس ہے، اس لیے حضرت تو کھلے بازو ہی پہنتے، اسی کو پسند فرماتے اور اسی کی ترغیب دیتے تھے، یعنی اتباع سنت کا بہت اہتمام تھا، جب کبھی اُن بزرگ کا تذکرہ آتا تو حضرت بڑی حیرت اور درد سے فرماتے: ''کاکا! یہ بہت عجیب بات ہے کہ وہ کف پہنتے ہیں۔''

حضرت شیخ رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا: ''میں حج پر گیا تو بازار گیا ہی نہیں۔'' عرض کیا کہ: حضرت! تھوڑی بہت خریداری میں کیا حرج ہے؟ فرمایا: ''مجھے ڈر لگتا تھا کہ کہیں فرشتے میرا نام اُن خریداروں میں نہ لکھ دیں جو محض خریداری کے لیے جاتے ہیں۔''

سعودی عرب میں پروفیسر عبداللہ غیر مقلد بہاول پوری صاحب کا بیٹا عبدالرحمٰن غیر مقلد آپ کو ملا اور بات چیت کرنے لگا، دوران گفتگو اُس نے حضرت امام صاحب کے بارے میں سخت

بدتمیزی کے الفاظ استعمال کیے جو انتہائی نازیبا تھے۔ میں قربان جاؤں حضرت کی فراست پر، اُس مقام کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ نے بڑے تحمل سے اُسے فرمایا: ''کاکا! تُو نہ تو مناظرہ کرنے آیا ہے، نہ سمجھنے آیا ہے، تُو تو جھگڑا کرنے آیا ہے، اس لیے میں تجھ سے بات نہیں کرتا۔ اگر تُو بات کرنے آیا ہے، تو یہ کون سا طریقہ ہے بات کرنے کا؟ کیا مَیں نے بھی کہا ہے کہ تیرے بڑے ایسے ویسے ہیں؟ کیا میں نے تیرے کسی بزرگ کو بُرا بھلا کہا ہے؟ اُن کے بارے میں ایسا انداز اختیار کیا ہے؟ بات کرنے کا کوئی سلیقہ بھی ہوتا ہے، کم از کم تہذیب کے دائرے میں بات کرنی چاہیے۔'' اس پر وہ بہت شرمندہ ہوا۔ معذرت بھی کی، لیکن حضرت شیخ رحمہ اللہ نے وہاں اس سے مزید کوئی بات نہ کی۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے معمولات بہت ہی عجیب اور حیران کُن تھے، کبھی کبھی ہم نوجوانوں کو ترغیب کے لیے اپنے معمولات بتاتے تھے کہ: کاکا! میں تو اِس عمر میں اتنا کر رہا ہوں، تم تو نوجوان ہو، اس سے بڑھ کر کرو!۔ فرماتے تھے کہ: میں 1100 بار نفی اثبات اور 4000 بار اسم ذات کا ذکر روزانہ کرتا ہوں۔ علاوہ ازیں قرآن پاک کی ایک پوری منزل بھی پڑھتا ہوں، اپنے بیٹے انیس کو حفظ بھی کرا رہا ہوں، مدرسہ میں اسباق بھی پڑھاتا ہوں، اُن کے لیے مطالعہ بھی کرنا ہوتا ہے۔ مسجد کی ذمہ داری بھی ہے، درسِ قرآن بھی ہے۔ میری مصروفیت کو دیکھ کر میری ساس کہتی تھیں کہ: یہ پاگل ہو جائے گا۔'' پھر حفظ کے بعد اپنے بیٹے انیس کو آٹھویں کلاس تک کی تعلیم بھی حضرت شیخ نے خود گھر میں دی۔

عاجزی......اور......سادگی:

ویسے تو ہمارے سلسلہ رائے پوری میں ''پِسنا'' اور ''مِٹنا'' ہی ہے، اور اسی پر فضلِ باری اترتا ہے، الحمدللہ سلسلے کے سب مخلص متعلقین میں عاجزی وانکساری کا وصف نمایاں نظر آتا ہے، لیکن حضرت شیخ رحمہ اللہ کی عاجزی کمال درجے کی تھی، ایک جید عالم، شیخ الحدیث اور سیکڑوں علماء کے استاد ہونے کے باوجود تکبر اور بڑائی آپ کے قریب سے بھی نہ گزرے تھے۔

جب حضرت شیخ رحمہ اللہ ''اسلامی مشن'' میں تھے، اس دوران حج پر تشریف لے گئے۔ واپسی پر انتہائی خاموشی سے بغیر کسی کو بتائے آپہنچے، نہ استقبال کی خواہش، نہ لوگوں کے ہجوم کا شوق۔ آپ کی آمد کا علم تب ہوا جب آپ مسجد میں وضو کرتے نظر آئے۔ پوچھا گیا: حضرت! آپ تشریف لے آئے؟ فرمایا: جی! پوچھا گیا: کب؟ فرمایا: بس ابھی ابھی پہنچا ہوں، سیدھا اِدھر (مسجد) ہی آیا ہوں۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے ایک مرید کسی بات پر حضرت سے رنجیدہ و ناراض تھے، وہ کہتے ہیں کہ: میں اپنے گھر میں وائٹ واش (سفیدی) کروا رہا تھا، صبح کا ٹائم تھا، دوسری منزل پر کھڑا تھا، کچھ مزدور آ چکے تھے، کچھ ابھی گھروں سے آ رہے تھے، ٹھیکیدار میرے ساتھ تھا، اچانک بیل (گھنٹی) بجی، میں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی مزدور ہوگا، توجہ نہ دی، اتفاق سے باہر حضرت شیخ رحمہ اللہ تشریف لائے تھے، اور ایک مزدور بھی اسی وقت آ پہنچا تھا، ٹھیکیدار نے نیچے جھانکا تو اس مزدور کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ تم دوسری جانب سے آؤ! اُس اشارے کو حضرت شیخ رحمہ اللہ نے بھی دیکھ لیا، اور انہوں نے سمجھا کہ خود صاحب خانہ مجھے اشارہ کر رہا ہے کہ: ''تم چلے جاؤ!'' کیونکہ حضرت کے علم میں تھا کہ وہ مجھ سے ناراض ہے، لیکن حضرت بجائے جانے کے وہیں سامنے والے مکان کے تھڑے پر تشریف فرما ہوگئے۔ کچھ دیر بعد وہ صاحب کسی کام سے اترے تو حضرت کو باہر پایا، سخت حیران ہوئے اور شرمندہ بھی، فوراً ناراضگی ختم کی اور حضرت سے ملے، پھر حضرت کو گھر لے آئے، کچھ دیر بعد حضرت رخصت ہوگئے۔

چند دنوں بعد وہ صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت مسجد میں تشریف فرما تھے، اُن کو دیکھ کر مسکرائے، مصافحہ کیا اور فرمایا: کیا خیال ہے؟ اب میں بھی ایسے (ہاتھ سے چلے جانے کا اشارہ) کروں؟ وہ دم بخود حیران رہ گئے، عرض کیا کہ: حضرت! کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں! فرمایا: اب میں بھی ایسے کر دوں؟ وہ اور حیران ہوئے، پھر عرض کیا: حضرت! کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں، فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ انہوں نے بیٹھ کر پھر پوچھا: حضرت! کیا مطلب؟ حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا: جب میں آپ کے گھر آیا تھا تو آپ نے مجھے ایسے (ہاتھ سے چلے جانے کا اشارہ) کیا تھا ناں؟ اب میں بھی ایسے کروں؟ وہ ساتھی کہتے ہیں، میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی، میں نے عرض کیا: حضرت! میں؟ اور آپ کو ایسے کہوں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ واللہ، باللہ میں مسجد میں بیٹھا ہوں، خدا کی قسم میں نے ایسا بالکل نہیں کیا، اگر میں نے ایسا کیا ہو تو خدا مجھے غرق کر دے! برباد کر دے۔ یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ میں آپ کو ایسے کروں؟ اس پر حضرت شیخ صاحبؒ خاموش ہوگئے اور مزید کچھ نہ فرمایا۔ اور حسب سابق ان پر شفقت ہی فرماتے رہے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ رحمہ اللہ میرے گھر تشریف لائے، میں جلدی سے باہر کی طرف جانے لگا کہ حضرت کے لیے کچھ لے آؤں، حضرت نے دیکھا تو فرمایا: ''کاکا! کدھر جا رہے ہو؟'' عرض کیا:

حضرت! کچھ لینے جا رہا ہوں، فرمایا: کاکا! رہنے دو، جو گھر میں ہے وہی لے آؤ۔ میں نے گھر میں دیکھا تو باسی چاول کے علاوہ کچھ نہ ملا، میں وہی لے آیا، حضرت نے بڑے شوق اور رغبت سے وہی تناول فرمائے اور دُعا سے نوازا۔

بزرگوں سے عقیدت

ایک مرتبہ فرمایا: ''میں اکثر بزرگوں کی خدمت میں حاضری دیتا ہوں، خاص طور پر اپنے سلسلے کے بزرگوں کی خدمت میں، گیارہ چک اور ہڑپہ بکثرت جاتا تھا۔ ایک دفعہ مسجد انتظامیہ نے اعتراض کیا کہ: ''اس مولوی صاحب کو جب دیکھو یہ ہڑپہ جا رہا ہے، نمازیں کوئی اور پڑھا رہا ہے؟'' حضرت شیخ فرماتے ہیں: ''میں نے مسجد کی چابیاں لیں اور ان کی طرف پھینک دیں کہ یہ لو اپنی چابیاں، سنبھالو اپنی مسجد! میں جا رہا ہوں۔ اپنے بزرگوں کی خدمت میں جانا میری ضرورت ہے۔'' اس پر وہ پریشان بھی ہوئے اور نادم بھی، بڑی مشکل سے معذرت وغیرہ کر کے حضرت شیخ کو راضی کیا۔

مولانا عبد المنان صاحب رحمہ اللہ سے اگرچہ حضرت شیخ کی بیعت نہیں تھی، لیکن حضرت شیخ اُن کا بالکل اسی طرح احترام کرتے تھے جیسا کہ پیر و مرشد کا کیا جاتا ہے۔ اور ان کو اپنا پیر کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک کھلی گاڑی میں ہم کہیں جا رہے تھے، مولانا عبد المنان رحمہ اللہ فرنٹ سیٹ پر تشریف فرما تھے، راستے میں نماز کے لیے رکے تو سب داڑھی ٹوپی والوں کو دیکھ کر کسی نے پوچھا: کیا یہ جماعت ہے؟ تو حضرت شیخ نے فوراً فرمایا: جی! یہ جماعت ہے، یہ (مولانا عبد المنان صاحب) ہمارے پیر ہیں اور ہم ان کے مرید ہیں۔

ویسے تو ہمارے سلسلے میں دو ہی چیزوں کا اہتمام ہوتا ہے، اور اسی پر زور دیا جاتا ہے۔ ۱......ذکر ۲......صحبتِ شیخ۔ لیکن اگر کوئی مطالعہ کا شوقین حضرت سے پوچھتا کہ کون سی کتاب کا مطالعہ کروں تو حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کی سوانح کا فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ فرمایا: ''میرے تو کچھ اور عزائم تھے، میں اسکول میں ماسٹر لگا تھا، ارادہ تھا ترقی کرتا کرتا فلاں عہدے تک پہنچوں گا، لیکن جب اللہ والوں کی صحبت میں آیا تو دل نے پلٹا کھایا، اب الحمد للہ کبھی ان چیزوں کا خیال بھی نہیں آیا۔''

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت جیسا اخلاص، تقویٰ اور عاجزی نصیب فرمائے۔ آمین۔

مولانا محمد ہاشم عبداللہ

مجالس شیخ الحدیث رحمہ اللہ

سوموار رات کو تو عجیب ہی معاملہ پیش آیا، رات کے تقریباً ایک بجے تھے ''ٹھک ٹھک ٹھک'' دروازے سے کئی بار آواز آئی۔ میری اچانک آنکھ کھلی، میں دھک سے رہ گیا، میں نے جلدی سے گھڑی کی لائٹ آن کی، دیکھا تو ایک بجے تھے۔ یار! اس ٹائم کون آسکتا ہے؟ اور چلو کوئی بھی آ گیا ہے تو یہ کونسا طریقہ ہے دروازہ بجانے کا؟ نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ، بس لگ گیا دروازہ پیٹنے'' میرے ذہن میں کئی ایک سوالات ابھرے۔

میں بستر سے اٹھنے ہی والا تھا کہ اچانک مؤذن صاحب یہ کہتے ہوئے آئے ''او یار! کالونی کے کچھ آوارہ سے لڑکے ہیں، کہتے ہیں کہ مؤذن صاحب! جلدی جلدی مسجد میں یہ اعلان کر دو کہ کالونی کے سارے لوگ گھروں سے باہر نکل آئیں، کیونکہ ابھی ابھی خبر پہنچی ہے کہ ایک بجے کے بعد دوبارہ زلزلہ کے آنے کا خطرہ ہے جس سے یہ نقصان ہوگا کہ مکانات بلڈنگیں گر پڑیں گی، اور کئی ایک جانوں کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے'' میں نے کہا تو کیا ہوا؟ اعلان کر دو! اس میں کیا حرج ہے؟ اچھا ہی ہے کہ پہلے سے لوگوں کو خبر ہو جائے گی، اور لوگ سنبھل جائیں گے۔ موذن کہنے لگا۔ ابے یار! یہ کہنے والے ایسے لڑکے ہیں جو سال بھر مسجد میں نہیں پھٹکے اور اب بھی ان سے پوچھو کہ تم نے آج کا روزہ رکھا ہے؟ تو ان میں سے اکثر غیر روزہ دار نکلیں گے۔ مجھے تو لگتا ہے یہ سارا جھوٹ ہے اور ایک پروپیگنڈہ ہے۔ میں نے تو ان سے کہہ دیا ہے کہ میں اعلان ویلان نہیں کرتا، پہلے مولانا صاحب (حضرت جی) سے پوچھ آؤ پھر کروں گا، ورنہ خود آ کے کر لو۔

کیونکہ پہلے بھی ایک دفعہ ایک آدمی فوت ہو گیا لوگوں نے آ کر مجھ سے کہا کہ اعلان کر دو! میں نے اعلان کر دیا، اب تو مولانا صاحب سخت غصے ہو گئے، کیونکہ وہ آدمی درحقیقت شیعہ تھا، غیر مسلم تھا۔ اس لیے بھی میں نے تو اب اعلان کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

روڈوں پر لوگ آہستہ آہستہ اکٹھے ہونا شروع ہو گئے تھے اور وقفے وقفے سے مجمع لگا کے

تبصرے شروع کر دیئے تھے۔ کوئی کہہ رہا تھا یار ہر جگہ مسجدوں میں اعلانات ہو رہے تھے۔ ان کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے یہ اعلان نہیں کر رہے؟'' کوئی کہہ رہا تھا: یار! کیا اور جگہوں پہ بھی اسی طرح لوگ باہر نکلے ہوئے ہونگے جس طرح ہم نکلے ہوئے ہیں؟ دوسرا کہتا ''ابے! اور کیا، ابھی فلاں آدمی موٹر سائیکل پر فلاں جگہ سے گزر کر آیا ہے وہاں بھی لوگ گھروں سے باہر نکلے کھڑے تھے۔

تھپ، تھپ، تھپ'' ادھر سے دروازے کی زور زور سے آواز آنے لگی، مؤذن اور میں ادھر آئے اور دروازہ کھولا، ایک لڑکا کھڑا تھا اور کہنے لگا یار موذن! تمہیں پتہ ہے میرے ابو محکمہ بلڈنگ میں ملازم ہیں، ان کو ابھی ابھی چٹھی آئی ہے کہ علاقے سے گھروں کو خالی کراؤ ورنہ کئی جانیں عمارتوں تلے دب کر ہلاک ہو جائیں گی، کیونکہ زلزلے کے آثار دوبارہ دکھائی دیے گئے ہیں۔ یار! تم لوگ اعلان کیوں نہیں کرتے؟'' وہ لڑکا زور زور سے کہتا جا رہا تھا، کچھ ہی فاصلے پر ایک لڑکی کھڑی تھی وہ بھی کرخت آواز میں کہنے لگی اور مسجدوں والے پاگل ہیں جو وہ اعلان کر رہے ہیں؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم اعلان کیوں نہیں کرتے؟۔ کالونی والے لوگوں کو بھی کیا ہو گیا ہے؟ آرام سے گھروں میں گھسے ہوئے ہیں''۔ دانت پیستے ہوئے اور ہاتھ ملتے ہوئے اس نے یہ الفاظ کہے۔

ہم ان سے جان چھڑا کر اس طرف آئے تو دور سے سفید ریش حضرت جی دکھائی دیئے جو مسجد کی طرف تیز تیز قدموں سے چلے آ رہے تھے، لگتا تھا انہیں بھی، ان اوباش لڑکوں نے اٹھا دیا تھا۔ حضرت جی مسجد میں داخل ہوئے اور اللہ کے سامنے عاجزی کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور نفلیں پڑھنا شروع کر دیں، ہم نے بھی وضو بنا کر نیت باندھ لی اور نماز پڑھنا شروع کر دی۔ حضرت جی نے نماز پڑھنے کے بعد اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگی اور چلتے ہوئے، باہر جا کر کھڑے ان لڑکوں کو سمجھایا اور بتلایا کہ ان حالات میں حضورﷺ کا طریقہ کار یہ ہوتا تھا کہ فوراً اللہ کے گھر میں جا کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور گڑگڑا کر دعائیں مانگتے تھے۔ لہٰذا اگر ہمیں بھی ایسے حالات پیش آئیں اور آزمائش کا وقت آ جائے تو ہمیں بھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہیے اور فوراً اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے''، لیکن وہ تھے کہ ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

حضرت جی کے جانے کی دیر تھی ان میں سے کوئی بھی وہاں نظر نہیں آیا اور اِدھر اُدھر کو کھسک گئے، صرف ایک لڑکا تھا جو مسجد میں نظر آ رہا تھا۔

دوستو! ان کھٹن حالات میں ہمارے کرتوت بھی دیکھ لو اور ان اللہ والے بزرگوں کے احوال بھی، زمیں و آسمان کا فرق ہے، مطلب یہ کہ حضرت جی یہ خبر سنتے ہی سیدھے مسجد کی طرف آئے اور بارگاہ الٰہی میں سجدہ ریز ہو گئے اور ہمیں دیکھیں ہم باہر سڑکوں پر کھڑے ہو کر ٹھٹے اور مذاق کر رہے تھے۔ اللہ ہمیں ہدایت کی توفیق دے۔ آمین یا رب العالمین۔

۱۲ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ بمطابق 17 اکتوبر 05ء بروز سوموار

ماشاء اللہ صبح کا درس دینا حضرت جی کا روزانہ کا معمول ہے۔ ویوم ینادیھم فیقول ماذا اجبتم المرسلین (القرآن) یعنی رسالۃ کے اوپر حضرت جی نے بہت ہی دلچسپ درس دیا۔ فاما من تاب وامن الخ کے اوپر حضرت جی نے توبہ کا ایک واقعہ سنایا، وہ عرض کیے دیتا ہوں، حضرت جی نے فرمایا: ایک آدمی تھا جس کا نام تھا شیر محمد، اس کی تقریباً ۳۰ برس کی زندگی چوری چکاری اور ڈاکا زنی میں گزری۔ جب اللہ تعالیٰ ہدایت کے فیصلے کرتے ہیں اور توبہ کے دروازے کھولتے ہیں تو انسان گمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکل کر ہدایت کے روشن چراغ کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے اور لوگوں کی ملامت وطعنہ زنی کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے کامیابی وکامرانی کی چوٹیوں کو عبور کرنے لگتا ہے۔

شیر محمد کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا، وہ حضرت رائے پوری کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبدالعزیز جو چیچہ وطنی کے قریب چک گیارہ میں رہتے تھے۔ آیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اپنے ماقبل والے گناہوں سے ایسا توبہ تائب ہوا کہ اب تو اس کی کایا ہی پلٹ گئی۔

اس کے بعد از توبہ کے احوال سونے کے حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ حضرت جی فرماتے ہیں کہ وہ حقوق العباد کا ایسا خیال رکھنے والا بنا کہ اس نے مثال قائم کر دی۔ وہ ہر اس گھر میں گیا جہاں اس نے چوری یا ڈاکا مارا تھا اور جا کر کہتا کہ میری 16 ایکڑ زمین ہے، اگر آپ بدلہ لینا چاہیں تو میں بدلہ دینے کے لیے تیار ہوں، ورنہ خدا کے لیے مجھے معاف کر دیں۔ تو وہ ظاہر ہے معاف ہی کر دیتا۔

تو حضرت جی فرماتے ہیں، ایسی توبہ ہونی چاہیے، ایسی نہیں کہ توبہ توبہ اور استغفر اللہ استغفر اللہ بھی کہتا جا رہا ہے۔ اور وہی کام کرتا بھی جا رہا ہے۔ صبح کو اٹھ کر سب سے پہلے سنت رسول کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کرتا ہے۔ کیا یہ گناہ نہیں ہے؟ اس سے مجھے مولانا صاحب کی بات یاد آ گئی

جو تحفظ ختم نبوۃ کے مبلغ تھے اور مسجد میں اپیل کرنے آئے تھے فرمایا کہ ''داڑھی کہنے میں سنت ہے لیکن عمل میں فرض ہے''۔ تو حضرت جی فرماتے ہیں کہ ''داڑھی ایسا گناہ ہے کہ بقیہ گناہ تو تھوڑی دیر کے لیے ہوتے ہیں لیکن یہ چوبیس گھنٹے کا گناہ ہے، اسی طرح بقیہ گناہ تو بندہ بیداری کی حالت میں کرتا ہے، لیکن یہ سونے کی حالت میں بھی ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا ہمیں پکی توبہ کرنی چاہیے۔ اور ساتھ ساتھ عمل صالحہ بھی کرنے چاہیں۔ عمل صالح کے بارے میں حضرت جی فرماتے ہیں کہ میں نے رائیونڈ کے اندر بزرگوں سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ اعمال صالحہ کا پتہ کس طرح چلے گا کہ یہ اعمال صالحہ ہیں؟ تو اس کی مختصر تین شرطیں ہیں۔ ۱۔ ایمان ہو۔ ۲۔ نیت صاف ہو یعنی ریا کا شائبہ تک نہ ہو ورنہ وہ تو نبیؐ کے فرمان کے مطابق شرک صغیر ہے۔ ۳۔ شریعت کے مطابق ہو (اتباع سنت)۔ ورنہ وہ بدعت ہوگا۔

مجدد کی تعریف: مجدد آ کر خواہش کے ساتھ ملے ہوئے دین کو صاف کرتا ہے اور الگ الگ کرتا ہے اور بتلاتا ہے کہ یہ دین ہے اور یہ خواہشات محض''۔ یعنی نئے سرے سے دین کو اسی طرح کر دیتا ہے جس طرح وہ تھا۔

عباد اللہ کے لیے اللہ کے قوانین بنے ہوئے ہیں پس اب ہمارا اور ہمارے حکمرانوں کا اسمبلی میں بیٹھ کر کام یہ ہے کہ ان کو نافذ کریں نہ کہ ان قوانین میں ترمیمات شروع کر دیں اور کہنے لگیں کہ دین کا فلاں قانون وحشیانہ ہے اور امن کے خلاف ہے۔ یہ اپنے ناقص عقل وفہم سے توجیہات کرنا سراسر غلط اور جھوٹ ہے بلکہ شرک ہے، کیونکہ اس نے اللہ کے حکم کے ساتھ اپنا حکم باطل پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اللہ کا مقابلہ کر دیا ہے جو شرک ہے۔ اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا رب الجاہین۔

۲۰ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ بروز منگل

''حضرت جی کا درس''۔

سورۃ عنکبوت کی آیت ووصینا الانسان بوالدیہ حسناً وان جاھداك الخ کے تحت حضرت جی نے حضرت مولانا سندھیؒ کا واقعہ بیان فرمایا۔

فرمایا کہ ان کی والدہ کافرہ تھی اور یہ خود مسلم تھے ان کی والدہ نے اسلام قبول نہ کیا اور جب یہ اپنے اس بیٹے کو پکارتی تو غیر مسلم والے نام کے ساتھ پکارتی اور کبھی کبھی تو آ کر مارنے بھی لگ جاتی

لیکن حضرت کا ردعمل یہ تھا کہ اپنا سر نیچے کر لیتے اور کوئی سخت جواب نہ دیتے۔ اللہ ہمیں بھی والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ لیکن اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔" (الحدیث)۔ آمین۔

حضرت جی نے والذین امنوا وعملو الصٰلحات الخ کی تفسیر میں فرمایا کہ "یہ دونوں چیزیں از حد ضروری ہیں ان میں سے ایک چیز ہو تو گاڑی نہیں چلے گی۔ یعنی اگر صرف ایمان ہو اعمال صالحہ نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈالیں گے، کتنا عرصہ رکھیں گے؟ یہ اللہ ہی جانتے ہیں، آخر کار نکالیں گے اور جنت میں بھیجیں گے اور اگر ایمان نہیں صرف اعمال صالحہ ہیں تو ان کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ ایمان کے بغیر عمل رائیگاں ہے۔

حضرت نے اس روز کی شب کو، مشکٰوۃ شریف کا درس دیتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں روزہ روزے کے پورے پورے آداب کے ساتھ رکھنا چاہیے، روزہ کے آداب علمائے کرام نے بہت سارے لکھے ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے ایک ادب یہ بھی لکھا ہے کہ افطاری حلال مال کے ساتھ کی جائے، پھر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جس کی پوری کمائی حرام کی ہو تو وہ کیا کرے؟ تو اس کے لیے حضرت تھانویؒ نے یہ لکھا ہے کہ وہ ادھار لیکر مال خریدے اور اس پر افطار کرے جبکہ بقیہ علماء کو یہ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے یہ بھی جائز نہیں۔ باقی رہی یہ بحث کہ جو آدمی روزے کے آداب کا خیال نہیں رکھتا، کیا اس کے روزے رکھنے سے روزہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟ تو فقہاء جو کہ صورت روزہ پر نظر رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ روزہ کی فرضیت اس کے ذمہ سے ساقط ہو گئی، اگر چہ اس کو اس پر وہ انعامات نہیں ملیں گے جن کا اللہ نے وعدہ فرمایا ہے، جبکہ صوفیا حضرات فرماتے ہیں کہ جو روح روزہ پر نظر رکھتے ہیں، روزہ اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوا۔

آخر میں حضرت جی نے کسی کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ "حضرت افغانیؒ فرماتے تھے کہ داڑھی اسلام میں ہے اسلام داڑھی میں نہیں ہے۔ یعنی جو مسلمان ہے اسے داڑھی رکھوانی چاہیے اور یہ ضروری نہیں کہ جس کی داڑھی ہو وہ مسلمان ہے، جیسا کہ سکھوں کی داڑھیاں ہوتی ہیں۔

اللہ ہمیں داڑھی رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین رب العلمین۔

۲۲ رمضان ۱۴۲۶ھ ۲۹، اکتوبر بروز جمعرات

میں نے دارالعلوم کبیر والا سے دورہ حدیث کیا۔ شروع شروع میں میرے استاد محترم غلام محمد صاحبؒ تھے انہوں نے ہمیں فارسی پڑھائی۔

دوسرے اساتذہ کرام بھی تھے جو مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس رکھا۔ اور کچھ عرصہ بعد مجھے دارالعلوم دیوبند بھیجنے کا ارادہ کیا لیکن ایک بڑے استاد محترم کے مشورہ سے مجھے یہیں رکھا گیا۔ اس کے بعد میں اپنے پیر صاحب کے پاس چلا گیا اور انہوں نے مجھے اس مسجد میں بھیج دیا۔ شروع شروع میں میری تنخواہ ایک سو پچیس روپے تھی بس اسی پر صبر کرتا اور مجاہدہ کرتا رہا۔ اسی طرح جب میں مدنیہ میں پڑھانے گیا تو وہاں بھی یہی حال ہوا ایک سال تک تو کوئی تنخواہ نہیں ملی، اس کے بعد ملی تو صرف پچاس روپے تھی۔ میں گزارہ کرتا رہا، علم واقعی محنت ومشقت اور مجاہدہ سے آتا ہے اور تصوف بھی مجاہدہ سے۔

مجھے یاد ہے کہ جب پہلی بار مدنیہ میں دورہ ہوا اس وقت میری تنخواہ ۲۵۰ تھی پھر کبھی بڑھی، کبھی نہ بڑھی اور مسجد کی تنخواہ تقریباً ۱۵۰ ہو گئی تھی۔

دورہ حدیث کا سبق کے کچھ اسباق مجھے مل گئے تھے۔ شروع شروع میں مجھے ترمذی اور بخاری شریف کی جلد اول کتب پڑھانے کے لیے ملی تھی۔ ان اسباق سے پہلے جو اسباق پڑھاتا تھا وہ جوں کے توں باقی تھے۔ سابقہ اسباق میرے پاس یہ تھے۔ مسلم، بیضاوی، شرح تہذیب، مقامات وغیرہ۔ ان تمام کتب کا مستقل مطالعہ کرنا پڑتا تھا۔

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے (حضرت جی) نے فرمایا کہ پہلے تو اردو شروحات کا نام نشان تک نہ تھا۔ مقامات کی ایک شاندار شرح تھی مولانا شفیع کاندھلویؒ کی، اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر مقامہ کا ربط قرآن مجید کی کسی نہ کسی آیت کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ ہر سبق پر بڑی محنت کرنا پڑتی تھی، سب کچھ برداشت کرتا تھا۔ مجاہدہ کرنا ہی پڑھتا ہے۔

راقم السطور نے مدنیہ کے ایک استاد محترم سے سنا فرماتے تھے کہ "میں استاد مکرم (حضرت جی) کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا۔ سلام ودعا کے بعد اس نے اپنا قصہ پریشانی سنایا، اس پر استاد مکرم نے فرمایا: یہ یاد رکھ کہ جہاں کہیں بھی تم دین کا کام سرانجام دے رہے ہو اور تم جانتے ہو کہ میری ذات سے یہاں کچھ فائدہ ضرور ہو رہا ہے اگر چہ مخالفین اور پریشان کرنے والے مستفیدین حضرات

سے زیادہ ہوں تو تم ڈٹ جاؤ اور ان کی پرواہ کیے بغیر دن رات اپنے نیک کام میں مگن رہو تو تم ایک نہ ایک دن ضرور اپنے کام میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

۱۱رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ 5، اکتوبر 2006ء بروز جمعرات (درس قرآن)

مِن ......وعلیٰ ربهم یتوکلون والذین یجتنبون......الیٰ......لَمِن عزم الامور ط
ایمان والوں کی صفات کا ذکر ہو رہا ہے۔ پہلی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں، دوسری صفت یہ ہے کہ بڑے گناہوں کے ارتکاب کرنے اور بے حیائی کے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں، تیسری صفت یہ ہے کہ جب انہیں غصہ آتا ہے تو وہ عفو و درگزر والا معاملہ کرتے ہیں۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کا حکم آتا ہے تو وہ فوراً لبیک کہتے ہیں۔ ہاں اس کے بارے میں ضرور تحقیق کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا حکم ہے یا نہیں، لیکن جب انہیں معلوم ہو جائے کہ یہ واقعی اللہ کا حکم ہے تو پھر وہ دیر نہیں کرتے، بلکہ بے چوں و چرا اس کو بجا لاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ہر حکم خداوندی ماننے کی توفیق عطا فرمائے۔ پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام ماتحت گورنروں کو یہ لکھ کر بھیجا تھا تم ہر آدمی کے متعلق تحقیق کرو کہ وہ نماز قائم کرتا ہے یا نہیں اگر وہ کرتا ہے تو وہ ضرور باقی معاملات کے اندر بھی درست ہوگا، ورنہ اس بات کا امکان نہیں۔ چھٹی صفت یہ ہے کہ ان کے اہم امور دینی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ واقعی مشورے میں خیر ہے اور برکت ہے اور جمہوریت میں لعنت ہے اور نحوست ہے۔ اسلام کے اندر قلت کثرت کا اعتبار نہیں بلکہ وزن کا اعتبار ہے۔ یعنی مثلاً کسی کو حاکم بنانا ہے تو مشورہ کیا جائے اور سوچا جائے کہ یہ آدمی کیسا ہے؟ یہ کتنے پانی میں ہے؟۔ یہ حاکمیت کے منصب کے لیے مناسب رہے گا یا نہیں؟ یہ طریقہ ہو کہ ایک آدمی کے طرف زیادہ عوام ہو گئی تو اسی کو حاکم بنا دیا جائے یہ غلط ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا!

اس راز کو اِک مردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اِسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے

دراصل پاکستان میں جمہوریت بھی نہیں ہے یہاں تو اقلیت ہے، جمہوریت کا یہ مفہوم ہی نہیں سمجھے۔ جمہوریت کا مفہوم علماء نے انہیں سمجھایا تھا اور مشورہ دیا تھا کہ ''یہ ہے جمہوریت اگر تم نے جمہوریت ہی اختیار کرنی ہے تو یہ درست جمہوریت اختیار کرو'' لیکن عمل نہیں کیا۔

۸، اکتوبر ۲۴رمضان بروز اتوار

فان اعرضوا فما ارسلنك......الیٰ...... انهٗ علیم قدیرٌ یہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کا بیان ہے۔ کفار مکہ چونکہ آپؐ کی بات مانتے نہیں تھے اس لیے آپ پریشان ہوتے، کڑھتے، یہ حالت آپ کی اس واسطے ہوتی کیونکہ آپ کے اندر کمال درد تھا، آپ چاہتے تھے کہ لوگ میری نافرمانی کر کے جہنم کا ایندھن نہ بنیں، تو اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر آپ کو مختلف طریقے سے تسلیاں دی ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی تسلی دے رہے ہیں اور حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ فرمایا اگر وہ کفار مکہ اعراض کریں آپ کے ذمہ ہدایت دینا نہیں ہے آپ کے ذمہ صرف ایمان اسلام کی دعوت پہنچا دینا ہے، ہدایت تو صرف اللہ دے سکتے ہیں، حضورؐ کو جناب ابوطالب سے باپ جیسی محبت تھی اور جناب ابوطالب کو بھی آپؐ سے ایسی محبت تھی جیسے باپ کی محبت بیٹے سے ہوتی ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ لیکن جب مرنے کا وقت آیا اور آپ نے اسے آخر دم تک دعوت دینے کا کام مسلسل جاری رکھا تو پھر بھی کلمہ نہ پڑھا اور بغیر کلمے کے اس دنیا سے چلا گیا اور اللہ نے فرمایا: اِنك لاتهدی من احببت ولكن الله یهدی من یشآء ''تو جو آدمی کہتا ہے کہ مجھے کشف ہوا ہے کہ ابوطالب مرتے وقت مسلمان ہو گیا تھا وہ جھوٹا ہوگا اور قرآن کی اس آیت کے خلاف ہوگا (جو ابھی مذکور ہوئی) صحیح مسلم کے اور صحیح بخاری کے اندر صاف آتا ہے کہ وہ کہنے لگا کہ اگر لوگ یہ نہ کہتے کہ ابوطالب نے جہنم کی آگ کے ڈر کی وجہ سے کلمہ پڑھا ہے تو ابوطالب کلمہ پڑھ لیتا'' اس کے پاس ابوجہل بھی بیٹھا ہوا تھا تو ایک اور کافر بھی تھا۔ جس کا نام عبداللہ تھا باپ کا نام یاد نہیں رہا تو حضورﷺ سے یہ نہیں پوچھا جائیگا کہ تو نے ابوجہل کو جہنم سے کیوں نہیں بچایا؟، ابولہب کو آگ سے کیوں نہیں بچایا؟ ان علیك الا البلاغ''۔

وانا اذا اذقنا الانسان الخ کافر کی کئی حالتیں ہوتی ہیں تو یہاں سے اللہ تعالیٰ ان میں سے اس کی ایک حالت کا ذکر کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ جب ہم انسان کو الخ

یہ آیت ہے تو کافروں کے متعلق لیکن آج مسلمانوں پر یہ پوری منطبق ہوتی ہے۔

الله ملك السموٰت والارض الخ۔ زمین وآسمان کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے۔ اصل حاکم اللہ ہے، ایک جگہ آتا ہے الیس اللہ باحکم الحاکمین'' وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے کسی کو صرف بیٹیاں ہی دیں۔ میرے استاد تھے حضرت مولانا غلام محمد صاحب رحمہ اللہ انہوں نے پہلی شادی کی تو چھ بیٹیاں اور ایک بیٹا ہوا دوسری شادی کی اس سے بھی چھ بیٹیاں اور ایک بیٹا ہوا اور دونوں بیٹے زندگی ہی میں فوت ہوگئے ہاں ایک پوتا بچ گیا جس کے کئی بیٹے ہیں۔ میرے ان استاد کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں اگر انہوں نے میرے سر پر شفقت کا ہاتھ نہ پھیرا ہوتا تو آج میں یہاں نہ بیٹھا ہوتا کچھ اور بلا ہوتا۔ دارالعلوم کبیر والا کے ساتھ ان کا مدرسہ تھا، میں ان کے پاس پڑھتا رہا۔ جب دورہ حدیث پڑھنے کا وقت آیا تو حضرت مولانا عبدالخالقؒ نور اللہ مرقدہ (جو دارالعلوم کبیر والا کے مہتمم تھے اور شیخ الحدیث بھی) سے کہا کہ حضرت میں انھیں دارالعلوم بھیجنا چاہتا ہوں تو اس پر حضرت صاحب نے فرمایا ایک سال میں کیا ہوتا ہے کم از کم تین سال تو ہوں ان کو میرے پاس ہی داخل کرادو'' چونکہ مولانا غلام محمدؒ حضرت مولانا عبدالخالقؒ کے شاگرد تھے، اس لیے ان کی بات ماننی پڑی اور مجھے دارالعلوم کبیر والا میں داخل کرادیا اور میں نے ترمذی اور بخاری شریف حضرت مولانا عبدالخالقؒ ہی سے پڑھیں''۔ (اس سے پہلے ہدایہ ولین بھی اسی مدرسہ میں بھی پڑھ چکا تھا) اور اللہ جسکو چاہتے ہیں بانجھ بنا دیتے ہیں۔ لیکن بانجھ ہونے کے باوجود اللہ چاہیں تو اولاد دے سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کو حضرت اسحٰق کی خوشخبری دی گئی حضرت سارا کے بطن سے، جو اسوقت بانجھ تھیں، اسی طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے بھی اولاد کے لیے دعا مانگی تو ان کی دعا قبول ہوئی اور اللہ نے آپ کو حضرت یحیٰی جیسے نیک صالح بیٹے سے نوازا۔

☆...... حضورؐ وحی اترتے وقت اپنی زبان سے اس کو دہراتے رہتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں بھول نہ جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا لاتحرك به لسانك الخ۔ اللہ نے فرمایا ہونٹ تو ہونٹ زبان کو بھی حرکت نہ دیجئے آپ بھول جانے کا خوف نہ کریں، اس کو جمع کر کے آپ کے سینے میں محفوظ کرنا ہمارے ذمے ہے۔ اس کے بعد آپ اپنی زبان کو بند رکھنے لگے اور وحی کے نازل ہونے کے بعد اس کو دہرا لیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن جس وقت پڑھا جائے اس وقت خاموشی اختیار کر لینی چاہیے تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا وحی اور قرآن کی سخت بے ادبی ہے اور گستاخی ہے۔☆☆

☆......☆......☆......☆

مولانا عمر فاروق

حضرت رحمہ اللہ کی باتیں

ایک مرتبہ حضرت رحمہ اللہ نے مجھ سے فرمایا کہ میری زبان ہر وقت ذکر کرتی ہے چاہے میں سورہا ہوں، یا جاگ رہا ہوں۔ چل رہا ہوں، یا بیٹھا ہوں ہر وقت بے اختیار میری زبان تیسرے کلمہ کا ذکر کر رہی ہے۔ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے میری زبان بے اختیار ذکر کر رہی ہے، اور مولانا ولی محمدؒ صاحب ہڑپہ والوں نے میری یہ عادت بنوائی۔ حتیٰ کہ حضرت شیخ مجھے فرماتے کہ میرا دل ذکر کر کر کے دودھ بن گیا ہے۔ خلاصہ یہ نکلا کہ حضرتؒ چوبیس گھنٹے ذکر کرتے تھے۔ اور مجھ سے فرماتے تھے بزرگ اس طرح ذکر کرواتے ہیں۔ آپ نے بھی اسی طرح ذکر کرنا ہے میں نے کہا جی اچھا۔

۲...... ایک مرتبہ مجھ سے حضرتؒ نے فرمایا ''نظر برقدم'' جانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں! تو حضرتؒ نے فرمایا یہ صوفیوں کی ایک اصلاح ہے۔ اس کا مطلب ہے، نظر نیچے رکھنا ہے اور جس چیز کی طرف بھی نظر جائے تو تصور کرو کہ یہ مٹی ہے اور فانی ہے۔ گاڑی، کوٹھی، دنیا کی زیب وزینت کی طرف جائے تو سب کو مٹی سمجھو یہ تصور کرو یہ فانی ہیں۔ مجھے فرمایا اب آپ نے اسی تصور سے چلنا ہے۔ اور قبرستان میں جا کر موت کا تصور کرنا ہے اور ۲۵ دفعہ یہ دعا پڑھنی ہے: **اللهم بارك لنا في الموت وفي مابعد الموت**. اس کی برکت سے شہادت کی موت نصیب ہوتی ہے۔

۳...... ایک مرتبہ حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا کہ قبرستان جانے کا فائدہ یہ ہے کہ قبرستان میں بیٹھنا ایسے ہے جیسے شیخ کی صحبت میں بیٹھا ہو۔ یعنی قبرستان کی صحبت شیخ کی صحبت جتنا فائدہ دیتی ہے۔ اس لیے قبرستان جایا کرو۔

۴...... ایک مرتبہ حضرت شیخ نے مجھ سے فرمایا میں ایک مرتبہ مولانا ولی محمد صاحبؒ ہڑپہ والے کی قبر پر گیا تو میں نے بیداری کی حالت میں مولانا ولی محمد صاحبؒ کو اپنی قبر میں رکوع کی حالت میں پایا۔ اور یہ بات ساتھیوں کے سامنے میری زبان سے نکل گئی، تو بات پہنچتے پہنچتے مولانا عبدالمنان صاحبؒ پنڈی والے کے پاس پہنچ گئی کہ مولوی صاحب کی نسبت مولانا ولی محمدؒ صاحب کے ساتھ کتنی قوی ہے۔ حضرتؒ

نے مجھے فرمایا کہ مجھے پتہ نہیں تھا کہ بات اتنی مشہور ہوجائے گی۔

۵...... ایک مرتبہ حضرت شیخؒ نے مجھ سے فرمایا کہ: ایک مرتبہ قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ نے مجھے دیکھا اور میرے ماتھے کو چوما اور کہا کہ یہ ہیں اللہ والے۔

۶...... ایک مرتبہ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ مولانا عبداللہ درخواستیؒ برملا تقریروں میں مجھے کھڑا کر کے فرماتے کہ یہ مولوی حنیف مولوی نہیں مجھے تو جن لگتا ہے۔۔۔۔ تدریس میں بھی پورا ہے اور سیاست وتحریک میں بھی پورا ہے، تو حضرت تقریروں میں میری اس طرح تعریف فرمایا کرتے تھے۔

۷...... ایک کونسلر حضرت کے مخالف تھے لیکن غالباً وہ حضرتؒ کی تعریف کرتے تھے، کہ مولانا حنیف صاحبؒ اللہ والے ہیں، حضرت مجھے فرماتے یہ تو میرا سخت مخالف ہے۔ یہ میری کیسے تعریف کرتا ہے۔ تو حضرتؒ مجھے فرماتے کہ ایسے بنو کہ دشمن بھی تعریف کرے تب ہے کمال۔

پیکرِ انسانیت میں نورِ باطن چل بسا — مرکزِ صدہا کمالات ومحاسن چل بسا

☆...... فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری ایام میں جو کہا تھا کہ کاغذ لاؤ میں تمہیں لکھ دوں۔ اس سے منکرین حدیث کا رد ہوگیا کہ: لکھنا جائز تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: لاؤ لکھ دوں!''

☆...... ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''میرے ایک بہت گہرے تعلق دار کا انتقال ہوگیا، ان کی اولاد کے بے حد اصرار پر مَیں اُن کے 'قل' میں شریک ہوگیا، لیکن کھایا پیا کچھ بھی نہیں۔ بعد میں مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ کو بتایا تو انہوں نے فرمایا: ''پھر بھی آپ نے شرکت تو کر لی ناں؟'' استادِ محترم نے فرمایا: اس کے بعد میں کبھی کسی بدعت میں شریک بھی نہیں ہوا۔''

☆...... ایک مرتبہ بعض اساتذہ کی درخواست پر مجلس شوریٰ کے مشورے سے تمام اساتذہ کے مشاہرے میں اضافہ ہوا۔ اضافہ کے بعد مجلس شوریٰ کے ایک رُکن استاد شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے پاس اس نیت سے آبیٹھے کہ استادِ محترم ان کا شکریہ ادا کریں گے، مگر استاد جی سلام، دعا اور حال احوال کے علاوہ کوئی بات نہ کی۔ کافی دیر بیٹھنے کے بعد وہ مایوس ہوکر چلے گئے۔ اور دل دل میں استاد جی سے ناراض ہوگئے، مگر استاد جی نے پرواہ نہ کی۔

مولانا الطاف عباسی

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ

آج سے نو سال پہلے 2003ء میں مولانا سہیل صاحب (جو کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے خاص مریدین میں سے تھے) مجھے سائیکل پر بٹھائے ایک گمنام منزل کی جانب رواں تھے۔ لیکن راستہ میں پتہ چلا کہ وہ گمنام نہیں بلکہ کام اور نام کی منزل کی طرف جا رہے ہیں۔ بعد از نماز عصر مولانا سہیل نے حضرت شیخ صاحب سے عرض کیا حضرت! یہ مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب کا چھوٹا بھائی ہے اور آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہے۔ مولانا کو اور مجھے اس وقت حیرت کا جھٹکا لگا جب حضرت نے فرمایا: آجاؤ۔ کیونکہ حضرت پہلی مرتبہ بڑی مشکل ہی سے بیعت فرماتے تھے، حضرت نے میرے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے پھر آپ کے رسیلے الفاظ میرے دل ودماغ میں گونجنے لگے ''میں توبہ کرتا ہوں، شرک سے، کفر سے، جھوٹ سے، زنا سے الخ''، میں نے دہرائے اور تین تسبیحات میرے ذمہ لگادی گئیں۔

ایک مرتبہ میں نے عرض کیا: حضرت! تکبر کی بیماری ہے علاج بتا دیجئے، فرمایا! تیرے اندر تکبر کہاں سے آگیا؟ تکبر کے دو سبب ہیں [۱] مال [۲] علم، مال تو تیرے پاس ہے نہیں باقی رہا علم تو تُو ابھی ابتدائی درجات میں ہے۔

برادرِ مکرم مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب جب دار العلوم مدنیہ سے رخصت لے کر قاری غلام یٰسین صدیقی کے اصرار پر جامعہ صدیقیہ تشریف لائے تو میں بھی صدیقیہ آگیا، صبح اذان کے وقت اٹھ کر بھائی صاحب کی سائیکل لیتا اور ون یونٹ چوک حضرت شیخ صاحب کا درس سننے چلا جاتا۔ سورہ رحمٰن شروع فرما رکھی تھی، عجیب وغریب نکات بیان فرماتے، لکھنے کا ارادہ ہوا، لیکن حضرت کی طبیعت ناساز ہوگئی اور درس چھوڑ دیا، لیکن جمعہ پھر بھی پڑھاتے تھے۔ صبح صبح جب درس کے لئے جاتا تو پوچھتے کہاں سے آتا ہے، یٰسین صدیقی کے مدرسہ سے؟ میں عرض کرتا جی، حضرت فرماتے بڑا باہمت آدمی ہے۔

نماز اور درس کے بعد سیر کی عادت تھی، سیر بھی اکٹھے کرتے، مجھے بھی ہر وقت فرماتے کہ سیر

کیا کرو۔ جب حضرت کو فالج کا جھٹکا لگا تو صبح سیر کے وقت فرمایا، ایک میل سیر کرتا ہوں اگر کوئی سیر کرانے والا ہو تو اور بھی کرتا ہوں۔ جب بھی ملاقات کے لئے گیا، پوچھتے جمیل (حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب) کا کیا حال ہے؟ اور واپسی پر فرماتے جمیل کو سلام کہنا۔

ایک مرتبہ میں اور مجاہد ارائیں ساتھ گئے، مجاہد نے عرض کیا: حضرت! کوئی وظیفہ ذمہ لگا دیں، وہ چونکہ چھوٹا تھا، تو حضرت نے فرمایا: سبق یاد کیا کرو، اور ایک پارہ منزل روزانہ کا معمول بنا لو! یہی تمہارا وظیفہ ہے۔

ایک مرتبہ شعبان کی چھٹیوں میں کراچی جانے کا ارادہ ہوا حضرت سے مشورہ کیا: فرمایا: منزل یاد ہے؟ میں نے عرض کیا: جی حضرت! فرمایا گھر رہ کر منزل یاد کرو۔ میں نے عرض کی حضرت کمزور ہوں وہاں جا کر فروٹ وغیرہ کھاؤں گا طبیعت سنبھل جائے گی فرمایا، کراچی کے فروٹوں سے دیہات کی ہوا خوری بہتر ہے۔

ایک مرتبہ چھٹیوں میں مناظر اسلام علامہ علی شیر حیدریؒ کے پاس مناظرہ پڑھنے کا ارادہ ہوا سات آٹھ اور ساتھیوں کو بھی تیار کرلیا۔ چھٹیوں سے چار پانچ دن پہلے مولانا سہیل صاحب مجھے حضرت شیخ صاحب کے پاس لے گئے کہ مشورہ کرلو میں چلا گیا حضرت نے فرمایا: منزل یاد ہے؟ میں نے عرض کی جی حضرت! ایک جگہ سے پوچھا میں نے سنا دیا دوسرے مقام سے پوچھا تو میں اٹک گیا فرمایا جاؤ منزل یاد کرو۔ باقی رہا مناظرہ، کتابیں محنت کر کے پڑھو مناظر بن جاؤ گے، تیرا بھائی مناظر ہے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا مناظر ہیں، فرمایا ان سے پوچھ مناظرہ کس سے پڑھا ہے؟ کسی سے نہیں، محنت کی ہے، مناظر بن گئے۔

بھائی جان حضرت عباسی صاحب کی خواہش تھی کہ وہ مجھے دورہ حدیث سید حسین احمد مدنی کے کسی شاگرد سے پڑھوائیں اور میری بھی یہی خواہش تھی کیونکہ میں بھی حضرت مدنی صاحبؒ سے بہت متاثر ہوں لیکن جب انہوں نے جامعہ فاروقیہ کراچی کا نام لیا تو چونکہ جلالین میں وہاں شعبہ معہد میں پڑھ کر آیا تھا اور کھانے کے وقت دھکم پیل بھی دیکھی تھی، گھبرا گیا اور شیخ کے پاس مشورہ کے لئے چلا گیا کہ وہ کوئی اور مشورہ دیں گے جو کہ عباسی صاحب کو ماننا پڑے گا، حضرت سے پوچھا تو فرمایا: جمیل سے مشورہ کرلو وہ مدارس کے احوال اچھی طرح جانتا ہے۔ جب دیکھا کہ اب بھی ہار رہا ہوں تو میں نے عرض کیا حضرت وہ تو فاروقیہ کا کہتے ہیں جبکہ وہاں کا کھانا میرا معدہ خراب کر دیتا ہے، فرمایا: کھانا چبا کر کھایا کرو۔ پھر کیا تھا چپ کر کے واپس پلٹ آیا۔

مشکوٰۃ والے سال حضرت نے میرے ذمہ سترہ تسبیحات لگا دی تھیں۔ دورہ والے سال ایک

تفصیلی خط لکھ کر جس میں بہت سارے مسائل کے بارے میں دریافت کیا تھا، بھائی رضوان یوسف کو دیا اور یہ بھی کہا کہ اس کو پڑھنا نہیں ہے۔ حضرت نے جوابات لکھے، وہاں ایک سوال یہ بھی تھا کہ تسبیحات کا وقت نہیں ملتا، دورہ حدیث کا سال ہے کیا کروں؟ فرمایا تسبیحات چھ کر دو اور حدیث کی طرف توجہ دو خصوصاً بخاری کے حاشیہ کی طرف۔

ایک مرتبہ مولانا ابوبکر کرپالوی مدرس جامعہ عباسیہ، میں اور حافظ منیر احمد مغرب کی نماز کے بعد گئے حضرت کی طبیعت ناساز تھی پھر بھی فارسی کے اشعار سناتے رہے اور فارسی کا رونا روتے رہے کہ آج کل ختم ہوتی جا رہی ہے، جبکہ ہمارے اکابر کی بہت سی کتب اور فتاویٰ جات فارسی میں ہیں۔ خلافت کی بات چلی تو فرمایا آج کل خلافت کو لوگوں نے شہرت کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ ایک آدمی کا نام لے کر فرمایا کہ: کیا......بھی خلافت کے قابل ہے کہ فلاں پیر صاحب نے اس کو خلافت دے دی ہے؟

ایک مرتبہ میرے ہاتھ میں اخبار تھا، لے کر دیکھا تو اچانک انڈیا کے وزیر اعظم من موہن سنگھ پر نظر پڑی فرمایا، بھائی دیکھو وزیر اعظم بن کر بھی اس سکھ نے اپنی تہذیب کو نہیں چھوڑا جب کہ ہمارے حکمران اسلام کے خلاف بولتے رہتے ہیں۔

گذشتہ سال میں حضرت مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی حفظہ اللہ کے پاس تخصص فی الدعوۃ والارشاد کر رہا تھا حضرت نے پوچھا کہ کیا کرتے ہو؟ میں نے بتایا کہ خیر المدارس میں مفتی صاحب کے پاس پڑھتا ہوں فرمایا: مفتی صاحب کو سلام کہنا اور کہنا کہ دعا کرو اللہ تعالیٰ خاتمہ ایمان پر فرمائے، میں کانپ گیا کہ خاتمہ کی اتنی فکر اور اتنی عاجزی کہ شیخ الحدیث ہو کر اوروں سے دعائیں کرا رہے ہیں۔ میں نے حضرت مفتی صاحب سے عرض کیا تو مفتی صاحب نے سلام کا جواب دے کر فرمایا اللہ ان کی عمر دراز فرمائے اور ہر مسلمان کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

ایک مرتبہ فرمانے لگے: الحمدللہ ہماری زندگی بہت ہی اچھی گزری ہے۔

ایک مرتبہ میں اور مولانا خلیل الرحمٰن صاحب ملاقات کے لئے گئے۔ میں نے عرض کیا حضرت! بزرگ بننے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا: اس راہ میں تو کوئی بزرگ بنتا ہی نہیں، ہمیشہ چھوٹا ہی رہتا ہے جو بزرگی کا خیال لائے گا وہ کبھی کامیاب نہیں ہوگا، مقصود ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت، وہ شریعت پر چلنے سے حاصل ہوگی، بس شریعت پر خاموشی سے چلتے رہو۔☆☆

مولانا سید احسان اللہ شاہ☆

استاد محترمؒ کی چند صفات

ایسے شخص کے بارے میں مضمون لکھنا، جو عالم فاضل ہونے کے ساتھ ساتھ کامل اکمل ولی اللہ ہو۔ جن کو شیخ الحدیث کے لقب سے پکارا جاتا ہو، جن کے اندر چاند اور ستاروں کی طرح ایک ایک سنت نظر آتی ہو، دوسرے لفظوں میں سنت نبوی ﷺ کا نمونہ ہو۔ جن کے علم کے سمندر سے طلباء اپنی پیاس بجھاتے ہوں۔ جن کی زیارت کے لئے لوگ ترستے ہوں، جن کے پاس لوگ اپنی اصلاح کے لئے آتے ہوں۔ جن سے کوئی مستحب عمل بھی نہ چھوٹتا ہو۔ جو اشراق، اوابین، اور تہجد کا پابند ہو۔ جو حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسن صورت کا بھی مالک ہو۔ جن کے دل میں اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہو۔ جو شیر کی طرح بہادر اور جرأت مند ہو۔ جو شرک اور بدعت کا قطع (قلع) قمع کرنے والا ہو۔ جن کے اندر صبر، حسن اخلاق اور صدق جیسی صفات رچی ہوئی ہوں۔ جن کا دن حدیث رسول اللہ پڑھانے میں گزرتا ہو اور رات مسجد میں بسر ہوتی ہو۔ جن کا مشغلہ ذکر اللہ ہو۔ جو اپنے زمانے میں سب سے اکمل، اعلیٰ اور ارفع ہو۔ وہ جو بیک وقت شیخ الحدیث بھی ہو اور خلیفہ مجاز بھی۔ جو امانت اور دیانت داری کا مجسمہ ہو۔ ایسے شخص کے بارے میں مضمون لکھنا مجھ ناکارہ کے لئے ایسے ہے جیسے سورج کو چراغ دکھانا۔ جس کو لکھنے کا طریقہ اور الفاظ کو جوڑنے کا سلیقہ بھی نہ آتا ہو وہ اتنی عظیم شخصیت کے بارے میں مضمون کیسے لکھے گا؟ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ایسے شخص کے بارے میں کچھ نہ کچھ لکھنا بھی سعادت سے خالی نہیں۔ اسی چیز کو مدِ نظر رکھتے ہوئے چند سطور عرض خدمت ہیں۔

استاذِ محترمؒ جامعہ دار العلوم مدنیہ کے شیخ الحدیث تھے۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ کے شاگردوں میں سے تھے۔ اور میرے والد ماجد حضرت مولانا سعید الحسنؒ کے ساتھی تھے۔ استاذ محترمؒ اور میرے والد ماجدؒ نے حضرت افغانی کی خدمت میں رہ کر "تخصص فی التفسیر والحدیث" کی ڈگری حاصل کی تھی۔ استاذ محترمؒ ویسے تو بہت سی صفات کے مالک تھے۔ چند صفات درج ذیل ہیں۔

☆ فاضل: دار العلوم مدنیہ، بہاول پور......ابن حضرت مولانا سید سعید الحسن شاہ رحمہ اللہ

حسن ظاہری

باطن حسن کے ساتھ ساتھ ظاہری حسن میں بھی استاذِ محترمؒ سب سے نمایاں تھے۔ استاد محترم بڑے وجیہ بول چال میں نہایت سنجیدہ اور باوقار تھے۔ دیکھنے والے کا دل کرتا کہ ہر وقت استاذِ محترمؒ کے چہرہ کو دیکھتا رہے۔

تقویٰ و پرہیز گاری

استاذِ محترمؒ بہت متقی اور پرہیز گار تھے۔ ایسا چھوٹا سا عمل بھی نہ کرتے تھے جو تقویٰ کے خلاف ہو۔ گرمیوں میں A.C کی ضرورت ہوتی تھی لیکن کبھی استاد محترمؒ نے اے سی کا مطالبہ نہیں کیا۔ تقویٰ و پرہیز گاری کے ساتھ اپنی زندگی بسر کی۔ استاد محترمؒ علامہ اقبالؒ کے اس شعر کے مصداق تھے۔

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی

سنن و مستحبات کی پابندی

استاذ محترمؒ سنن و مستحبات کے بڑے پابند تھے، مستحب عمل بھی نہ چھوڑتے تھے۔ جس سال راقم الحروف استاذ محترمؒ کی خدمت میں تھا اس وقت استاذ محترمؒ اتنے ضعیف تھے کہ دو آدمیاں کے سہارے سے چلتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وضو کرتے ہوئے، نماز پڑھتے ہوئے، چلتے ہوئے کھانا کھاتے ہوئے سوتے ہوئے کسی سنت اور مستحب عمل کو نہ چھوڑتے تھے۔

طلباء پر شفقت

استاذِ محترم طلباء پر بے حد مہربان اور شفیق تھے، طلباء سے والہانہ محبت کا اظہار کرتے تھے۔ کبھی کسی طالب علم کو برا بھلا نہیں کہا۔ اور نہ ہی کسی طالبعلم کو بد دعا دی۔ بلکہ دعا دیتے تھے۔ لیکن اگر طلباء میں پڑھائی کے لحاظ سے یا تربیت کے لحاظ سے کوئی کمی دیکھتے تو اس پر تنبیہ فرماتے تھے۔ میرے ساتھ خصوصی محبت رکھتے تھے۔ میرے والد ماجدؒ کے ساتھی تھے اس لئے میرا بہت خیال رکھتے تھے۔ مجھے پڑھائی کے وقت کہیں نہ جانے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ میں کہیں کام چلا گیا جب واپس آیا تو استاذِ محترمؒ کا گھنٹہ شروع ہو چکا تھا۔ تو مجھے زبردست ڈانٹا اور یہ فرمایا کہ آئندہ پڑھائی کے وقت کام نہ کیا کرو ایسے تم آوارہ بن جاؤ گے۔ بہر حال استاذ محترمؒ ہر لحاظ سے کامل اکمل اور عالم باعمل تھے۔

موت العالم موت العالم

جیسے کہا جاتا ہے کہ ایک عالم کا اس دنیا سے چلا جانا ایسے ہے جیسے پورا عالم چلا گیا ہو۔ایک اللہ والے کی موت پورے جہاں کی موت ہے۔اسی طرح استاد محترم کا اس دنیا سے رخصت ہونا پورے جہاں کو غمگین کرنا ہے۔اللہ والے اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔اب ہم جیسے بے شعورے لوگ باقی رہ گئے، جیسا کہ شاعر کہتا ہے

رونقیں بزم جہاں تھیں جن سے
اب زمانے میں وہ انسان نہیں

موقع محل کی مناسبت سے آخر میں حضور ﷺ کے دو ارشادات نقل کرتا ہوں۔

(۱) **قال رسول اللہ ﷺ یبعث اللہ العباد یوم القیامۃ ثم یمیز العلماء فیقول: یا معشر العلماء انی لم اضع علمی فیکم لاعذبکم، انطلقوا فقد غفرت لکم.(کتاب الترغیب والترھیب)**

ترجمہ: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کو کھڑا کریں گے پھر علماء کو الگ کریں گے اور یوں فرمائیں گے۔اے جماعت اہل علم! میں نے اپنا علم تمہارے سینوں میں اس لئے نہیں رکھا تھا کہ تمہیں عذاب دوں۔جاؤ! میں نے تمہیں بخش دیا۔

(۲) **قال رسول اللہ ﷺ یبعث العالم والعابد فیقال للعابد ادخل الجنۃ، ویقال للعالم اثبت حتی تشفع للناس بما اَحسنت ادبھم.(کتاب الترغیب والترھیب)**

ترجمہ: قیامت کے روز عالم اور عابد کو اٹھایا جائے گا پھر عابد سے کہا جائے گا بہشت میں داخل ہو جا اور عالم سے کہا جائے گا: ہم ٹھہر جاؤ تاکہ جن لوگوں کو تم نے دین کی تربیت دی تھی ان کے بارے میں سفارش کرسکو۔(یہ عالم باعمل کی شان ہے)

چند ملفوظات

[۱] فرمایا: حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب بندہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہے تو اسکا تعلق اللہ سے پیدا ہوجاتا ہے۔اس تعلق کا نام ''عبدیت'' ہے۔

[۲] فرمایا: عبدیت کے دو جز ہیں: اطاعت، محبت

[۳] فرمایا: وہ محبت محبت ہی نہیں جس کے اندر اطاعت نہ نہیں۔

[۴] فرمایا: سب سے پہلے نماز فرض ہوئی پھر زکوٰۃ پھر حج۔

[۵] فرمایا: ہمارے اکابر نے تواضع اختیار کیا ہے۔تواضع آگئی تو علم بھی آگیا تو اضع اگر نہیں آئی تو علم بھی نہ آیا۔

[۶] فرمایا: اگر تواضع نہیں تو عالم اور غیر عالم میں فرق نہیں ہوگا۔

[۷] فرمایا: امام مالکؒ تین دن کے بعد بیت الخلاء جاتے تھے۔

[۸] فرمایا: ہم سید سلیمان ندویؒ کو رحمہ اللہ کہتے ہیں کیونکہ وہ حضرت تھانویؒ کی بیعت ہوئے تھے۔اور علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ نہیں کہتے کیونکہ انہوں نے ردمعجزات میں کتاب لکھی تھی۔

[۹] جانور کی قربانی سے ثواب جان کی قربانی کا ملتا ہے۔

[۱۰] فرمایا: جنگ سے پیٹھ پھیرنا گناہ کبیرہ ہے۔

[۱۱] فرمایا: ایک عمل میں جتنی نیتیں کرو گے اتنا ثواب ملے گا۔مثال کے طور پر مسجد میں جارہا ہے۔ایک نیت نماز کی ہے۔دوسری نیت کرے کہ میں وہاں نیک لوگوں کے ساتھ بیٹھوں گا۔تیسری نیت کرے کہ راستہ میں کوئی ضعیف مل گیا تو اس کی مدد کروں گا تو تینوں کا ثواب ملے گا۔

[۱۲] نماز پڑھنا بہت آسان ہے بمقابل سینما کے کیونکہ وہاں پیسے لگتے ہیں۔اور مسواک کرنا زیادہ آسان ہے بمقابل ٹوتھ پیسٹ کے کیونکہ وہاں بھی پیسے لگتے ہیں۔

[۱۳] فرمایا مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھا ہے کہ سیر کیا کرو کیونکہ سیر کرنے سے نماز پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

[۱۴] فرمایا: رات کو جاگنا ضروری ہے۔اس کے سوا نہ علم آتا ہے اور نہ طریقت حاصل ہوتی ہے۔اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

[۱۵] فرمایا! حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلافت کے بعد کبھی ہنسے بھی نہیں تھے، ہر وقت روتے رہتے تھے۔

[۱۶] فرمایا! انبیاء کرام علیہم السلام کو احتلام نہیں ہوتا اور جمائی بھی نہیں آتی۔

[۱۷] حضرت خالد حذاء تابعیؒ ہیں، ان کو حذاء اس لئے کہا جاتا ہے کہ موچیوں کے ساتھ بیٹھے تھے خواہ موچی نہیں تھے۔

[۱۸] فرمایا: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا لقب عالم الامۃ ہے۔

[۱۹] فرمایا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا لقب صاحب النعلین والطہو روالوسادہ تھا۔
(کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضور ﷺ کی جوتی مبارک اٹھاتے تھے اور وضو کے لئے لوٹا ساتھ رکھتے تھے اور حضور ﷺ کے لئے تکیہ بھی رکھتے تھے)

[۲۰] فرمایا: پندرہ جگہوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کی اللہ جل شانہٗ کے حکم کے ساتھ موافقت ہوئی۔

[۲۱] فرمایا: گندگی اور بدبو کو ختم کرنے کے لئے اللہ جل جلالہٗ نے سمندر کا پانی کڑوا بنایا ہے۔ کیونکہ تمام گندگیاں سمندر میں جاتی ہیں۔

[۲۲] فرمایا: تین کتوں کو رکھنے کی اجازت ہے۔ [۱] گھر کی حفاظت کرنے والا [۲] شکار کرنے والا [۳] کھیتی وغیرہ کی حفاظت کرنے والا۔

[۲۳] فرمایا: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلی کا جھوٹا مکروہ ہے۔ گوشت حرام ہے۔

[۲۴] فرمایا: ''النبی الخاتمؐ'' ابوذر غفاریؓ، امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت، یہ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی تصنیفات ہیں۔ بہت اچھی کتابیں ہیں ان کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

[۲۵] فرمایا: ملاعلی قاریؒ نے فرمایا اگر ہمیں اہل بیت کی محبت کیوجہ سے کوئی شیعہ کہے تو ہم سب سے بڑے شیعہ ہیں۔ ☆☆☆

استادِ محترم علالت کی وجہ سے ہسپتال میں داخل تھے، ایک روز میں اور مولانا محمد نوید حاصل پوری، استاد جی کی خدمت کے لیے ہسپتال گئے، رات کے وقت استاد جی کو اُن کے بیٹے گھر لے جاتے تاکہ اطمینان سے رات بسر ہو۔ اس رات جانے لگے تو ساتھ والے بیڈ کے مریض کے ساتھ جو صاحب تھے اُن سے استاد جی کے صاحبزادے نے کہا: خیال رکھیے گا! ہمارے بیڈ پر کوئی قبضہ نہ کرلے، ہم ان شاء اللہ صبح آجائیں گے۔ اُن صاحب نے مزاحاً کہا: جناب! رشوت کا دور ہے، یہ حضرت ہمارے لیے دُعا کردیں، ہم بستر کا خیال رکھیں گے۔ استاد جی یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا ہمارا کون سا زور لگتا ہے دُعا میں! ہم کر دیتے ہیں۔ پھر دعا فرمائی۔ (مولانا ابوالوفا منیب الرحمٰن، بہاول پور......فاضل: دار العلوم مدنیہ)

مولانا رب نواز حفظہ اللہ

مسلکِ دیوبند کے پاسبان

چند سال پہلے کی بات ہے کہ بندہ حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب حفظہ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ کسی پیر صاحب کی بیعت کرلیں، عرض کیا: آپ کا مشورہ تو ٹھیک ہے، مگر ایسے پیر کا انتخاب ہونا چاہیے جو مسلکی کام کرنے کا ذوق رکھتے ہوں تاکہ وہ ہمیں مسلکی کام کرنے سے روکنے کی بجائے ہماری تائید کریں ورنہ ایسے ہوسکتا ہے کہ وہ عارضی یا دائمی طور پر مسلکی کام کرنے سے روک دیں۔ اس وقت یہ میرا خیال تھا کہ پیری کی مسند پر بیٹھنے والے بزرگ اختلافی مباحث عموماً پسند نہیں کرتے، مگر حالات کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ پیر حضرات بھی فتنہ غیر مقلدیت کو بھانپ چکے ہیں اس لیے وہ ان کے خلاف کام کرنے کا ذوق رکھتے ہیں، بعضے خود اس میں حصہ لیتے ہیں، بعضے ان کے خلاف کام کرنے والوں کی تائید کرتے ہیں یا کم از کم انہیں منع نہیں کرتے۔

بہرحال بندہ کی بات سن کر مولانا عباسی حفظہ اللہ نے فرمایا، ایسا ذوق رکھنے والے شیخ صاحب (حضرت مولانا محمد حنیف صاحب، شیخ الحدیث: جامعہ مدنیہ، بہاول پور) ہیں آپ ان سے بیعت ہوجائیں۔ بندہ اپنی غفلت وکوتاہی کی وجہ سے اگرچہ ان کی بیعت نہ ہوسکا مگر عباسی صاحب کے مشورہ سے یہ معلوم ہوگیا کہ حضرت شیخ صاحب ''نظریاتی پیر صاحب'' ہیں الحمدللہ۔ بعد میں جب ان کے حالات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ صاحب مسلک کا دفاع کرنے والوں کی نہ صرف تائید فرماتے ہیں بلکہ عملاً اس میں حصہ بھی لیا کرتے ہیں، یعنی صرف مؤید ہی نہیں ''مسلک دیوبند کے پاسبان'' بھی ہیں، انہوں نے جو مسلک کا دفاع اور پرچار کیا ہے اس کی چند جھلکیاں ذیل میں ہدیہ قارئین کی جاتی ہیں۔

لمعہ نمبر ۱: حنفیت کا پرچار

حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ اپنے دروس اور محاضروں میں فقہ حنفی کا پرچار کیا کرتے تھے، اسی طرح دوران تدریس فقہ حنفی کی حقانیت کو مدلل کیا کرتے تھے، ذیل میں اس اجمال کی تفصیل درج کی جاتی ہے۔

مسئلہ طلاق ثلاثہ:

حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ ایک مرتبہ ہمارے مدرسہ (دارالعلوم فتحیہ، احمد پور شرقیہ) تشریف لائے، اُن سے ملاقات ہوئی تو میرے ہاتھ میں حضرت مولانا ابو بلال جھنگوی حفظہ اللہ کی کتاب ''تحفہ اہلحدیث'' کا وہ حصہ تھا جس میں طلاق ثلاثہ پر بحث کی گئی ہے، فرمایا یہ کونسی کتاب ہے، کس موضوع پر ہے؟ عرض کیا ''تحفہ اہلحدیث'' ہے، طلاقِ ثلاثہ کے بارے میں ہے، فرمایا تین طلاقوں کے تین ہونے پر ہے یا ایک ہونے پر؟ عرض کیا تین کے اثبات اور ایک کی تردید میں ہے۔ اس کے بعد حضرت نے ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے کو درست قرار دیا اور مخالف موقف کی تردید فرمائی۔

بطور فائدہ عرض ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک قرار دینے والے دورِ حاضر میں غیر مقلدین ہیں، مگر ان کے مقتدر ''عالم اور بیہقی وقت'' جناب شرف الدین دہلوی صاحب نے اس موقف کی کمزوری کو درج ذیل الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔

''مجیب مرحوم نے لکھا ہے کہ تین طلاق مجلس واحد کی محدثین کے نزدیک ایک کے حکم میں ہیں یہ مسلک صحابہؓ، تابعینؒ و تبع تابعینؒ وغیرہ ائمہ محدثین متقدمین کا نہیں ہے یہ مسلک سات سو سال کے بعد کے محدثین کا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتویٰ کے پابند اور ان کے معتقد ہیں یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں صدی ہجری کے اخیر یا اوائل آٹھویں میں دیا تھا تو اس وقت کے علمائے اسلام نے ان کی سخت مخالفت کی تھی'' (فتاوٰی ثنائیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۹)

مسئلہ رفع یدین:

اس مسئلہ میں پاک و ہند کے غیر مقلدین کی ایک بے اعتدالی یہ ہے کہ وہ لوگ رکوع کے رفع یدین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل قرار دے کر ترکِ رفع یدین کی حدیثوں سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس رفع یدین کو دوام نصیب نہیں ہوا، اس لیے کہ بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا تھا جیسا کہ حدیثوں سے ثابت ہے اور غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے بھی تسلیم کیا ہے کہ: ترکِ رفع یدین ثابت ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''علمائے حقانی پر پوشیدہ نہیں ہے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے میں لڑنا جھگڑنا تعصب اور جہالت سے خالی نہیں ہے کیونکہ مختلف اوقات میں رفع یدین

کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں'' (فتاوٰی نذیریہ جلد ا صفحہ ۴۴۱)

متقدمین میں سے علامہ ابن حزم ظاہری نے لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ: ترکِ رفع یدین والی نماز، نمازِ نبوی ہی ہے۔ (محلی جلد ۳ صفحہ ۲۳۵)

یہ بھی معلوم ہو کہ ابن حزم ظاہری کو غیر مقلدین اہلحدیث وغیر مقلد کہا کرتے ہیں۔ (نزل الابرار جلد ا صفحہ ۱۲۵۔ علمی مقالات جلد ۲ صفحہ ۲۴۵، الحدیث شمارہ نمبر ۹۱ صفحہ ۳۸۔ تحریک آزادی فکر صفحہ ۳۵۱)

مذکورہ بالا حقیقت کے برخلاف عموماً غیر مقلدین کا یہ رویہ ہوتا ہے کہ وہ سادہ لوح لوگوں سے کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم موت تک رکوع والا رفع یدین کرتے رہے اور ایک نماز بھی بغیر رفع یدین کے نہیں پڑھی۔ ان کے وساوس سے پریشان ہو کر لوگ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف صاحبؒ کے پاس آتے آپ اُن کے اشکالات کے تسلی بخش جواب دے کر انہیں مطمئن کر دیتے تھے۔

کسی دور میں ڈاکٹر طاہر صاحب کو بھی ورغلانے کی انہوں نے کوشش کی تھی، مگر جب وہ شیخ صاحبؒ کے پاس آئے تو انہوں نے دلائل سے انہیں قائل کیا اور جب بات رفع یدین کی آئی تو انہیں سمجھایا کہ کسی دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کا رفع یدین کیا تھا، لیکن بعد میں چھوڑ دیا تھا اور پھر حدیث کی امہات الکتب سے ترکِ رفع یدین کی حدیثیں دکھائیں، یہاں تک کہ ان کی خوب تشفی ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ اب حنفیت پر اس قدر اطمینان ہو گیا ہے کہ غیر مقلدین کے وساوس مجھے پریشان نہیں کر سکتے۔

حنفی نسبت:

حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب، حضرت شیخ صاحب کے مرید بھی ہیں اور شاگرد بھی، انہوں نے فرمایا کہ شیخ صاحب اپنے نام کے آخر میں ''حنفی'' لکھا کرتے تھے اور ایک طویل زمانے تک اس کے لکھنے کا التزام کرتے رہے ہیں۔ انتہٰی

نام کے آخر میں ''حنفی'' کا لاحقہ سے چند باتیں سمجھی جا سکتی ہیں:

۱......انہیں حنفی مسلک پر خوب اعتماد تھا اور حنفی لیبل اسی اعتماد کی غمازی کرتا تھا۔

۲......وہ حنفیت کا پرچار کیا کرتے تھے، جس کا ایک طریقہ نام کے آخر میں ''حنفی'' لکھنا تھا۔

۳......اولیاء اللہ کی پیروی بھی اس میں پائی جاتی ہے، اولیاء کرام میں سے مرزا مظہر

جانجاناں رحمہ اللہ نے اپنے خودنوشت حالات میں اپنے آپ کو ''حنفی المذہب'' تحریر کیا ہے۔

(تاریخ اہلحدیث سیالکوٹی صفحہ ۴۵۵)

اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے بھی اپنے ''حنفی مقلد'' ہونے کا اعتراف کیا ہے۔(مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم: مکتوب نمبر ۱۵۵)

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''میں قادری حنفی ہوں'' (ملفوظات طیبات صفحہ ۱۱۵ دوسرا نسخہ صفحہ ۱۲۶)

۴......اپنے عمل سے تاثر دیتے تھے کہ حنفی نسبت جائز ہے۔ وکیل اہلحدیث محمد حسین بٹالوی صاحب اپنے اہلحدیثوں کے متعلق لکھتے ہیں:

''منصوصات میں قرآن وحدیث کے پیرو ہیں اور جہاں نص نہ ملے وہاں صحابہ، تابعین وائمہ مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں خصوصاً ائمہ مذہب حنفی کی، جن کے اصول وفروع کی کتب ہم لوگوں کے مطالعہ میں رہتی ہیں۔ اگر ہم کو عام مسلمانان اہل سنت سے ممتاز کر کے کوئی خصوصیت کے ساتھ خطاب دینا ہے تو اہلحدیث کا خطاب دیا جاوے، اس سے بھی زیادہ خصوصیت کرنی ہو تو اہلحدیث حنفی کہا جائے'' (اشاعۃ السنۃ جلد ۲۳ صفحہ ۲۹۰)

اس عبارت کا عکس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی کتاب ''تاریخ ختم نبوۃ صفحہ ۴۵۵'' پر دیکھا جاسکتا ہے۔

بٹالوی صاحب نے حنفی نسبت کا جواز اور اس کی ترغیب بلکہ اہمیت بیان کرنے کے لیے کئی تحریریں شائع کی ہیں تفصیل ''غیر مقلد ہو کر تقلید کیوں؟'' (مطبوعہ)......اور..........''زبیر علی زئی کا تعاقب'' (زیر طبع) میں مذکور ہے۔

حنفی اور غیر مقلد / حنیفین میں موازنہ:

حضرت شیخ صاحب کو حدیث کے ساتھ خاص شغف تھا جس کا ایک واضح ثبوت یہ بھی ہے کہ آپ نے جامعہ مدنیہ بہاولپور میں برس ہا برس حدیث کا درس دیا ہے اور ون یونٹ کالونی کی جس مسجد میں امام تھے اس میں بھی روزانہ درس حدیث دیا کرتے تھے، حضرت کا درس ''فہم قرآن'' کے عنوان سے مجلّہ نورِ بصیرت بہاولپور میں قسط وار شائع ہوتا رہا ہے، اپنے اس درس میں قرآنی آیت ''قل ان

کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ۔(اے نبی) فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو تب اللہ تم سے محبت کریں گے'' پیش کر کے بتایا ہے کہ محبوب خدا بننے کے لیے اتباع نبوی ضروری ہے۔(مجلّہ نورِ بصیرت شمارہ نمبر ۹ صفحہ ۷/ ۲۰۰۵ء مئی جون)

یہ شغفِ حدیث اس بزرگ کا ہے جو حنفی و دیوبندی نسبت کے ساتھ مشہور ہیں، اس کے بالمقابل ان کے ہم نام دوسرے شخص بھی ہیں جو حنیف ندوی اہلحدیث کے نام سے پہچانے جاتے ہیں ذرا اُن کا نظریہ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

غیر مقلدین کے رسالہ ''الاعتصام'' میں لکھا ہے:

''ادارہ ثقافت نے ''مسئلہ اجتہاد'' مستقل کتاب بھی شائع کی جس میں یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ تبدیلیٔ احوال کی بناء پر اجتہادِ جدید کی درانتی سے قرآن وحدیث کے ہر صریح حکم (نص) کو کاٹا جاسکتا ہے۔ اب ''مسئلہ اجتہاد'' کے مصنف اور ادارہ ثقافت کے اہم رکن مولانا محمد حنیف صاحب ندوی نے دائرہ اجتہاد کی وسعتوں پر مشہور کمیونسٹ ''اخبار امروز'' کے دہ رسالہ نمبر مجریہ ۳/مارچ ۵۸ء میں ایک مضمون شائع کرایا ہے، جس کی پیچ در پیچ عبارت میں بمصداق لَیًّا بِاَلسِنَتِهِمْ فرمایا گیا ہے کہ: مسئلہ وراثت اور عورتوں سے متعلقہ قرآن وحدیث کے صریح احکام تک کو آج کے ارتقائی دور میں تبدیل کر دینے کی ضرورت ہے......(صفحہ ۱۳۲) واضح رہے کہ مضمون نگار جمعیت اہلحدیث کی مجلس عاملہ کے رکن ہیں'' (الاعتصام: اشاعتِ خاص، بیاد بھوجیانی صفحہ ۲۷۷۔۹۳۶)

اسی رسالہ ''الاعتصام'' میں لکھا ہے:

''متکلم اسلام مولانا محمد حنیف ندوی علیہ الرحمۃ'' (حوالہ مذکورہ صفحہ ۵۱)

جب غیر مقلدین کے ''متکلم اسلام'' کا حدیث کے بارے میں یہ نظریہ ہے تو باقیوں کا حال مت پوچھئے کیونکہ ''جس کی بہار یہ ہے اس کی خزاں نہ پوچھ'' مقولہ تو مشہور ہی ہے۔

لمعہ نمبر۲: عقیدہ حیات کی اشاعت

علمائے دیوبند کا متفقہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر اطہر میں حیات حاصل ہے جس کی وجہ سے روضہ پہ پڑھے گئے درود وسلام کو بہ نفسِ نفیس سنتے ہیں، حضرت شیخ صاحب دیوبندی ہونے کے ناطے عقیدہ حیات کے قائل تھے اور اس عقیدہ کی اشاعت کرنے والوں کی خوب دلجوئی

فرماتے تھے، مثلاً حضرت مولانا جمیل الرحمٰن صاحب عباسی دام ظلہ اپنے مجلّہ نورِ بصیرت میں، اس عقیدہ کے اثبات اور دفاع میں اپنے اور دیگر علماء کرام کے مضامین باقاعدگی سے شائع فرماتے رہے ہیں حضرت شیخ صاحب کی طرف سے ان مضامین کی اشاعت پر ان کی خوب حوصلہ افزائی کی جاتی بلکہ یہ مجلّہ انہی کی سرپرستی میں جاری رہا جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

اور حضرت شیخ صاحب خود بھی عملاً اس عقیدہ کی اشاعت میں حصہ لیا کرتے تھے اس کے ثبوت میں ہم "آب حیات" پڑھانے کا واقعہ تحریر کرتے ہیں۔

آبِ حیات کا درس:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی کتابوں میں ایک مشہور کتاب "آب حیات" ہے، غیر مقلدین کے امام العصر اسماعیل سلفی صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا نانوتوی کی "آب حیات" دیکھنے کا موقع ملا، مولانا نانوتوی کے علم اور جلالتِ قدر پر پہلے بھی یقین تھا، آبِ حیات دیکھنے سے ان کا احترام اور بھی زیادہ ہوا"

(حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۸۰)

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے "آب حیات" میں جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حیات الانبیاء علیہم السلام احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور اس کا منکر گمراہ ہے۔ (آب حیات صفحہ ۴۱)

عقیدہ حیات پر مشتمل یہ کتاب "آب حیات" حضرت شیخ صاحب نے چند افراد کو باقاعدہ پڑھائی، اس کتاب کے پڑھانے کی صورت، ہمارے مدرسہ فتحیہ کے شعبہ کتب کے استاد حضرت مولانا الطاف صاحب حفظہ اللہ کی روایت کے مطابق یوں پیش آئی کہ:

ایک دفعہ دو پروفیسرز آئے اور کہنے لگے کہ غیر مقلدین عقیدہ حیات کی تردید کرتے ہوئے اسے غلط قرار دیتے ہیں، ہم اسے سمجھنا چاہتے ہیں، آپ ہماری رہنمائی فرمائیں، حضرت شیخ صاحب نے فرمایا: آبِ حیات کتاب کا مطالعہ کرو! ان شاء اللہ بات سمجھ آجائے گی۔

انہوں نے اس کا مطالعہ شروع کیا مگر مشکل ودقیق ہونے کی وجہ سے کما حقہ استفادہ نہ کر سکے، حضرت شیخ صاحب سے اس کا شکوہ کیا تو آپ نے فرمایا: میرے پاس آجایا کرو میں سبقاً سبقاً یہ کتاب آپ کو پڑھادوں گا۔ مولانا الطاف صاحب ان دنوں تراویح میں قرآن سنانے کی غرض سے

حضرت شیخ صاحب کے پاس قیام پذیر تھے، وہ بھی "آبِ حیات" پڑھنے کے لیے ان پروفیسروں کے ساتھ شامل ہوگئے، حضرت شیخ صاحب نے ان حضرات کو کتاب مذکور پڑھائی۔

فائدہ: اوپر مذکور ہوا کہ غیر مقلدین عقیدہ حیات کے انکاری ہیں، مگر یاد رہے پچھلے زمانے کے غیر مقلدین عقیدہ حیات کے قائل تھے، ان حضرات کی ایسی عبارات حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے "تسکین الصدور صفحہ ۲۶۲ تا ۲۶۴" پر نقل کردی ہیں اور بندہ نے بھی اپنی تازہ کتاب "فضائل اعمال کا عادلانہ دفاع" میں عقیدہ حیات پر مشتمل غیر مقلدین کی کتب سے بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں عنقریب یہ کتاب شائع ہونے والی ہے، ان شاء اللہ۔

وسیلہ کا جواز:

حضرت شیخ صاحب اپنے سلسلہ وار "درسِ قرآن" میں فرماتے ہیں:

"توسل بالاحیاء بھی حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت علیہ السلام کی خدمت اقدس میں ایک بدوی (دیہاتی) نے بارش نہ ہونے کی شکایت کی اور دعا کے لیے عرض کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی اور بارش برسی۔ توسل بالاموات، اگر یوں کہے "اللھم بجاہ فلان، یتوسل فلان، بحرمۃ فلان، میرا فلاں کام کردے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا کرنے والا خدا سے مانگ رہا ہے، لیکن اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ مقبولین کو بنا رہا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ یہ دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے نمبر ۱...... ان کا وسیلہ لایا جارہا ہو جو تواتر سے مقبول عنداللہ ہوں، جیسے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اس لیے یہ جائز ہے، البتہ توسل بالمجہولین درست نہیں کہ جہاں مزار دیکھی وسیلہ بنا لیا۔ نمبر ۲...... بحرمۃ فلاں کا معنیٰ صفت باری تعالیٰ ہو تو تب درست ہے، یعنی اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یا اللہ ان مقبولین کے ساتھ جو تیری محبت ہے اور ان پر جو تیری رحمت ہے اس کا واسطہ بنا کر دعا کرتا ہوں۔

فائدہ: قبر کے پاس وسیلہ مانگے تو ہاتھ نہ اٹھائے کیونکہ اس میں شرک کا شائبہ ہے یا کم از کم مشکوک معاملہ ہے اور اشتباہِ شرک سے بچنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جس ملک میں اگر رواج ہو اور وہاں احیاناً (کبھی، کبھی) ہاتھ اٹھائے جائیں تو درست ہے التزاماً نہیں مانگنا چاہیے" (دوماہی مجلّہ نورِ بصیرت شمارہ نمبر ۱۶ صفحہ ۳۔ اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء)

دورِ حاضر کے اشاعتی مماتی اور غیر مقلدین مماتی دونوں وسیلہ کے منکر ہیں مگر حیرت کی بات

ہے کہ یہ دونوں گروہ جنہیں اپنا اپنا ''شیخ الکل'' مانتے ہیں وہ وسیلہ کے قائل ہیں۔

اشاعتی لوگ حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ کو ''امام الموحدین'' کہتے ہیں جبکہ وہ اپنی املائی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''وحل مشکلے از حق تعالیٰ طلب نمودن بتوجہ بزرگان بجا است وعین رضا است۔

اور کسی مشکل کا حل اللہ تعالیٰ سے بزرگوں کے توسل سے طلب کرنا بجا اور عین رضا ہے۔''

(بلغة الحیران صفحہ ۳۵۴)

اسی طرح غیر مقلدین میاں نذیر حسین دہلوی صاحب کو ''شیخ الکل فی الکل'' قرار دیتے ہیں، حالانکہ وہ وسیلہ کے قائل ہیں اور وہ اپنی کتاب ''معیار الحق'' کے آخر میں لکھتے ہیں:

''العاجز محمد نذیر حسین عافاہ اللہ فی الدارین بجاہ سید الثقلین۔ (معیار الحق صفحہ ۳۵۳ دوسرا نسخہ ۴۱۹)

عاجز محمد نذیر حسین، اللہ دنیا وآخرت میں انہیں ثقلین (جن وانس) کے سردار (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے معاف فرمائے۔''

اور اہلحدیث کے مسلم پیشوا علامہ شوکانی۔ (تاریخ اہلحدیث سیالکوٹی صفحہ ۱۴۷) نے وسیلہ کے جواز پر ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ''الدر النضید'' ہے۔

لمعہ نمبر ۳: بدعات ورسومات کی بیخ کنی

غیر مقلدین کے فتاوٰی میں لکھا ہے:

''دیوبندی دراصل سیدنا امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں، یہ کوئی الگ اور نیا مذہب نہیں ہے''

(فتاوٰی علمائے حدیث جلد ۲ صفحہ ۲۴۴)

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں:

''دیوبندی حنفی کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ جو شخص مسائل فقہیہ میں امام ابوحنیفہ کا پیرو ہو، کتب فقہ کے علاوہ کسی قسم کے رسم ورواج کو داخل نہ سمجھے اور بریلوی حنفی کی تعریف میں مجموعہ رسوم (مولود وغیرہ) بھی داخل ہوگا'' (مظالم روپڑی صفحہ ۵۶ مشمولہ رسائل اہلحدیث جلد اول)

امرتسری صاحب مزید لکھتے ہیں:

''دیوبندی گروہ علم فقہ اور اس کے لوازم کے علاوہ علم حدیث وتفسیر میں توغل رکھتا ہے اسی

لیے انہوں نے حنفی مذہب کو جو رسوم ملکی سے آلودہ ہو رہا تھا رسوم شرکیہ، بدعیہ سے نتھار کر خالص حنفی مذہب کی شکل میں دکھانے کی کوشش کی یعنی دیوبندی چونکہ حنفی مقلد ہیں اس لیے وہ مذہب حنفی وہی پیش کرتے ہیں جو مذہب فقہ حنفیہ میں ملتا ہے نہ وہ جس میں رسوم ملکی اور آبائی داخل کی گئی ہیں''

(تحریک وہابیت پر ایک نظر صفحہ ۳)

غیر مقلدین کے درج ذیل علماء کرام نے دیوبندیوں کو ''اہل سنت'' تسلیم کیا ہے۔

۱.....عبد اللہ روپڑی صاحب۔ (فتاوٰی اہلحدیث جلد ۱ صفحہ ۶)

۲.....قاضی محمد اسلم سیف صاحب۔ (تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں صفحہ ۳۰۹)

۳.....ثناء اللہ امرتسری صاحب۔ (تحریک وہابیت پر ایک نظر صفحہ ۳)

۴.....صلاح الدین یوسف صاحب۔ (الاعتصام لاہور ۲ ربیع الثانی ۱۴۱۲ء صفحہ ۱۲)

۵.....علیم ناصری صاحب۔ (الاعتصام ۲۵ رجب ۱۴۱۲ھ صفحہ ۳)

قاضی محمد اسلم سیف صاحب لکھتے ہیں:

''حرمین کے علماء کرام اور شیوخ نے مولانا احمد رضا خان بریلوی کو شیطان بصورت انسان قرار دیا اور دھوکے باز اور فریبی گردانا جبکہ علمائے دیوبند کے عقائد کو اہل السنّت والجماعت کے عقائد قرار دیا'' (تحریک اہلحدیث تاریخ کے آئینے میں صفحہ ۳۰۹)

مجلّہ تسکین الصدور کی سرپرستی:

غیر مقلدین کے مذکورہ بالا بیانات سے ثابت ہو رہا ہے کہ علمائے دیوبند رسومات وبدعات کی تردید ومخالفت کرنے والے پکے حنفی اور خالص اہل سنت ہیں......اس لیے بدعات و رسومات کے خلاف انہوں نے خوب کام کیا ہے، ان میں سے ایک نمایاں کام مجلّہ نور بصیرت بہاولپور کا اجراء ہے جو اب ''مجلّہ تسکین الصدور'' کے نام سے شائع ہو رہا ہے ان دونوں کے مدیر حضرت مولانا جمیل الرحمٰن عباسی حفظہ اللہ ہیں، دونوں رسالوں میں بدعتی گروہ، غیر مقلدیت، مماتیت اور بریلویت وغیرہ کے خلاف تحقیقی اور تنقیدی مواد موجود ہے، اس کے باوجود حضرت شیخ صاحب آخر زندگی تک سرپرستی فرماتے رہے، بدعات ورسومات کے خلاف شائع ہونے والے مضامین پر نہ صرف یہ کہ انکار نہیں کیا بلکہ زبان سے صراحۃً اس پر مدیر کو شاباش بھی دیتے رہے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بدعات ورسومات

کے خلاف کام کرنے کا ذوق رکھتے تھے، لہٰذا اہل ذوق انہیں خراجِ تحسین پیش کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

حُسنِ اتفاق:

مجلّہ نور بصیرت کا تذکرہ آیا ہے تو ایک "حُسنِ اتفاق" بھی ملاحظہ فرماتے چلیں:

نور بصیرت شمارہ نمبر ۷ رمضان، شوال ۱۴۲۷ھ میں بندہ کا مضمون "بیس رکعات تراویح" شائع ہوا، اسی رسالہ میں میرے استاد حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب دام ظلہ، (شیخ الحدیث: دار العلوم فتحیہ، احمد پور شرقیہ) کا مضمون "فضائل روزہ" موجود ہے۔ اُن کے استاد حضرت مولانا محمد صادق جمالپوری صاحب دامت برکاتہم کا مضمون "ایمان کی دو بنیادیں" بھی اسی رسالہ میں ہے۔ اُن کے استاد مفتی عطاء الرحمٰن صاحب دام ظلہ کے تو اس مجلّہ میں دو مضامین "مجموعہ محاسن، قاری اللہ بخشؒ ...." "دار العلوم مدنیہ سے دار العلوم دیوبند تک" نمایاں طور پر دکھائی دے رہے ہیں، اور مجلّہ کی ابتدا میں ان کے استاد حضرت شیخ صاحب کا مضمون تو "الرحمٰن الرحیم کی تفسیر" پڑھنے والے کو سب سے پہلے نظر آتا ہے۔

ہم نے حضرت مولانا مفتی عطاء الرحمٰن صاحب کو حضرت شیخ صاحب کا شاگرد ظاہر کیا ہے، کیونکہ مفتی صاحب نے میراث وفتاویٰ میں ان سے استفادہ کیا ہے، اگر مفتی صاحب کا واسطہ نکال لیا جائے تو بھی مذکورہ "حسن اتفاق" باقی رہے گا کیونکہ حضرت مولانا محمد صادق صاحب تو حضرت شیخ صاحب کے شاگرد ہیں ہی۔ اس اعتبار سے اگر چہ ایک واسطہ کم ہے مگر "حُسنِ اتفاق" قائم و دائم ہے، والحمدلله على هذا۔

تقریبات نکاح کی رسومات کا رد:

حضرت شیخ صاحبؒ، مولانا محمد الطاف صاحب کے توسط سے احمد پور شرقیہ کے علاقہ میں نکاح پڑھانے کے لیے تشریف لائے، جب مجلس نکاح میں دولہا کو دیکھا تو وہ علاقائی رسومات میں ملبوس نظر آیا، یعنی اس نے سرخ دوپٹہ (چُنی) اوڑھ رکھا تھا، سر پر رسمی عمامہ (جو رسمی طور پر اس علاقے میں دولہے کے سر پر رکھا ہوتا ہے) اور گلے میں نوٹوں کے ہار لٹکائے ہوئے تھا۔

حضرت شیخ صاحب نے ان رسومات کو دیکھ کر نکاح پڑھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا: اگر آپ نے یہ رسومات ادا کرنی تھیں تو مجھے کیوں بلایا ہے؟

ان کے اس انکار پر میزبان حضرات نے اسی مجلس میں دولہے سے کہا کہ: ان سرخ دوپٹہ، ہار وغیرہ کو اتار دو! چنانچہ اس نے اسی وقت ان کو اتارا، تب حضرت شیخ صاحب نے نکاح پڑھایا۔

بریلوی علماء کا حکم:

بریلوی عوام بدعتی تو ضرور ہیں مگر شرک کے اعتبار سے دو قسم پر ہیں۔ ا...... کچھ تو بدعتی ہونے کے ساتھ مشرک بھی ہیں۔ ۲...... کچھ وہ ہیں جو صرف بدعات و رسومات کے خوگر ہیں، شرک سے اجتناب کرتے ہیں۔ مگر ان کے علماء مشرک ہیں۔ حضرت شیخ صاحب بریلویوں کے اہل علم، پیر اور گروہ قسم کے لوگوں کو انما المشرکون نجس کا مصداق قرار دیتے تھے کہ یہ لوگ مشرک پلید ہیں۔

بدعت سے احتراز:

حضرت شیخ صاحبؒ ون یونٹ چوک مسجد میں امام مقرر ہوئے، اس علاقہ میں وہ لوگ بھی آباد ہیں جو جنازہ کے بعد التزاماً دُعا مانگا کرتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء احناف نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ممانعت کے الفاظ دو طرح سے مروی ہیں: ا...... جنازہ کے بعد دُعا کے لیے نہ بیٹھے۔ ۲...... دُعا کے لیے قیام نہ کرے۔ قیام نہ کرے کا مطلب یہ نہیں کہ کھڑے ہو کر دُعا مانگنا درست نہیں اور بیٹھ کر دُعا مانگنی چاہیے۔ بلکہ قیام مطلقاً ٹھہرنے کے معنیٰ میں ہے، جیسے کہ کہا جاتا کہ فلاں نے اس شہر میں اتنے دن قیام کیا ہے، اس جملہ میں قیام ٹھہرنے کے معنیٰ میں ہے، یہ مطلب نہیں کہ اتنے دنوں تک وہ پاؤں پر کھڑے ہی رہے ہیں۔ اس لیے جنازہ کے بعد دُعا چاہے کھڑے ہو کر ہو یا بیٹھ کر، دونوں صورتوں میں بتصریح فقہاء بدعت ہے۔

☆ حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ کو ون یونٹ کے علاقہ میں پہلا پہلا جنازہ پڑھانے کا اتفاق ہوا تو جنازہ پڑھایا، مگر بعد جنازہ دُعا نہیں کرائی، ان دنوں جامعہ مدنیہ کے بانی مولانا غلام مصطفیٰ صاحب رحمہ اللہ حیات تھے، حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ نے انہیں بتایا کہ میں نے جنازہ پڑھایا ہے، مگر بعد جنازہ دُعا نہیں کرائی، مولانا نے فرمایا: آپ نے اچھا کیا ہے، اگر اب آپ دُعا مانگ لیتے تو بعد میں مشکل میں پھنس جاتے۔ جب بھی آپ دُعا ترک کرتے، ہنگامہ کھڑا ہو جاتا۔

☆ حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ سفر میں تھے، دورانِ سفر رفقائے سفر میں سے کسی نے عرض کیا، راستہ میں فلاں پیر صاحب ہیں، اُن کی ملاقات کو جانا چاہیے، فرمایا: وہ بدعتی پیر ہے، اُس کے ہاں

حاضری دینا درست نہیں ہے۔

لمعہ نمبر ٤: مودودیت کی تردید

حضرت شیخ صاحب سے قریبی تعلق رکھنے والے قریباً سبھی حضرات جانتے ہیں کہ وہ اپنے وعظ، درس، تدریس اور محاضرہ میں مودودی نظریات کی تردید بکثرت فرمایا کرتے تھے، اُن کے اساتذہ میں سے ایک صاحب مودودیت سے متاثر تھے، آپ ادب واحترام کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان سے اختلاف کرتے اور ان کی موجودگی میں مودودی جراثیم کا مہلک ہونا بیان فرمادیتے تھے۔

تنبیہ: حضرت شیخ صاحب کے جو استاد مودودیت سے متاثر تھے وہ بعد میں مودودی نظریات سے تائب ہوگئے تھے۔ الحمدللہ۔

صحابہ کرام کا دفاع:

ہمارے مدرسہ ''دارالعلوم فتحیہ، احمد پور شرقیہ'' کے استادِ حدیث مولانا الطاف صاحب حفظہ اللہ، حضرت شیخ صاحب سے بیعت ہیں، وہ فرماتے ہیں:

۲۰۰۴ء میں حضرت شیخ صاحب کی مسجد (ون یونٹ چوک کالونی بہاولپور) میں تراویح میں قرآن سنانے کی غرض سے گیا، حضرت شیخ صاحب روزانہ اس مسجد میں درس قرآن دیا کرتے تھے، لیکن اس ماہ رمضان میں درسِ قرآن میرے ذمہ لگا دیا، ایک دفعہ میں نے دورانِ درس مودودی صاحب کی صحابہ کرام کے خلاف کی گئی چیرہ دستیوں کا ذکر کر کے ان کی تردید کی جسے سُن کر سامعین میں سے جو مودودی تھے وہ مجھ سے اُلجھ پڑے اور بڑی ہی گرم جوشی دکھائی۔

میں نے اپنی یہ آپ بیتی حضرت شیخ صاحبؒ سے عرض کردی، دوسرے دن حضرت نے نمازیوں کی موجودگی میں مودودیت کی تردید فرمائی اور فرمایا صحابہ کرام کا دفاع ہمارے مسلک کا حصہ ہے، دفاع کا فریضہ ادا کیا جاتا رہے گا، ہم مودودی صاحب کی خاطر صحابہ کرام سے کسی صورت اپنے اعتقاد کو ختم نہیں کرسکتے۔

اس کے بعد اپنے کلام کا رخ اعتراض کرنے والے مودودیوں کی طرف موڑا اور انہیں مخاطب ہو کر کہا ہم نے صحابہ کرام کے دفاع میں مودودیت کی تردید کرنی ہے، اگر آپ کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تو بے شک کسی اور مسجد میں چلے جائیں یہاں نہ آیا کریں، غیر مقلدین کی مسجد کی طرف اشارہ

کر کے فرمایا: وہاں نماز پڑھا کریں آپ کا قارورہ انہی سے ملتا ہے۔

فائدہ: حضرت شیخ صاحبؒ نے جو یہ فرمایا ہے کہ مودودی کا قارورہ غیر مقلدین سے ملتا ہے، ممکن ہے کہ کسی غیر مقلد کو یہ جملہ ناگوار یا غلط محسوس ہو، مگر حقیقت وہی ہے جو حضرتؒ نے بیان فرمائی ہے، لہٰذا ہر غیر مقلد کو اختیار ہے وہ جب چاہے ہمیں چیلنج کرسکتا ہے، ہم غیر مقلدین کی کتابوں سے حضرت شیخ صاحبؒ کے بیان کی صداقت تحریر کریں گے۔ ان شاء اللہ

مولانا غلام غوث ہزاروی صاحبؒ سے اتفاق:

مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مودودیوں کے سخت مخالف تھے ان کے دور میں مودودیت کے خلاف عوام میں ایک خاص نعرہ بھی گونجا کرتا تھا، حضرت شیخ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ مودودیت کے خلاف میں مولانا ہزاروی صاحب سے متفق ہوں، اس سلسلہ میں جو اُن کا نظریہ ہے وہی میرا ہے۔

لطیفہ: ماہنامہ ''صفدر'' گجرات کے مدیر مولانا سرفراز حسن حمزہ حفظہ اللہ نے بتایا کہ حضرت شیخ صاحب نے دوران درس از راہ مزاح فرمایا کہ قرآن میں فرعون کا کہا ہوا جملہ منقول ہے کہ: انا ربکم الاعلی، میں تمہارا اعلیٰ رب ہوں۔ (سورۃ النزعات)

یعنی فرعون نے اپنے آپ کو ''اعلیٰ'' کہا، مگر مودودیت کے سربراہ نے اپنے آپ کو ''ابوالاعلیٰ'' باور کرایا ہے کہ: میں اعلیٰ (فرعون) کا بھی باپ ہوں۔

بائیکاٹ/احتجاج:

بہاولپور کی ایک سیاسی شخصیت......کو جامعہ مدنیہ بہاولپور کی انتظامیہ نے مدرسہ کے جلسہ پر مہمان کے طور پر بلایا جبکہ وہ مودودی ذہن کے ہیں، چونکہ کسی بھی بدعتی کو اسٹیج پر اعزاز بخشنا ایک گونہ اس کی تعظیم ہے، اس لیے حضرت شیخ صاحبؒ نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور انتظامیہ سے کہا یہ مودودی ہیں، آئندہ ان کو جلسہ پر نہ بلائیں، انہیں اس قسم کے اعزاز بخشنے کی بجائے اس سے بائیکاٹ کیا جائے۔

ملفوظات:

۱......حضرت شیخ صاحب نے فرمایا:

''جنہوں نے تعلم کے بغیر علم حاصل کرنے کی کوشش کی وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو

بھی گمراہ کیا جیسے مودودی۔''

۲......کسی نے اعتراض کیا کہ مودودی صاحب کا علم آپ سے زیادہ ہے۔ حضرت شیخ صاحب نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: آپ کی بات مان لیتے ہیں، مگر میں طریقے سے بیان کر رہا ہوں اور وہ بغیر طریقے کے بیان کرتا رہا۔''

تنبیہ: حضرت شیخ صاحبؒ کا جملہ ''آپ کی بات مان لیتے ہیں'' ازراہِ تواضع ہے ورنہ حضرت باقاعدہ عالم، علوم وفنون کے ماہر مستند شخصیت تھے، جبکہ مودودی صاحب کسی مدرسہ کے فارغ التحصیل نہ تھے۔

مولانا کمال الدین دام ظلہ کی باکمال بات:

یہاں مجھے استاذِ محترم حضرت مولانا کمال الدین صاحب المسترشد دام ظلہ کا فرمان یاد آرہا ہے انہوں نے فرمایا:

مودودی صاحب کی تفسیر کے بارے میں اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فلاں فلاں مقام پر غلطی کی ہے، میں کہتا ہوں مودودی صاحب کی ساری تفسیر غلط ہے، بجز ان مقامات کے جو انہوں نے مستند مفسرین سے نقل کیے ہیں، کیونکہ حدیث میں آیا ہے: من قال فی القرآن برأيه فقد اَخطأ وان اصاب، جس نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی، اس نے خطا کی، اگرچہ وہ درستگی کو پہنچا ہو۔

چونکہ مودودی صاحب باقاعدہ عالم نہیں ہیں اور نہ اُن کا مستند مفسرین میں شمار ہوتا ہے، اس لیے اُن کی تفسیر، تفسیر بالرائے کے حکم میں ہے، لہٰذا اگر درست بھی لکھا ہو تو فقدا خطاء کا مصداق ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔ اِلّا یہ کہ جو اس نے مستند مفسرین نقل کیا ہو وہ مقبول ہے۔

نقش قدم پہ ان کے عزیزو چلے چلو
وہ راستے کو کر کے اُجاگر چلے گئے

میرا 85ء کے ساتھ حضرت سے تعلق تھا، آپؒ کے درس میں پابندی سے شریک ہوتا، مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتا تھا، لیکن میں محسوس کرتا تھا کہ داڑھی منڈے یا داڑھی کٹے سے حضرت اتنی خوشی سے گفتگو نہیں فرماتے، جتنی خوشی سے داڑھی والے سے فرماتے ہیں، بس یہی دیکھ کر میرے دل میں خیال آیا کہ میں بھی داڑھی رکھ لوں، چنانچہ داڑھی رکھ لی۔ جب حضرت نے دیکھا تو میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، میرے پاس خود تشریف لائے، مصافحہ کیا اور فرمایا: مبارک ہو!۔ (محمد اختر بیگ صاحب، ون یونٹ کالونی، بہاول پور)

مولانا محمد وزیر حسین

میرے استاذِ محترم حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ

اللہ تعالیٰ نے جس طرح حُسن صورت سے نوازا تھا، اسی طرح حسن سیرت سے بھی نوازا تھا، آپؒ فرائض تو فرائض نوافل ومستحبات کا بھی اہتمام فرماتے تھے، بحمد اللہ بندہ کو چھ سال آپؒ کی خدمت کی توفیق نصیب ہوئی۔ اس تمام عرصہ میں آپؒ سے خلاف سنت عمل نہ دیکھا۔

عاجزی وانکساری میں بھی اپنی مثال آپ تھے، اپنی ذات کی خاطر کسی کو تکلیف دینا گوارا نہ فرماتے تھے، ایک دفعہ دوپہر کو آپ رفع حاجت کے لیے اٹھے تو بندہ جو آپ کی خدمت کے لیے ہی وہاں موجود تھا، نہ جگایا، بلکہ تخت کا سہارا لے کر اٹھے اور دیوار کا سہارا لے کر باہر چلے گئے۔ حدیث شریف کا سبق اتنے آسان اور عام فہم انداز میں پڑھاتے کہ طلباء تو طلباء عام آدمی بھی مفہوم سمجھ لیتا تھا۔

معاملات میں بہت صاف تھے، جو بھی چیز منگواتے فوراً اس کی رقم ادا کرتے، یا پہلے ہی دے دیدیتے۔ لیکن میرے ساتھ معاملہ جدا تھا، 100 روپے اکٹھے دیتے، پھر پوچھتے: ختم ہوگئے ہیں یا باقی ہیں؟ میں کہتا: ہیں! تو فرماتے کہ: وہ تو آپ کے ہیں! میں عرض کرتا نہیں، آپ کے ہیں۔ تو مسکرا کر خاموش ہوجاتے۔ علمی مقام بہت ہی بلند تھا، خود فرمایا کہ: مولانا شمس الحق افغانی لوگوں کو کہتے تھے کہ: مجھ سے بڑے عالم تو مولانا حنیف صاحب ہیں۔ حالانکہ وہ آپ کے استاذ اور بہت بڑے عالم تھے، آپؒ سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس واقعہ سے اُن کی عاجزی اور آپؒ کے رتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح تبلیغی جماعت والے مولانا محمد احمد بہاول پوری مدظلہم لوگوں کو ترغیب دیا کرتے تھے کہ: مولانا حنیف صاحب کے پاس جایا کرو اور اُن سے استفادہ کیا کرو!

بچوں پر بطور خاص شفیق تھے، سبق میں سستی پر سمجھاتے کہ وقت ضائع مت کیا کرو! تقویٰ میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ ایک مرتبہ بھوک لگی تو میں نے مدرسہ سے ملا ہوا اپنا کھانا پیش کر کے کہا کہ: یہ میرا حصہ ہے، میری طرف سے ہے، تو تناول فرمالیا۔ ایک عزیزی کا سودی کاروبار تھا، میرے پوچھنے پر فرمایا: اُن کے گھر کھانا کھانا پڑے تو اندازہ لگا کر اُتنی رقم اُن کے بچے کو دیدیا کرو! اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مولانا احمد طاہر اختر☆

ہم متاعِ عظیم سے محروم ہو گئے !

''کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ'' ایک ایسا نمایاں عنوان ہے جو ہر ذی روح کے قرطاسِ زندگی کی زینت ہے۔ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس سے نہ کسی کو انکار ہے اور نہ ہی مفرّ .... ہر ایک کو دارِ فنا سے دارِ بقا کی جانب کا سفر طے کرنا ہے۔لیکن ان میں بعض چنیدہ ہستیاں ہوتی ہیں جو اس دارِ فانی میں بھی حیاتِ جاودانی کا آبِ حیات پا لیتی ہیں کہ وہ خود تو اس دنیا سے پردہ کر لیتی ہیں لیکن ان کا چشمۂ فیض سیلِ رواں کی طرح ہمیشہ افادہ کا باعث بنتا ہے،جن کا چرچا خلائقِ ارضی ہی میں نہیں بلکہ خلائقِ سماوی میں بھی زباں زد عام ہوتا ہے۔ان کا نام آنکھوں کا نور، ذہن کی تسکین، دل کے لئے عزم وجذبۂ للّٰہیت اور وجود کے لئے قوت کا باعث ہوتا ہے۔یہی وہ ہستیاں ہوتی ہیں جو امت کے لئے سرمایۂ کل ہوتے ہیں ان کا اس دنیا سے چلا جانا امت کے لئے داغِ یتیمی کے مترادف ہے۔ایسی ہی بابرکت ہستیوں میں سرِ فہرست پیرِ طریقت استاذ العلماء والصلحاء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف حنفی صاحب نور اللہ مرقدہٗ ہیں۔جن کی علمی واصلاحی کاوشوں نے نصف صدی تک ایک عظیم حلقہ کو فیضیاب کیا۔

درسِ نظامی اور فاضل عربی سے فراغت کے بعد ہڑپہ ہائی سکول میں بحیثیت استاد آپ کی تقرری ہوئی،حضرت الشیخ رحمہ اللہ خود اپنے بارے میں فرماتے تھے:

''ہڑپہ میں آکر میں نے ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا۔حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ جو کہ ہڑپہ میں ہی رہتے تھے ان کو علم ہوا کہ ایک مولوی صاحب ہائی سکول میں استاد مقرر ہوئے ہیں تو وہ میرے پاس تشریف لے آئے۔میں سمجھا کہ کوئی ایسے مولوی صاحب ملنے کے لئے آئے ہوں گے۔اور رسمی طور پر ان سے ملا۔اس ملاقات کے بعد وہ اکثر میرے پاس تشریف لاتے رہتے۔میں سوچتا رہتا کہ یہ میرے پاس کیوں اکثر آتے رہتے ہیں،مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ وہ ہستی ہیں جن کا وجودِ

☆ فاضل و مدرس: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور

منیر مستقبل کی زندگی کے لئے سراپا رحمت ہے۔ایک مرتبہ انہوں نے فرمایا کہ کبھی میری مسجد میں آئیں، تو میں نے حامی بھرلی اور کچھ وقت کے بعد میں وہاں چلا گیا۔وہاں جانا تھا کہ دل و دماغ نے عجیب سا سکون محسوس کیا۔اور وہاں آنا اچھا لگا۔پھر میں بھی ان کے پاس جانے لگا۔آہستہ آہستہ میں حضرت کا گرویدہ ہو گیا اور ان کی صحبت اختیار کر لی۔مکان چھوڑ کر مستقل اپنا ٹھکانہ حضرت کی خدمت میں بنا لیا۔حضرت کی تربیت ہی کا اثر تھا کہ سرکاری نوکری سے دل متنفر ہو گیا۔اور کچھ ہی عرصہ بعد حضرت کے مشورہ سے سرکاری نوکری کو خیرباد کہہ دیا اور حضرت کے ہی حکم پر جامعہ عباسیہ میں حضرت افغانیؒ کے سایۂ شفقت میں آگیا۔شیخ التفسیر حضرت مولانا شمس الحق افغانی سے تفسیر قرآن پڑھی۔

بندہ کے والد ماجد مولانا منظور احمد صاحب رحمہ اللہ بھی ہائی سکول میں استاد مقرر ہوئے تھے، بعد ازاں انہوں نے بھی سرکاری نوکری چھوڑ کر تدریس اختیار کر فرمائی تھی اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ سرکاری نوکری نے مجھے (علمی اعتبار سے) نقصان دیا ہے۔ایک مرتبہ میں نے یہ بات حضرت الشیخ رحمہ اللہ کو بتائی تو انہوں نے فرمایا: ''مجھے تو سرکاری نوکری نے فائدہ دیا ہے۔'' (کیونکہ اسی نوکری کے باعث حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ کی صحبت سے لے کر جامعہ مدنیہ کی مسندِ حدیث تک کی منازل طے ہوئی تھیں)۔

حضرت الشیخ رحمہ اللہ انتہائی سادہ طبیعت اور مزاج کے حامل تھے۔چہرہ ہمیشہ تبسم سے مزین رہتا تھا آنکھوں میں چمک چہرے پہ نور، چال میں عجز وانکساری جب بھی آپ سے کوئی ملنے آتا تو مسکراتے چہرے کے ساتھ معانقہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیتے۔آپ کے لباس و وضع قطع میں میں کوئی بناوٹ نہ تھی۔رومال کا عمامہ پہنتے۔ہمیشہ سفید کرتا اور لنگی زیب تن فرماتے تھے۔اکثر مدرسہ تشریف لاتے تو اسی عمامہ کرتہ اور چادر میں ملبوس ہوتے ایک ہاتھ میں لاٹھی اور دوسرے ہاتھ میں ٹفن ہوتا جو کہ آپ کے دوپہر کے کھانے کے لئے گھر سے ہمراہ لے کر آتے۔کیونکہ آپ نے کبھی مدرسہ کا کھانا استعمال نہیں فرمایا تھا اور اس معاملہ میں انتہائی احتیاط فرماتے تھے۔ایک مرتبہ مدرسہ میں کسی نے چاول کی دیگیں بھجوا دیں۔ایک طالب علم وہ چاول آپ کے پاس لے کر آگیا۔آپ نے پوچھا کہاں سے لائے ہو۔تو اس طالب علم نے کہا کہ کسی نے مدرسہ کے لئے بھجوائے ہیں۔تو آپ نے فرمایا کہ ''یہ طلباء کے لیے صدقہ ہے،میں کیسے کھا سکتا ہوں۔'' اور پھر وہ واپس بھجوا دیئے۔

حضرت کا ہر فعل سنت کا آئینہ تھا اور یہ آپ کی فطرت کا حصہ بن چکی تھی۔ آپ کا اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، سونا لیٹنا یہاں تک کہ بیت الخلاء کے لئے بھی سنت ہی مد نظر رکھتے۔ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت اگر کبھی غلطی سے دایاں پاؤں آگے آ جاتا تو وہیں رک جاتے اور بایاں پاؤں اندر داخل فرماتے تھے۔

احادیث میں وضو کا جو طریقہ مسنون پڑھا ہے حضرت کے وضو میں اس کا ایک جز بھی فوت نہ ہوتا تھا۔ بالکل آرام آرام سے وضو فرماتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہمیں سکھا رہے ہیں اور واقعۃً حضرت کے وضو سے ہی طریقہ سیکھا اور آج تک بھی وہ طریقہ دل و دماغ میں نقش ہے۔ ایک مرتبہ وضو کے وقت مسواک نہ رکھا گیا، معلوم ہوا کہ گزشتہ ختم ہو گیا اور نیا لانے سے ذہول ہو گیا ہے، آپ نے اسی وقت مسواک لانے کے لئے دکان پر بھیجا اور اتنی دیر انتظار فرمایا اور وضو نہ کیا۔

دورانِ درس باوضو رہنے کا سخت اہتمام ہوتا تھا، کبھی بھی بغیر وضو درس نہیں دیا تھا۔ فالج کے بعد (جس کا اثر اللہ کے فضل و کرم سے کچھ عرصہ بعد کم ہو گیا تھا) جب جسمانی قوت ساتھ نہ دیتی اور چلنا پھر انتہائی مشکل ہو گیا تب بھی درس کے دوران تیمّم فرماتے تھے۔

حضرت الشیخ کی محبت و اخلاق کا یہ عالم تھا کہ خواص و عام کو انتہائی محبت اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے، گھر پہ کوئی بھی جس وقت آتا، آپ خود اس سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے۔ بندہ کو دورہ حدیث کے سال ۱۴۳۲ھ میں آپ کا خادم ہونے کا شرف حاصل ہوا اور پورا سال آپ کی شفقت و محبت کا مشاہدہ رہا، ایک مرتبہ بندہ کے والد ماجد رحمہ اللہ کے دل کا مرض شدت اختیار کر گیا۔ اچانک گھر سے فون آیا۔ راقم اس وقت حضرت کی خدمت میں تھا، اطلاع دی گئی تو میں نے پریشانی کے عالم میں حضرت سے عرض کر دیا۔ آپ سنتے ہی بے تاب ہو گئے اور انتہائی پریشانی کے عالم میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے، اس کے بعد حضرتؒ بندہ کو تلقین فرماتے اور حوصلہ دیتے رہے اور فرمایا "اس موقع پر تمہیں دل کو مضبوط کرنا ہوگا، گھر جا کر والدہ کو صبر اور دعا کی تلقین کرو اور والد صاحب کو ابھی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ اور رونا نہیں اور نہ ہی ہمت ہارنی ہے۔" حضرت کی اس درجہ کی پریشانی دیکھ کر میں گھبرا گیا کہ حضرت خود ضعیف العمر اور بیمار ہیں۔ اس قدر پریشانی ان کی صحت کے لئے نقصان دہ ہے۔ اور دل میں پچھتایا کہ اس انداز میں اطلاع نہیں دینی چاہئے تھی۔ (قربان جاؤں حضرت پر کہ انہوں نے میرے درد کو اپنا درد محسوس کیا اور اس قدر محبت ہمدردی کا معاملہ فرمایا۔ وہ محبت اور مٹھاس بھرا لہجہ جب

بھی نظروں کے سامنے آتا ہے تو دل خون کے آنسو روتا ہے کہ ایسے محبّ مشفق و مہرباں ہستی سے اب ہم ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے ہیں)۔

عجب قیامت کا حادثہ کہ اشک ہیں آستیں نہیں ہے
زمیں کی رونق چلی گئی ہے، افق پہ مہرِ مبیں نہیں ہے
تری جدائی میں مرنے والے! وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

اس کے بعد والد ماجد کو ملتان ہسپتال لے جانا پڑا تو حضرت ہر روز خود فون کرتے اور والد صاحب کی خیریت پوچھتے تھے، میں عرض کرتا کہ پہلے سے بہتر ہے۔ تاکہ حضرت مزید پریشان نہ ہوں اور جواب آپ جواباً مجھے حوصلہ دلواتے اور صبر کی تلقین فرماتے، اور ہر روز بخاری کے سبق کے بعد خصوصی دعا فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ میرے حضرت، میرے شیخ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ اللہ کے فضل و کرم سے اور حضرت کی دعاؤں سے والد صاحب کی طبیعت ٹھیک ہو گئی اور گھر تشریف لے آئے۔ جب میں مدرسہ آیا تو حضرت الشیخ رحمہ اللہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں آپ کے والد صاحب کی عیادت کرنا چاہتا ہوں (میں نے دل میں سوچا کہ زہے نصیب کہ حضرت ہمارے گھر قدم رنجہ فرمائیں گے) پھر فرمایا "لیکن ہم وہاں پر سنت کے مطابق فواق الناقہ کی مقدار بیٹھیں گے اور پھر واپس آ جائیں گے۔" (فواق الناقہ کی مقدار وقت سے مراد وہ وقت ہوتا ہے جس میں اونٹنی دودھ کو تھنوں سے اوپر کھینچ لیتی ہے اور یہ بہت ہی قلیل مقدار ہے۔ تاکہ مریض پر بوجھ نہ ہو) حضرت گھر تشریف لائے تو میں نے بہتیرا کوشش کی کہ تبرک کے لئے حضرت کا کچھ اکرام کروں لیکن حضرت نے سختی سے منع فرما دیا۔ اور فرمایا "عیادت کا مطلب ہوتا ہے مریض کو حوصلہ دینا نہ کہ اس پر بوجھ بننا۔" اور آپ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔

آپ وقت کے انتہائی پابند تھے۔ حضرت مفتی عطاء الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم مہتمم دار العلوم مدنیہ دوسرے اساتذہ کو حضرت الشیخ کی مثال دے کر ڈانٹ دیا کرتے تھے کہ شیخ الحدیث صاحب باوجود ضعف کے وقت سے پہلے مدرسہ آ جاتے ہیں اور آپ لوگوں سے وقت کی پابندی نہیں ہو سکتی؟

حضرت ہر لحظہ ذکر کا اہتمام فرماتے تھے جس کا باعث آپ کا بدن مبارک ذکر اللہ کے عطر سے

معطر رہتا تھا۔ایک مرتبہ آپ نے خود اپنے زمانہ طالبعلمی کا واقعہ بیان فرمایا

''ایک روز میں حضرت افغانیؒ کے درس میں بیٹھا تھا مجھے کچھ احساس ہوا میں اوپر دیکھا تو میں نے دیکھا کہ میرے ساتھ بیٹھا ہوا ساتھی میری جانب انگلی سے اشارہ کر کے دوسرے کو دکھا رہا تھا۔میں حیران ہوا کہ سبق کے دوران اس طرح کی حرکت کیوں کر رہا ہے؟ میں نے اس سے سخت لہجے میں پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ آپ کے ہونٹ مسلسل حرکت کرتے رہتے ہیں۔میں اس لڑکے کو کہا تھا کہ آپ ہر وقت ذکر کرتے ہیں تو میں یہی دکھا رہا تھا۔اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مجھے احساس نہ ہوتا تھا کہ ذکر کر رہا ہوں اور تیسرے کلمہ کا ورد کرتا رہتا تھا۔

حضرت الشیخ رحمہ اللہ حضرت مولانا ولی محمد صاحب سے دل وجان سے محبت فرماتے تھے اور ان کی عظمت آپ کے دل میں رچی بسی تھی، آپ اپنا ایک خواب بیان فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ خواب میں دیکھا، سب لوگ ایک جانب آواز دیتے ہوئے بھاگے جا رہے تھے کہ حضور ﷺ تشریف لا رہے ہیں، میں بھی یہ سن کر دوڑا بھیڑ میں جا کر دیکھا تو کوئی نہیں تھا، میں نے کسی سے پوچھا کہ حضور ﷺ کہاں ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ حضور ﷺ تو تشریف نہیں لائے لیکن اپنے نائب کو بھیج دیا ہے، اور وہ وہاں وضو فرما رہے ہیں۔میں نے دیکھا تو وہ حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ تھے۔پھر فرماتے کہ یہ خواب دیکھ کر ان کی میری دل میں عظمت اور بڑھ گئی ہے۔

ایک مرتبہ حضرتؒ نے مولانا ولی محمدؒ صاحب کو خط لکھا ''حضرت افغانی رحمہ اللہ بہت بڑے بزرگ ہیں، مجھے خدشہ ہے کہ میرے دل میں اُن کی عظمت آپ سے زیادہ نہ بڑھ جائے'' تو حضرت مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ نے جواب دیا: وہ بھی تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہیں، اس باغ کا پھل بھی آپ کو کھانا چاہیے۔

بالآخر آپؒ بھی ہم بے کسوں اور ضعیفوں کو چھوڑ کر راہی دارِ بقا ہوئے۔حق مغفرت کرے......!

یہ کون اٹھا کہ دیر وکعبہ شکستہ دل، خستہ گام پہنچے
جھکا کے اپنے دلوں کے پرچم خواص پہنچے، عوام پہنچے
تری لحد پر خدا کی رحمت، تری لحد کو سلام پہنچے
مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

مولانا محمد صدیق قریشی☆

پیکرِ اخلاص......جبلِ استقامت

اخلاص اور استقامت وہ عظیم نعمتیں ہیں جو آدمِ خاکی کو اتنی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہیں کہ نجم بھی اس کی پرواز سے سہمے سے لگتے ہیں۔قدرت نے یہ دونوں جوہر استاد محترم شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی میں بدرجہ اتم ودیعت رکھ دی تھیں۔آپ کی ذات اخلاص کا پیکر اور آپ کی زندگی استقامت کی تابندہ داستان تھی۔بعض اوقات ایسا موقع بھی آجاتا ہے کہ انسان جذبات کی رو میں تمام ہوش وہواس گنوا بیٹھتا ہے۔مگر شیخ صاحبؒ ایسے کٹھن مراحل پر بھی اخلاص کا دامن نہ چھوڑتے تھے۔

راقم جب درجہ ثالثہ میں تھا تو ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا ہماری جماعت میں ایک ساتھی تھا جو شیخ صاحبؒ کی ون یونٹ کالونی کا رہائشی تھا، ایک دن شیخ صاحب انتہائی غصہ کی حالت میں جماعت میں تشریف لائے، نفحۃ العرب کا سبق ہو رہا تھا، اچانک شیخ صاحبؒ کو دیکھ کر استاذِ محترم سمیت تمام جماعت احتراماً کھڑی ہوگئی۔شیخ صاحبؒ نے اس لڑکے کو بلایا اور مرغا بنا کر پندرہ بیس سوٹیاں رسید کیں۔سب لوگ شیخ صاحبؒ کے غیر متوقع غصہ پر حیران تھے، شیخ صاحبؒ نے خود ہی فرمایا ''تمہیں معلوم ہے میں نے اسے کیوں مارا ہے؟'' سب نے نفی میں جواب دیا تو آپؒ نے فرمایا ''تم لوگ نحو میں پڑھتے ہو ''ضربتہٗ تادیباً'' تو میں نے بھی اس کو ادب سکھانے کے لئے مارا ہے۔اس کا والد غریب آدمی ہے اس نے لوگوں سے قرضے لے لے کر اپنے والد کو مقروض کر دیا ہے اور یہ پینٹ پہن کر اوباش لڑکوں کے ساتھ پھرتا ہے۔اس کا والد روتا ہے۔میں نے اس کو کئی بار سمجھایا ہے۔مگر اس بار میرے منع کرنے پر اس نے ایک آدمی سے کہا کہ میں پینٹ پہن کر ان (شیخ صاحبؒ) کے سامنے سے گذروں گا۔اس نے مجھے بوڑھا سمجھ لیا ہے'' اس کے بعد آپؒ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور ساروں سے فرمایا کہ اب اس لڑکے کے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے'' اور پھر اسی لڑکے کے لئے جس پر چند لمحوں قبل غصہ کر رہے تھے بڑی عاجزی سے دعا کرنے کے بعد واپس تشریف لے گئے۔ہم لوگ شیخ صاحبؒ کے غیض والفت کے اس ملے جلے مظاہرے میں کافی دیر غرق رہے۔

☆ فاضل: دار العلوم مدنیہ......ناظم: مجلّہ ''المصطفیٰ'' بہاول پور

زندگی میں کئی مواقع ایسے بھی آئے کہ آپ عیش وعشرت کا سامان کر سکتے تھے، مگر آپ نے خدمت دین کی فقیرانہ زندگی کو گلے لگائے رکھا۔ دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد آپ کی بطور سکول ٹیچر کے سرکاری ملازمت ہوگئی تھی مگر اپنے استاذِ مکرم مولانا غلام محمد صاحب کے ارشاد اور مولانا ولی محمد صاحب کی ترغیب پر انتہائی غربت کے حالات میں سرکاری ملازمت چھوڑ دی۔ پھر زندگی بھر فقر وفاقہ سے بے نیاز دین سیکھنے سکھانے میں لگے رہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مولانا منظور احمد نعمانیؒ مجھے کہتے تھے، کہ تو دین کی خدمت میں لگا رہ ایک وقت آئے گا تو پیسوں میں کھیلے گا۔ پھر فرماتے تھے، آج (۱۴۳۲ھ) میں میری تنخواہ دس ہزار ہے، میرا ایک بیٹا سکول ٹیچر اور ایک پروفیسر ہے ان کی اتنی اتنی تنخواہ ہے۔ میرا گھر تم نے دیکھا ہے کتنا عالیشان ہے آج میں پیسوں میں کھیل رہا ہوں۔ اس کے بعد ہمیں فرماتے کہ ''تم بھی دین سے چمٹے رہو، اللہ تمہیں بھی بھوکا نہیں مارے گا''۔

آپ تکلفات سے کوسوں دور تھے۔ آپ کی طبیعت میں اتنی سادگی تھی کہ آپ ہر عام وخاص کی دعوت قبول فرما لیتے تھے۔ صاحبِ دعوت معمولی سے معمولی چیز بھی رکھ دیتا تو آپ بخوشی تناول فرما لیتے تھے۔ کوئی کسی بھی وقت ملنے آجاتا تو آپ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے اور اچھی طرح ملتے۔

12 اکتوبر 2012ء، ۲۷ ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ بروز جمعۃ المبارک بعد نماز مغرب صبر واستقامت کا یہ پیکر، اپنے تمام تر محاسن وخصائص کے ساتھ داعی اجل کے سپرد ہو گیا۔

گو جانے کے مشتاق یہاں ہم جیسے لاکھ بیچارے ہوں
وہی لوگ جدا ہو جاتے ہیں جو لوگ کہ سب کو پیارے ہوں

91ء میں بندہ نے حج کے لیے درخواست دی، پھر حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا کہ: حضرت! دُعا فرمائیں کہ میرا نام حج کے لیے نکل آئے۔ آپؒ نے فرمایا: آپ کوئی سنت پوری کریں، ان شاء اللہ آپ کا نام نکل آئے گا۔ میں نے پوچھا کہ: کون سی سنت پوری کروں؟ (میری اُس وقت داڑھی نہیں تھی) آپؒ نے فرمایا: داڑھی رکھ لو! میں نے اُسی وقت اُن کے سامنے پختہ عزم کر لیا کہ اب ان شاء اللہ سنت کے مطابق پوری داڑھی رکھوں گا، آئندہ بالکل نہیں منڈواؤں گا۔ حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور دُعا فرمائی، آپ یقین کیجیے! اس دُعا کے بعد میں دفتر گیا تو میرا نام حج کے لیے آیا ہوا تھا۔ یہ واقعہ حضرتؒ کی کرامت تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرتؒ کے ہاں اتباع سنت کا کتنا اہتمام تھا۔

(سید محمد سلطان شاہ، ون یونٹ کالونی)

سراج احمد رفعت، لاہور

آہ! شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ

کس قدر عظیم انسان اس دنیا سے پردہ فرما گئے، حضرت کی شفقتیں محبتیں اور پرخلوص دعاؤں کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے غالباً 1970ء سے ملاقات ہے، بلکہ میں مسلسل 3 سال اپنی کالج لائف کے دوران حضرت کے ساتھ ان کے کوارٹر واقع ون یونٹ کالونی میں رہا اور مجھے اس دوران ان کی خدمت کا خوب موقع ملا، کیونکہ حضرت اس وقت تک ابھی ازدواجی سلسلہ سے منسلک نہیں ہوئے تھے، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی قربت کے لمحات میری زندگی کا یادگار سرمایہ ہے، میں نے اس دوران حضرت کو نہایت خلیق ومہربان پایا، حلیمی فطرت ثانیہ تھی۔

میں غالباً 1973ء میں مکہ مکرمہ ہجرت کر گیا تھا اور تقریباً ہر سال پاکستان ایک ماہ کے لئے عزیز واقارب سے ملنے حاضر ہوجاتا تھا اور پھر حضرت شیخ سے ملاقات کئے بغیر نہیں جاتا تھا۔ غالباً 1990ء یا 92ء میں حضرت عمرہ پر تشریف لائے اور مجھ ناچیز کو میزبانی کا شرف بخشا، عمرہ کرنے کے بعد روزانہ حرم مکی میں اپنی گاڑی میں ساتھ لے جاتا، اکثر وقت طواف تلاوت اور مختلف ذکر اذکار میں مشغول رہتے، پھر شام کو واپس گھر لے آتا، مہینہ بھر کا ویزا تھا، ختم ہو گیا، اسی دوران اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ کیا حج کے لئے رُکا جاسکتا ہے، میں نے عرض کیا کیوں نہیں؟ ان شاء اللہ ہم اس سال سب آپ کی معیت میں حج کی سعادت حاصل کریں گے۔ حضرت کو میں نے روک لیا اور الحمد للہ حج کے ایام میں مشاعر مقدسہ میں حضرت کے ساتھ حاضری ہوئی، یہ میرا یادگار حج تھا، بہت ہی کیفیات اور جذبوں والا حج تھا۔ اللہ کریم قبول فرمائیں۔

آقائے نامدار ﷺ کی بارگاہ میں حاضری ہوئی اس دوران حضرت شیخ الحدیث کی مخلصانہ دعائیں سمیٹتا رہا۔ حضرت کی جدائی کا عزیز واقارب کو تو یقیناً دکھ اور درد ہوا ہے۔ مجھ جیسے نالائق خلائق کو حضرت کی جدائی کا بڑا شاک پہنچا۔ اللہ کریم اُن کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں بلند مرتبہ نصیب فرمائے۔ ان کی حلیمی بردباری اور شفیقانہ مسکراہٹ میرے ذہن کے پردوں میں نقش ہے۔

اپنی زندگی کا تقریباً پورا حصہ دار العلوم مدنیہ میں علم کی نشر واشاعت میں وقف کر دیا تھا۔ حضرت کے خلف رشید محترم محمد انیس صاحب اور محترم عبدالعزیز صاحب میں بھی اپنے والد محترم کے اخلاق وعادات کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اللہ کریم حضرت شیخ الحدیث کے گھرانہ کو آباد وشاد رکھے، دینی دنیاوی ترقیاں عطا فرمائے۔ آمین ☆☆

مولانا محمد جاوید ظہور

چند حسین لمحات

راقم الحروف ۲۰۰۲ میں دارالعلوم مدنیہ میں درجہ متوسطہ میں داخل ہوا، چونکہ بچپن تھا، اس لیے حضرتؒ کے بارے میں بس اتنا معلوم تھا کہ یہ بابا جی بھی مدرسے کے استاد ہیں۔ اگلے سال متوسطہ سوم میں تھا تو استاد محترم مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب مدظلہ نے ایک دن دورانِ کلاس اساتذہ، علمائے کرام، بزرگانِ دین کی اہمیت پر وعظ ونصیحت کی، اور بزرگان دین کے واقعات سنائے، آخر میں فرمایا: کہ ہمارے جامعہ میں استاد شیخ الحدیث صاحب بھی بہت بڑے بزرگ اور اللہ والے ہیں۔ دوتین اور اساتذہ کا بھی بتایا۔ اور فرمایا: کبھی جا کر ان کی جوتی سیدھی کر دیا کرو! کبھی کمرہ کی صفائی کر دیا کرو! اور کبھی سلام کر لیا کرو! یہ باتیں بندہ کے دل پہ لگیں، عمل شروع کر دیا۔ تمام اساتذہ کو سلام کرتا۔ یہ سلسلہ سال بھر چلتا رہا۔ اگلے (اولیٰ والے) سال دیکھا کہ حضرت ظہر کی اذان سے ذرا پہلے اٹھتے تھے، بندہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور جلدی اٹھنے لگا، حضرت کو پانی کا لوٹا بھر کر دیتا، کبھی کبھار مسواک اٹھا کر دیدیتا۔ یہ بھی دیکھتا کہ حضرت وضو کیسے کرتے ہیں۔ حضرت عین سنت کے مطابق وضو فرماتے تھے۔ اس کے بعد مسجد میں تشریف لے جاتے۔ یہ سال بھی بیت گیا۔ ثانیہ والے سال دوپہر کو بندہ حضرت کے پاس دارالحدیث میں جاتا، حضرت کے ساتھ کچھ دیر بیٹھتا، کبھی حضرت فرماتے: کاکا! باہر سے اخبار لے آ! بندہ اسلام اخبار لے آتا، فرماتے: کاکا! اے سرخی پڑھ! بندہ پڑھ کر سناتا اور آپؒ سنتے۔ یہ سال اسی طرح بیت گیا۔ اگلے سال بندہ خیر المدارس چلا گیا، اس لیے حضرت کی مزید صحبت سے مستفید نہ ہو سکا۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں آپ کو دیگر خوبیوں سے نوازا تھا وہاں آپ کو مسلکی پختگی جیسی عظیم خوبی سے بھی نوازا تھا۔ آپ مسلک کے بارے میں کسی قسم کی کوئی لچک روا رکھنے کے قائل نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ آپؒ کے درجات کو بلند سے بلند فرمائے۔ اور آپؒ کی اولاد، تلامذہ، مریدین، متعلقین ومتوسلین سمیت ہم سب کو آپؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ☆☆

مولانا عبدالحفیظ، لاہور

استاد شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی باتیں

اللہ تعالیٰ کا کروڑہا شکر ہے کہ اس نے ہمیں استاد شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ جیسی عظیم شخصیت سے استفادہ کا موقع عنایت فرمایا، جو نہ صرف میدان تدریس کے شہسوار تھے بلکہ سلسلہ رائے پور کے عظیم صاحب نسبت بزرگ بھی تھے۔ استاد جی کی چند باتیں پیش خدمت ہیں:

ایک بار ہم سے فرمایا: تم لوگ (طلباء) بہت خوش قسمت ہو، دین کا علم حاصل کر رہے ہو، میرے دو بیٹے ہیں، لیکن دونوں دینی تعلیم حاصل نہ کر سکے۔ تمہاری خوش قسمتی ہے۔ اللہ کا شکر ادا کرو۔

فرمایا: اخلاص ہر حال میں لازمی ہے۔ جو بھی کام کرو اخلاص سے کرو، کامیابی ہوگی۔

ایک مرتبہ بندہ نے غصہ کا علاج پوچھا تو فرمایا: درود شریف اور تعوذ پڑھا کرو۔

جب بھی مدرسہ کی تعطیلات میں بندہ گھر جاتا تو جاتے وقت استاد جی نصیحت فرماتے تھے کہ: چھٹیوں کو ضائع بالکل نہیں کرنا، بلکہ کوشش کر کے کسی ذی استعداد عالم کے پاس اجراء کرتے رہنا۔ اور اصلاحِ نفس کے لیے کسی بزرگ کی خدمت میں حاضری دیتے رہنا۔

ایک مرتبہ ایک ساتھی نے استاد جی عرض کیا کہ: کسی لڑکی سے میری محبت تھی، اب اس کی شادی ہوگئی ہے، میں بہت پریشان ہوں۔ استاد جی سے اس وقت اپنے گھر میں چارپائی یا بیڈ پر پاؤں لٹکا کے بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فوراً خود بھی دیکھا اور اس ساتھی کی توجہ بھی اپنی جوتے کی طرف کرائی، کچھ دیر غور سے جوتا دکھانے کے بعد اُس کی تسلی کے لیے فرمایا: کاکا! عورت تو جوتی کی مثل ہے، یہ نہیں اور سہی۔ اور نہیں تو اور سہی۔ وہ ساتھی کہتے ہیں کہ: اُن دنوں میں بہت ہی زیادہ پریشان تھا، لیکن جیسے ہی استاذ شیخ الحدیث صاحب کی جوتی کی طرف توجہ کی اور استاد جی سے یہ بات سنی، فوراً میری پریشانی جاتی رہی۔ اور دل بالکل مطمئن ہوگیا۔ اور وہ دن اور آج کا دن، میرے دل میں کبھی کسی لڑکی کا خیال تک نہیں آیا، نہ اُس کا نہ کسی اور کا۔ الحمدللہ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو استاد جی کے نقش قدم پر چلائے، اور ان کے درجات بلند کرے۔ آمین ☆

مولانا خالد محمود یزمانی

استاذِ محترم کی باتیں

استاذِ محترم، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ نے آخری مرتبہ ''بخاری شریف'' جن خوش نصیب طلباء کو پڑھائی، اُن میں بندہ ناچیز بھی شامل ہے، مجلّہ صفدر کے ''شیخ الحدیث نمبر'' میں شرکت کو سعادت سمجھتے ہوئے استاذِ محترم کی چند باتیں سپردِ قرطاس کررہا ہوں۔

بخاری شریف شروع ہوئی تو فرمایا: ''حمد'' کی تعریف حضرت افغانی رحمہ اللہ نے علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ سے ''بیان کمالات المختار'' نقل کی ہے، اور یہ مختصر و جامع تعریف ہے۔

''فصد'' کا لفظ آیا تو اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا: فصد، وہ رگ ہے جس کو کٹ (نشتر) لگایا جائے تو خون دھار کے ساتھ نکلنے لگتا ہے۔ پھر فرمایا: شیعہ دس محرم کو شہیدوں میں نام لکھوانے کے لیے فصد پر نشتر لگوالیتے ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا: ہیئت بدلنے سے طاقت بدل جاتی ہے۔ اس لیے جب جبرائیل علیہ السلام نے انسانی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھینچا اور دبایا، تو آپ نے وہ دباؤ برداشت کرلیا۔

ایک مقام پر فرمایا: نسبت کی چار قسمیں ہیں، نسبت انعکاسی، نسبت القائی، نسبت اتحادی، اور نسبت   ۔ پھر فرمایا: میں نے یہ تفسیر عزیزی میں پڑھی تھیں، حضرت افغانی رحمہ اللہ کو سنائیں تو انہوں نے بڑی توجہ سے سنیں۔ شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ نے بھی یہ ذکر فرمائی ہیں، میرا خیال ہے کہ انہوں نے بھی ''تفسیر عزیزی'' سے ہی دیکھا ہوگا۔

امت محمدیہ کے فضائل بیان کرتے ہوئے فرمایا: وہی امت جو اَن پڑھ تھی، علوم میں سب سے آگے بڑھ گئی، اور کئی نئے علوم پیدا کیے، علم تفسیر، علم حدیث، علم الجرح والتعدیل وغیرہ اس امت نے ایجاد کیے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے پاس یہ نہیں ہیں۔ اہل کتاب کے پاس تورات ہے، مگر اس کی سند نہیں، ہمارا قرآن تو سند سے بلکہ تواتر سے ہے۔ علوم میں امت محمدیہ کو سب پر فوقیت حاصل ہے۔ علم منطق و فلسفہ وغیرہ غیروں کے علوم ہیں، لیکن اس امت نے ان میں بھی ایسا کمال حاصل کیا کہ اُن سے بھی آگے بڑھ گئے۔......اللہ تعالیٰ استاذِ محترم کی کامل مغفرت فرمائے، آمین۔ ☆☆

مولانا محمد طیب مزاری، جلال پور

یادوں کے جھروکے

استاذِ محترم حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ ہمارے محبوب و محترم اور بزرگ استاد تھے۔ بحمد اللہ ہمیں استاذِ محترم سے ''بخاری'' جلد اول پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، اور وہ بھی آخری سال، جب استاذِ محترم صرف ''بخاری'' پڑھاتے تھے۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''ایک قاری صاحب کی تنخواہ بہت کم تھی، یعنی صرف 10 روپے، لوگ حیران ہوتے تھے کہ دس روپے میں ان کا گزارا کیسے ہوتا ہے؟ تو مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے درمیان میں پردہ ہوتا ہے، اگر وہ پردہ ہٹ جائے تو معلوم ہوجائے کہ اصل میں دین والوں کی تمام ضروریات اللہ تعالیٰ خود پوری فرمادیتے ہیں۔''

ایک دن ہمیں بتایا کہ: زمانہ طالب علمی میں بھوک شدید لگتی تھی، ہم عصر کے بعد باہر جاکر ''پھلی'' وغیرہ کھاکر گزارا کرتے تھے۔

آخر میں جب آپ فالج کی وجہ سے سہارا لے کر چلتے اور دو ساتھیوں کے سہارے کھڑے ہوتے، بیٹھتے تھے، تو اس وقت طلباء آپ کو خود جوتا پہناتے، ایک دن ایک ساتھی نے عجلت میں پہلے بائیں پاؤں میں جوتا پہنانا چاہا تو آپ نے جوتا نہیں پہنا۔ بلکہ پاؤں پیچھے کرلیا۔ اور اُس ساتھی کی طرف غور سے دیکھا، وہ سمجھ گیا، پھر جب اس نے دائیں پاؤں میں پہلے پہنایا تو آپ نے پہن لیا۔

آپ کے خلیفہ مولانا الیاس، خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ: استاد جی سبزی منڈی سے سبزی لیتے تو اپنے سر پر رکھ کر گھر لے جاتے، مجھے نہیں اُٹھانے دیتے تھے۔

سال کے اختتام پر ''دورۂ حدیث'' کے تمام ساتھی استاد جی کے گھر ملاقات اور حصولِ دُعا کے لیے گئے تو استاد جی بہت ہی خوش ہوئے، بہت دعائیں دیں، پھر فرمایا کہ: ''آپ کا کیا اکرام کیا جائے؟'' ہم نے عرض کیا: بس آپ دعا فرمادیں۔ استاد جی مسکراتے ہوئے مزاحاً فرمانے لگے: ''یہ تو بہت اچھا اکرام ہے۔'' پھر کچھ منگوانا چاہا مگر ہم نے قلت وقت کا بہانا کرکے روک دیا۔ آخر میں آپ نے بطورِ خاص یہ دُعا فرمائی کہ: اللہ تعالیٰ آپ سب کو مدرس بنائے۔ آمین۔ ☆☆

مولانا محمد جاوید اُچوی

ہمارے مہربان و مشفق استاذ

بندہ 2008ء میں رابعہ والے سال ''دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور'' میں آیا تو استادِ محترم مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ سے تعارف ہوا۔ ذرا قریب ہوا تو آپ کو شفقت کا سمندر پایا۔ اکثر میں تیل لگانے اور سر کی مالش کرنے آپ کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا۔ آپ خاص طور پر طلباء کے ساتھ بہت شفقت سے پیش آتے تھے۔ کسی طالب علم کو کوئی بھی پریشانی ہوتی اور آپ کو معلوم ہو جاتا تو آپ حتی الوسع اس کو تسلی دیتے، اور خصوصی دُعا فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ہمارے ساتھی مولانا محمد امتیاز کے والد تبلیغی جماعت کے ساتھ چلے گئے، استادِ محترم نے تسلی دی کہ آپ کو اللہ رزق دے گا۔ آپ شوق سے پڑھیں، پھر اُن کے لیے خصوصی دعا فرمائی۔ استادِ محترم اکثر ترغیب دیتے کہ پڑھنے کے بعد پڑھاؤ ضرور۔

☆...... میں نے اپنے والد صاحب کو کہا کہ آپ کسی بزرگ سے بیعت ہو جائیں، والد صاحب میرے مشورے پر استادِ محترم سے بیعت ہو گئے۔ آپ نے کچھ وظائف بھی ان کو بتائے تھے۔

☆...... ایک مرتبہ آپ کے پاس حاضری دی، تیل لگایا، پھر دیکھا کہ ناخن بھی بڑھ چکے ہیں تو ناخن کاٹنے لگا، بے خیالی میں خلاف سنت طریقہ سے کاٹنے لگا تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا۔ میرے ساتھی مولانا محمد مکی ماندھل جو ہمراہ تھے انہوں نے مجھے متوجہ کیا کہ سنت کے مطابق کاٹو، پھر میں نے سنت کے مطابق کاٹے۔

☆...... ایک مرتبہ آپ کو تیل لگا رہا تھا، آپ نے فرمایا: جوانی میں بہت تیل لگاتا تھا حتیٰ کہ ایک الگ کپڑا ہوتا تھا جو تیل کا ہم رنگ ہو جاتا تھا۔ اب ذرا کم لگاتا ہوں۔ پھر بڑے درد اور افسوس سے فرمایا کہ: پہلے لوگ اس سنت کا اہتمام کرتے تھے، اب تو لوگوں نے اس سنت پر عمل کرنا چھوڑ ہی دیا ہے۔

مرض الوفات میں بھی آپ کو تیل لگانے جاتا، کبھی لگوا لیتے اور کبھی فرماتے آج دل نہیں کر رہا۔

استادِ محترم کی عادت تھی کہ جب بھی کوئی چیز تناول فرماتے تو فوراً مسواک منگوا کر مسواک کرتے۔

☆...... زندگی میں استادِ محترم کو تیل لگاتا تھا، وفات کے بعد بھی آپ کے غسل میں شرکت اور داڑھی پر خوشبو لگانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ الحمد للہ۔ خوشبو لگاتے وقت آپ کے کچھ بال میرے ہاتھ میں آ گئے جو میں نے بطور محبت و برکت کے اپنے پاس رکھ لیے۔ ☆☆

مولانا محمد شہباز وارن، احمد پور

اخلاص، شفقت اور سادگی کے پیکر

استاذِ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ بہت ہی شفیق، عاجز، سادگی پسند اور مخلصانہ طبیعت کے مالک تھے۔ نہ صرف طلباء بلکہ اہل علاقہ اور محلّہ کے غرباء کا بھی خوب خیال رکھتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ قربانی کے موقع پر محلّہ کے لوگوں کے لیے انتہائی سستے جانور منگوا کر اُن کے لیے ''اجتماعی قربانی'' کا اہتمام فرماتے تھے، یوں کم داموں میں سہولت سے اُن کا فریضہ ادا ہو جاتا تھا۔

دنیا، اسباب دنیا سے بے رغبتی اور سادگی اتنی تھی کہ آخری سال جب ہم دورۂ حدیث میں تھے، اور آپ کو علالت کی وجہ سے مدرسہ کی گاڑی پہ گھر سے لایا اور پہنچایا جاتا تھا۔ ایک روز مدرسہ کی گاڑی موجود نہ ہونے کی وجہ سے استاد جی کو گھر پہنچانے کے لیے رکشہ لایا گیا، جب استاد جی کو بٹھانے لگے تو آپ نے فرمایا: ''مجھے فرنٹ سیٹ پر کیوں نہیں بٹھاتے؟ وہاں میں سہولت سے بیٹھ جاتا ہوں!'' ساتھیوں نے عرض کیا کہ استاد جی یہ رکشہ ہے۔ آپ نے فرمایا: ''ہاں تو کیا ہوا؟ میں روز فرنٹ سیٹ پر ہی تو بیٹھ کے جاتا ہوں۔'' عرض کیا کہ: وہ گاڑی ہوتی ہے، یہ رکشہ ہے۔ فرمایا: ''فرنٹ سیٹ پر ہی بٹھا دو۔'' ساتھیوں نے کہا، استاد جی! رکشہ کی فرنٹ سیٹ پر صرف ڈرائیور کی جگہ ہوتی ہے۔ اس پر آپ پیچھے ہی تشریف فرما ہو گئے۔

آپ کے سامنے آپ کے ایک ذہین شاگرد کا تذکرہ آیا، جو اپنی لائن تبدیل کر کے دنیا کی طرف لگ چکے تھے۔ ساتھیوں نے ان کے بارے میں پوچھا کہ: کیا وہ ذہین ہیں۔ آپ نے فرمایا: ذہین تو ہے، مگر الٹا ذہین ہے، بس پیسے کی فکر ہے۔ دنیا کے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ گویا دینی تعلیم چھوڑ کے دنیاوی دھندوں میں لگنے کو آپ الٹا کام خیال فرماتے تھے۔ اور ہم سب کو اکثر ''اخلاص'' اور ''صبر وشکر وقناعت'' کے ساتھ دین کی خدمت میں لگے رہنے کی ترغیب دیتے تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کے لیے قبول فرما لے، استاد جی کی دعاؤں کو ہمارے حق میں قبول فرمائے۔ استاد جی کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔ آمین☆

مولانا ابوالوفاء منیب الرحمٰن، بہاول پور

جامع علم وعمل

ہمارے محبوب ومحترم استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی لائق تقلید خوبیوں سے نوازا تھا۔ آپ کی زندگی اخلاص و وفا، تقویٰ وطہارت، دیانت وصداقت، خشیت وللّٰہیت، عاجزی وانکساری، استقامت وشرافت، شفقت ومحبت، علم وعمل، جہد مسلسل، محنت ومشقت، صبر ورضا، تحمل وبردباری، ذہانت وفطانت اور اتباع سنت سے بھرپور تھی۔ زمانہ طالب علمی ہی سے خوب محنت کی عادت تھی، جو آخر تک برقرار رہی۔

استادِ محترم ایک واقعہ سناتے تھے، فرمایا: جب مَیں پڑھتا تھا، پہلی بار لفظ ''ہیولیٰ'' آیا، مجھے عبارت کے لیے کہا گیا، تو میں نے ''ہیولیٰ'' کی بجائے ''ہیولی'' پڑھ دیا، سب لڑکے ہنسنے لگ گئے، میں خاموش رہا۔ جب امتحان ہوئے تو پوری کلاس میں اس کتاب میں صرف میرے 100 نمبر تھے، سب لڑکے حیران رہ گئے جو پہلے مجھے نکما سمجھتے تھے۔ پھر سب احترام کرنے لگ گئے۔ الحمدللہ۔

فرمایا: میں جب ''جامعہ عباسیہ'' پڑھتا تھا تو ایک بریلوی عالم کاظمی صاحب ''بخاری شریف'' پڑھاتے تھے، استعداد بالکل نہیں تھی، ترجمہ بھی ٹھیک نہیں کرسکتے تھے، طلباء کوئی سوال کرتے تو وہ کہتے ''میرے سر میں پھوڑا ہے، جس کی وجہ سے بات بھول جاتی ہے۔'' حالانکہ وہاں کے طلباء میں سے اچھی استعداد والے کو ان کے مقابل کھڑا کیا جاتا تو وہ طالب علم بھی ان پر بھاری ہوتا۔

آخری سال جب ہم آپ کے پاس بخاری شریف پڑھ رہے تھے تو آپ کے ایک پرانے شاگرد نے آپ کی خدمت میں خطیر رقم کا ہدیہ پیش کیا، آپ نے فرمایا: زکوٰۃ وخیرات کے پیسے تو میں نہیں لیا کرتا ٹھیک نہیں ہیں! انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ نہ زکوٰۃ ہے نہ خیرات، یہ آپ کے لیے ہدیہ ہے، آپؒ نے فرمایا پھر ٹھیک ہے۔ پھر ہمیں فرمایا کہ: دُعا کرو ان میں خیر ہو، پھر باقاعدہ دُعا کرائی۔ فرمایا: اتنے پیسے میں کیا کروں گا؟ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جب پیسہ آتا ہے تو ڈر لگنے لگتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں استادِ محترم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆

مولانا محمد بلال قاضی

آہ! شفقتوں کے پیکر

دنیا دارِ فانی ہے، یہاں ہر آنے والا ایک دن چلا جاتا ہے اور کچھ دنوں بعد زمانے کی لوح سے اس کا نام ونشان مٹ جاتا ہے، مگر اس فنا کے گھر میں آنے والے کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو یہاں کی چند ساعتوں پر مشتمل زندگی کو بقا کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔ اور جب تک اس دارِ فانی میں رہتے ہیں مردہ دل اُن سے زندگی حاصل کرتے ہیں۔ اور وقت رخصتی ان گنت پُرنم آنکھیں انہیں الوداع کہتی ہیں۔ اُن کا نام صدیاں گزرنے پر بھی زندہ رہتا ہے۔ اور اُن کا نام نسل درنسل جاری رہتا ہے۔

ایسی ہی خوش قسمت ہستیوں میں ایک مبارک نام استاذی المکرّم، مشفق معظم حضرت الشیخ مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ کا ہے۔ جو ۲۵ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ کو ہزاروں عقیدت مندوں اور تلامذہ کو چھوڑ کر خالق حقیقی سے جا ملے۔ حضرت کی رحلت ایک عہد کا خاتمہ ہے، جو سراسر تعلیم وتدریس اور وعظ ونصیحت میں بسر ہوا۔ استاد جی نے نصف صدی دین کی خدمت کی۔ اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کی دینی خدمات کا اپنے شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

علم ومعرفت، تقویٰ واخلاص اور اخلاق ومدارات کے ایسے پیکر اب کہاں ملتے ہیں؟ ریت کے ہزاروں صحرا چھان کر کہیں کہیں ایسا گوہر ملتا ہے، ان گنت اندھیری راتیں گزار کر پروانوں کو ایسی شمع نصیب ہوتی ہے۔ استاد جی کی رحلت کے بعد اس تاریک دنیا میں اندھیرے بڑھ گئے ہیں۔ آپ کے ہزاروں تلامذہ اور سالکین ایک شفیق مربی سے محروم ہوگئے ہیں۔ اور ہزاروں تلامذہ کے سر سے ایک بے مثل سرپرست کا سایہ ہٹ گیا ہے۔

آج جب ہم گزشتہ برس کے اُس دن کا تصور کرتے ہیں جب ہم استاد جی کے سامنے کلاس میں بیٹھے اُن کے مسکراتے ہوئے چہرے کو تک رہے تھے۔ تو محسوس ہوتا ہے کہ استاد جی کی ذات مبارکہ کتنی عظیم نعمت اور کتنا عظیم سہارا تھی۔ اللہ تعالیٰ آپؒ کی بال بال مغفرت فرمائے۔ ایک دو باتیں پیش خدمت ہیں۔

احقر چند دن استاد جی کو اخبار پڑھ کر سنایا کرتا تھا، ایک دن اخبار میں سے نواز شریف کا بیان پڑھ کر سنایا تو فرمایا: ان کو چھوڑو، یہ منافقانہ کردار کے مالک ہیں۔ پھر احقر نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کا بیان پڑھ کر سنایا تو فرمایا: ہاں! یہ سناؤ! اب پتہ تو چلا بیان کا۔

ایک دن احقر نے عرض کیا کہ: استاد جی! آپ قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو فرمایا کہ: وہ بہت سمجھدار اور ذہین ہیں۔ اپنے والد کے صحیح جانشین ثابت ہوئے ہیں۔

عمران خان کا تذکرہ ہوا تو فرمایا: اس کو یہودیوں کی سپورٹ ہے، اور مولانا فضل الرحمٰن کے مقابلے میں ابھی بچہ ہے۔

اللہ تعالیٰ استاد جی کی مغفرت فرمائے اور ہمیں اُن کے نقش قدم پر استقامت دے۔ آمین ☆

حضرت رحمہ اللہ اصلاح عقائد پر بہت زیادہ زور دیتے تھے، اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کو خوب واضح کر کے بیان فرماتے اور اہل باطل کے غلط نظریات و مسائل کے متعلق بھی اکثر بتایا کرتے تھے کہ یہ کام بدعت ہے، یہ حرام ہے، یہ شرک ہے وغیرہ وغیرہ۔ حتی کہ جب آپؒ ون یونٹ والی مسجد چھوڑ کر جا رہے تھے تو اُس وقت بھی آپ کو عقائد کی فکر تھی، آخری نصیحت یہی فرمائی تھی کہ عقائد اہل سنت پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ ایسا نہ ہو کہ میرے جانے کے بعد آپ لوگ اپنے نظریات تبدیل کر بیٹھیں۔ حق گوئی آپ کا خاص وصف تھا۔

جماعت اسلامی کے نظریات کو باطل سمجھتے تھے اور اُن سے اتحاد کے شدید مخالف تھے، ایک صاحب نے ''الہدیٰ'' میں پڑھانا شروع کیا تو اُن کو روک دیا۔ بریلوی علماء کے پیچھے نماز کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ شیعہ کے ساتھ میل جول، راہ و رسم اور تعلقات کو سخت بے حمیتی خیال کرتے تھے، ایک صاحب نے ون یونٹ میں ایک یونین بنانی چاہی جس میں سب کو ہی شریک کرنا تھا، لیکن آپؒ نے اُن کی مخالفت کی، جس وجہ سے وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ایک صاحب نے مسجد میں شیعہ کا اعلان کرنا چاہا تو آپؒ نے سختی سے روک دیا، حالانکہ وہ سرکاری مسجد تھی، اکثر سرکاری ٹاؤٹ تھے۔ لیکن آپؒ جسے غلط سمجھتے وہ کام بالکل نہ کرنے دیتے تھے۔ ایک شخص نے ختم نبوت کے مسئلہ پر زبان درازی کی تو آپؒ نے اس کے کفر کا فتویٰ دیدیا۔

مسجد کے معاملے میں بہت محتاط تھے، گھر گھر جا کر چندہ کرنے سے منع کرتے تھے، اسی طرح مسجد میں رومال یا ڈبے وغیرہ کے ذریعہ بھی چندہ نہ کرنے دیتے تھے۔ فرماتے تھے، یہ اللہ کا گھر ہے، اللہ خود اس کا نظام چلائے گا، جو یہاں آ کر دے جائے، بس اس سے لے لو! (محمد اسلام، ون یونٹ کالونی، بہاول پور)

مولانا حسین احمد مدنی

جامعہ مدنیہ کی مسند حدیث بھی سوگوار ہے!

بروز جمعۃ المبارک کی شام راقم نے بہاولپور مدرسہ میں آنا تھا کسی مجبوری کی بنا پر نہ آسکا، ہفتہ کی شب عشا کی نماز پڑھ کر گھر میں داخل ہوا تو چھوٹے بھائی نے خبر دی کہ مدرسہ کے ایک استاد انتقال کر گئے ہیں، میرا دل غم میں مبتلا ہو گیا، میں نے اپنا موبائل فون اٹھایا تو اس میں SMS کی بھرمار تھی، ان بکس کھولا تو استاد جی حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی رحلت کی قیامت برپا کر دینے والی خبریں تھیں، پھر کیا تھا دل تھا جو تھمتا نہیں تھا، آنکھیں تھیں جو کہ شبِ نم کی طرح آنسو بہا رہی تھیں، دماغ تھا کہ سوچوں میں گم ہو گیا کہ گذشتہ سال استاجی سے کیا کچھ پڑھا اور کیا کچھ سنا۔ بہر حال یہ خبر قیامت صغریٰ برپا کر دینے والی تھی اور بار بار میری زبان پر یہ کلمات جاری ہو رہے تھے ''موت العالم موت العالم'' استاجی رحمہ اللہ اگرچہ عوام میں اتنی شہرت نہیں رکھتے تھے مگر علماء طلباء اور مدارس کے ہاں ان کا ایک مقام تھا، ان کے عقائد میں اتنی پختگی تھی کہ بڑے علم کا دعویٰ کرنے والے ان کے عقیدہ کو متزلزل نہیں کر سکے، ان کے درس حدیث سے جہاں علم و حکمت کے جوہر نکلتے تھے وہاں سنت نبوی کے درخشاں پہلو اور تحفظ ختم نبوت کی اہمیت اور تحفظ ناموس صحابہ کا درس بھی ہوتا تھا۔ اور دورانِ سبق ایسی باریکیاں اور نکات بتاتے تھے جو گمراہ فرقوں کے لئے تریاق کا کام دیتے تھے۔

حضرت کا ایک وصف یہ بھی تھا جب ان سے کوئی ملتا تو ایسے محسوس کرتا جیسے پہلے سے جان پہچان ہے یعنی حضرت کے چہرے پر اجنبیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ استاد جی فرمایا کرتے تھے کہ سرکاری تنخواہوں میں برکت نہیں ہوتی، البتہ مدرسہ کی تنخواہ میں برکت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ سرکاری ملازم اکثر مقروض ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ استاد جی کو گھر چھوڑنے کے لئے گاڑی پر جا رہے تھے تو راستہ میں میں نے استاد جی سے عرض کیا کہ میرے بھائی محمد ابراہیم قاسمی عرصہ دراز سے گرفتار ہیں اس کے لئے خصوصی دعا فرمائیں (تا حال گرفتار ہیں قارئین سے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے) تو استاد جی نے فرمایا کیا وجہ؟ میں نے کہا تنظیمی تعلقات کی بناء پر، تو استاد جی فرمانے لگے کہ پہلے مجاہد کم تھے، لیکن جب

گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اس وقت مجاہدین کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ کارواں ہے جو رکنے تھمنے والا نہیں ہے۔

بس مکمل سال یوں دعاؤں کا سلسلہ چلتا رہا اہل السنۃ والجماعۃ (کالعدم سپاہِ صحابہ) کا کہیں بھی پروگرام ہوتا تو راقم استاد جی سے ضرور دعا کرواتا! اور استاد جی بھی کامیابی کے لئے بھرپور دعا فرماتے، دینی جماعتیں جتنی بھی ہوں استاد جی ان سے بہت محبت کرتے تھے، جمعیت علماء اسلام کے دونوں گروپ ہوں یا مجاہدین کی مختلف تنظیمیں، اہل السنۃ والجماعۃ (سپاہِ صحابہ) ہو یا کوئی دینی جماعت ہر کسی سے محبت کرتے تھے اہل السنۃ والجماعۃ کے ایک لیڈر کا کہنا ہے کہ جب جبل استقامت مولانا محمد اعظم طارق شہید نے جیل میں بھوک ہڑتال کی تو استاد جی رحمہ اللہ بخاری کے سبق سے پہلے مولانا کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔

راقم الحروف ایک مرتبہ استاد جی کو گھر چھوڑنے کے لیے رکشہ پر جارہا تھا، دورانِ سفر استاد جی سے عرض کیا کہ: آپ نے کبھی مولانا علی شیر حیدری کی تقریر سنی ہے؟ تو فرمایا: تقریر تو نہیں سنی، البتہ وہ صاحب مطالعہ عالم تھے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ: مَیں نے حضرت شہید رحمہ اللہ سے ایک مہینہ ردِّ رافضیت کورس پڑھا ہے اور دل میں خواہش ہے کہ ردِّ رافضیت پر عبور حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ دفاع صحابہ اور رد رافضیت کے موضوع پر کام کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آپ اس کے لیے دُعا فرمائیں! تو استاد جی مسکرائے اور بغیر ہاتھ اٹھائے دعا فرمائی۔

راقم اکثر استاد جی کو اخبار سنایا کرتا تھا، جب اہل السنۃ والجماعۃ (سپاہ صحابہ) کی کوئی خبر ہوتی یا قائدین میں سے کسی کا بیان لگا ہوتا تو تکرار کے ساتھ پڑھتا، استاد جی میرا مزاج سمجھ گئے، پھر جب میں سامنے آتا تو فرماتے کہ: آج تیرے مقصد کی کوئی خبر ہے؟ اگر ہوتی تو پڑھ کر سنا دیتا، اور نہ ہوتی تو بتا دیتا کہ آج نہیں ہے۔ جب ملک محمد اسحاق صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ رہا ہو کر آئے تو استاد جی فرمانے لگے: بہت بڑے جری اور بہادر آدمی ہیں۔

الغرض عبادالرحمٰن کے جو اوصاف رب ذوالجلال نے بیان فرمائے ہیں وہ تمام کے تمام استاد جی رحمہ اللہ میں موجود تھے۔ آپؒ کی عنداللہ مقبولیت کا اندازہ آپؒ کے جنازے سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس روز یقیناً استاد جی کا چہرہ ''وجوہ یومئذ مسفرہ، ضاحکۃ مستبشرہ'' کا مکمل مصداق تھا۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی   اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

مولانا محمد لقمان یزمانی

کچھ حسین یادگاریں

دورۂ حدیث والے سال بندہ استاد جی کے دائیں طرف بیٹھتا تھا، آپ کبھی کبھی خوش طبعی بھی فرماتے تھے، ایک مرتبہ آپ نے خوش طبعی فرمائی تو میں نے عرض کیا کہ: میں بھی سناؤں؟ میں نے لطیفہ سنایا کہ: ایک ٹرالی جارہی تھی، پیچھے لکھا ہوا تھا ''ہارن دو! راستہ لو'' پیچھے سے ایک ٹرک والا آ گیا، وہ ہارن دیتا رہا، مگر راستہ نہ ملا تو اُس نے ٹرالی کے پیچھے لکھی عبارت پڑھی اور اپنے ٹرک کا ہارن اُتار کر ٹرالی والے کے پاس آیا، اور ہارن اس کو دے کر کہا: اب تو راستہ دے دو!'' یہ سن کر استاد جی اس قدر ہنسے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہونے لگے۔ اس سے حضرت والا کی طلباء پر شفقت کا علم ہوتا ہے۔

استاد جی اکثر پنجابی بولتے تھے، جبکہ طلباء زیادہ تر سرائیکی تھے۔ کبھی ضرورت پڑتی تو میں استاد جی اور طلباء کے درمیان ''ترجمان'' کا کام کرتا تھا۔ یعنی استاد جی کی پنجابی گفتگو کا اردو یا سرائیکی ترجمہ اور طلباء کی سرائیکی گفتگو کا پنجابی ترجمہ۔

آخری سال آپ کی علالت اور حد درجہ ضعف کی بنا پر مدرسہ کی گاڑی آپ کو گھر چھوڑنے جایا کرتی تھی، کبھی گاڑی نہ ہوتی تو آپ رکشے میں تشریف لے جاتے تھے۔ مدرسہ والوں نے کہا ہوا تھا کہ گاڑی نہ ہو تو دو ساتھی رکشے پر استاد جی کو گھر چھوڑ آیا کریں اور آنے جانے کا کرایہ وصول کرلیا کریں، لیکن استاد جی کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ خود کرایہ دیں۔ جب میں رکشہ لاتا تو پوچھتے: کتنے پیسے طے کیے ہیں؟ میں بتا دیتا، اگر آپ محسوس فرماتے کہ یہ کم ہیں تو مجھے فرماتے کہ: اُن بے چاروں کا بھی خیال کیا کرو! بس درمیانہ اور مناسب کرایہ طے کرو، اپنا بھی خیال رکھو اور دوسروں کا بھی۔ اس سے آپ کی غریبوں سے ہمدردی کے جذبہ کا اظہار ہوتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاد جی کے بال بال کی مغفرت فرمائے، اور جنت میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

ٹپک پڑتے ہیں آنسو جب تمہاری یاد آتی ہے   یہ وہ برسات ہے جس کا کوئی موسم نہیں

مولانا محمد نعیم جلوی

میرے استاذ......میرے مرشد

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے جامعیت، علوم منقولہ کی وسعت، علوم معقولہ کی مہارت اور گہرائی، علوم قرآنی میں بصیرت، علوم حدیث کا شغف اور بے نظیر تدریسی خدمات، فقہ حنفی کا دفاع و پرچار، الحاد و زندقہ کا کامیاب تعاقب و مقابلہ، طریق باطن کی علمی وعملی بے مثال مساعی، شریعت وطریقت کی وحدت کا اعلان وعملی ثبوت ونظائر، بدعات ورسوم باطلہ سے واضح برأت، احقاقِ حق وابطالِ باطل کے پیہم جہد و کوشش، اسلام کی سرفرازی، اعلاء کلمۃ اللہ، مسلمانوں کی بقاء وحفاظت کے لیے جہد مسلسل کے ساتھ ساتھ للّٰہیت وخشیت، محبت الٰہی، طہارت وتقویٰ، زہد وورع، عشق نبوت واتباعِ سنت، خلق سے استغناء و بے خوفی، لومۃ لائم سے بے نیازی، ہمت وجرأت، تدبر وذہانت، قربانی وفدائیت ایسے متنوع کمالات سے نوازا تھا۔

عاجزی اس قدر تھی کہ ہمیشہ طلباء کے طہارت خانوں میں تقاضا پورا فرماتے تھے، اور فرماتے تھے کہ اس میں "نور" ہے۔ مَیں نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ تو فرمایا: اس سے تکبر نہیں آتا۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ: حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ بھی عام بیت الخلاء ہی استعمال فرمایا کرتے تھے۔

طبیعت خشک نہ تھی، مزاح بھی فرمایا کرتے تھے، ایک روز کسی ساتھی نے ذکر کیا کہ: استاد جی! فلاں چیز اتنی مہنگی ہوگئی ہے اور فلاں اتنی۔ آپ نے مسکراتے ہوئے مزاحاً فرمایا: کاکا! میں نے تو زندگی گزار لی ہے، اب تم جانو اور تمہارا کام۔

میرا بیعت کا تعلق بھی آپؒ ہی سے تھا، ایک مرتبہ فرمایا: حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ رات کو چڑ لیا کرو! اس میں ذکر سے کنایہ ہے۔ میں بھی پہلے چڑا کرتا تھا، اب ضعف کی وجہ سے پہلے والا معمول نہیں رہا۔ پھر اپنا ایک واقعہ سنایا، فرمایا: میں صبح تہجد کے وقت مسجد میں بیٹھ کر ذکر کیا کرتا تھا، اور ذکر ذرا بلند آواز سے کرتا تھا۔ کبھی کبھی ایک دوسری مسجد میں جاتا تو انہوں نے مولانا محمد احمد صاحب بہاول پوری مدظلہم سے کہا کہ مولانا حنیف صاحب زور زور سے ذکر کرتے ہیں، ہم اطمینان سے تہجد نہیں پڑھ سکتے، تو انہوں نے فرمایا: اسے روکو نہیں، بلکہ الگ کمرے میں بند کردو، پھر اس کمرے میں ذکر کرتا تھا۔☆

مولانا محمد عثمان غنی، بہاولپور

ہم سے دامن چھڑا لیا تو نے!

دُنیا نامی یہ جہان بھی عجیب ہے......سنگ ریزوں کا یہ مکان بھی عجیب ہے، ہیروں تلے بچھی یہ زمین بھی عجیب اور اُوپر کھڑا آسمان بھی عجیب ہے...... چلتا پھرتا یہ انسان بھی عجیب ہے......اور نشیمن بدلتا یہ مہربان بھی عجیب ہے۔

۱۲ اکتوبر ۲۰۱۲ء جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب ابھی ابتداء سفر میں تھی نمازِ عشاء کے بعد ابھی میں بستر استراحت پر ٹکا ہی تھا کہ......میسج ٹون بلند ہوئی......اگلے لمحے جگر خراش پیغام نے حالت غیر کردی۔ "دار العلوم مدنیہ کے شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ وفات پا گئے ہیں، "اِنا للہ و انا الیہ راجعون .اِن للہ ما اَخذ و لہ ما اعطی و کل شیئ عندہ باَجل مسمی.

دلسوز یہ سطور نہ صرف دماغ کو ماؤف اور اعضاء کو مفلوج کر گئے، بلکہ سانس لیتے اس جسم کو مردہ کر گئے "کل نفس ذائقہ الموت" کا وعدہ سچا ہے، بیشک یہ دنیا فانی ہے۔ جو کچھ اس میں ہے سب فانی ہے۔ مٹ جانیوالا ہے "اِنما الدنیا فناء......لیس للد نیا ثبوت" اس جہان کو ثبات نہیں، اگر زمانہ میں کہیں ثبات ہے تو......تغیر کو ثبات ہے۔ فضائے عالم میں گھوم پھر کر دیکھ لیجئے......کہیں ثبات نہیں۔

یہ مخمور بہاروں کی آبادیاں ہیں تو......وہ خزاں رسیدہ چمن کی ویرانیاں ہیں، یہ نسیم صبح کے ٹھنڈے جھونکے ہیں تو......وہ تند ہوا کے پُر زور جھکڑ ہیں، یہاں برق و باراں کا جلوہ ہے تو......وہاں بادِ صبا کی خوش خرامی، اگر ایک طرف ٹھنڈک سے جکڑے دن اور یخ بستہ ہوائیں ہیں تو......دوسری طرف شعلے برساتا آسمان اور آگ اگلتی زمین ہے۔

تغیر وتبدل کا یہ دائرہ محض زمان ومکان کے اختلاف تک ہی محدود نہیں، بلکہ حیاتِ انسان کے ہر گوشے میں اس کا گہرا اثر ملتا ہے۔

ہر زندگی طفولیت سے آغاز کرتی ہے......نوخیزی طے کرتی ہے......منزلِ شباب سے گذرتے ہوئے کہولت کے زینے پر جا چڑھتی ہے اور پھر بڑھاپے کی آخری منزل پر دم توڑ دیتی ہے۔

اگرچہ حیاتِ انسان کی یہ منازل تو طے شدہ ہیں، سب اس میں مشترک ہیں مگر......طفولیت میں آغازِ حیات......نوخیزی کے انداز واطوار......شباب میں کردار وصفات......کہولت کے تجربات ومشاہدات اور پھر بڑھاپے کے بعد کیفیتِ اموات میں ہر ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

بلاشبہ یہ قطعہ زمین ہر کس وناکس کی پہلی آماجگاہ ہے......اس حسین کوہستانی سبزہ زار میں کچھ لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جو بغیر کسی شور وغل کے نمودار ہوتے ہیں......اور گمنامی میں دفن ہو جاتے ہیں اور بعض نیر تاباں ایسے بھی ہوتے ہیں، جو اپنی چمک میں طلوع ہوتے ہیں اور جہان بھر کو منور کر کے غروب ہو جاتے ہیں۔

بلاشبہ میرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک ایسے نابغۂ روزگار اور ممتاز عالم دین تھے، جو علم وعمل کی ایک مجسم تصویر تھے......میرے حضرتؒ بھی انہی فقید المثال لوگوں میں سے تھے کہ جن کی ساری زندگی قرآن وحدیث کی تدریس سے عبارت ہے......قریباً نصف صدی کے لگ بھگ چشمہ علوم نبوت کے ساقی رہے اور تشنگانِ علوم نبوت کو سیراب کرتے رہے۔

لاریب ولاشک میرے حضرتؒ کا شمار بھی ان گوہر پاروں میں ہے کہ دین حنیف جن کا اوڑھنا بچھونا اور شریعت متین جن کی زندگیوں کا جز ولاینفک ٹھہری۔ اللہ اکبر کبیرًا......کیسے خوش قسمت ہوتے ہیں یہ لوگ کہ جنہیں اللہ اپنے دین کی چوکیداری کیلئے منتخب فرماتا ہے......اور انہیں دین کی فہم عطا کر دیتا ہے، بخت کے کیسے بلند ہوتے ہیں یہ لوگ کہ فتنوں سے بھری دنیا سے اللہ انہیں چنتا ہے اور فتنوں کے مقابل کھڑا کر دیتا ہے......نصیب کے کیسے نرالے ہوتے ہیں یہ لوگ کہ اللہ انہیں ذلیل دُنیا کی طلب سے بچاتا ہے اور مسندِ حدیث کا محدث بنا دیتا ہے

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء

یقیناً حضرتؒ کی رحلت نہ صرف ایک عالم کی رحلت ہے، بلکہ رنگ رنگ جہاں اور بوقلمی اس کائنات کی رحلت ہے، کیونکہ مسلم ہے ''موت العالِم موت العالَم'' آہ......حضرتؒ کا مسکراتا گلاب چہرہ......روشن ومنور جبیں......دھیما اور نرم اندازِ بیان......تالو کی سلوٹوں سے پھسلتے وقفے دار حروف اور خوشنما دانتوں سے مہکتی دلنشین مسکراہٹ مجھے ابھی تک یاد ہے۔

ہائے!......سوءِ اتفاق سمجھئے یا قسمت کی محرومی کہ حضرتؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہ کر سکا،

دار العلوم مدنیہ میرا مادرِ علمی ہے......میری تعلیمی زندگی کا بڑا حصہ اس کی چار دیواری میں بند ہے۔ درجہ اعدادیہ تا درجہ سادسہ اسی مکتب کی چٹائیوں پر بیٹھ کے پڑھا اور یہ لمبا زمانہ اسی گلشن کی خوشہ چینی کرتے گزرا۔

مگر افسوس کہ ان آنکھوں سے حضرتؒ کو چلتے پھرتے......تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب میں جلوہ افروز ہوتے......اور امتحانی نتائج پر طلباء کی حوصلہ افزائی کرتے تو بار بار دیکھا......روبرو شرف تکلم اور مصافحہ بھی کئی بار نصیب ہوا۔ مگر......جانے کیوں میں چھوٹا تھا......اعدادیہ، اُولیٰ وثانیہ کا طالب علم تھا اور حضرتؒ کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کر سکا۔ ''اللھم لاتحرمنا اجرہ ولاتفتنا بعدہ، البتہ ماضی کے دھندلکوں میں مضمر ایک واقعہ حضرتؒ کی ظرافت سے وابستہ ہے۔ سو آج اُسی کا سہارا ہے مجھے...... یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں اعدادیہ کا طالب علم تھا اور اپنی عمر کے دس، گیارہ برس گزار چکا تھا۔ ہوا یوں کہ میں اپنی کلاس میں بیٹھا پڑھ رہا تھا کہ کسی کام سے مدرسہ ترتیل لبنات الاسلام بھیجنے کیلئے مجھے دورہ حدیث کی کلاس میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے روبرو طلب کیا گیا۔ بندہ ڈرتے دل سے حاضر ہوا۔ مصافحہ کے بعد سارے شرکاء دورۂ حدیث میری سمجھداری کی سند دینے لگے ''استاد جی! یہ لڑکا سمجھدار ہے۔'' حضرت الشیخؒ نے جب ان کی یہ بات سنی تو از روئے ظرافت کے جواباً ارشاد فرمایا: ''اگر سمجھدار ہے تو پھر کیا اس کا وہاں بھیجنا درست ہے؟'' حضرتؒ مسکرانے لگے اور مجلس کشت زعفران بن گئی۔

میرے مشفق ومربی والد گرامی حضرت مولانا قاری محمد صادق صاحب مدظلہ حضرت شیخؒ کے ابتدائی تلامذہ میں سے ہیں۔ گاہے بگاہے والد صاحب مدظلہ کے ساتھ حضرتؒ کے گھر پر بھی حاضری کی سعادت نصیب ہوتی رہی ہے۔ حضرت انتہائی متواضع، خوش اخلاق، ملنسار اور مہمان نواز تھے۔ جہاد اور مجاہدین سے والہانہ محبت رکھنے والے ایک مجاہد صفت انسان تھے۔ جب بھی حاضری ہوتی، واجبی گفت وشنید کے بعد مجاہدین کے حالات وواقعات پوچھنے لگتے اور بڑے انہماک سے آگہی حاصل فرماتے اور پھر مجلس کے آخر تک کلام کا موضوع جہاد ہی رہتا۔ حسبِ استطاعت مجاہدین کی مالی معاونت بھی فرماتے اور ڈھیروں دعاؤں سے بھی نوازتے۔

اللھم نور قبرہ واملاہ مغفرۃ ورحمۃً

آہ......حضرتؒ ہم سے جُدا ہوگئے۔ بجا ہے کہ اب دارالعلوم مدنیہ کے در و دیوار آہ و فغاں کریں کہ سراپا علم و عمل انکا شیخ الحدیث ان سے بچھڑ گیا...... درست ہے کہ دارالحدیث کی اینٹ نالہ و فریاد کرے کہ مسند حدیث کا صدر نشین ہی رُخ موڑ گیا......لائق ہے کہ ان کی مسند ارشاد پھوٹ پھوٹ کر رو دے کہ اب اس کی چوکھٹ سے معرفت کے چشمے نہ پھوٹ سکیں گے...... ماتم کناں مریدین حق بجانب ہیں کہ اب ان کا سا شیخ کامل نہ پاسکیں گے۔

مگر......موت تو ایک اٹل حقیقت ہے...... ہر ایک کو آنی ہے...... ہر ذی روح نے اس کی کڑواہٹ چکھنی ہے۔ مگر کامیاب ہے وہ جو اس طرح سے گزر گیا۔

اللہ تعالیٰ حضرتؒ کو کروٹ کروٹ راحت اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

مگر کیا کروں اس روگ کا کہ دل محزون یہ المیہ گنگنا رہا ہے

اک نیا گھر بسا لیا تُو نے
ہم سے دامن چھڑا لیا تُو نے

☆...... عاجزی اور احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک روز میں نے ایک خواب کی تعبیر پوچھی تو فرمایا: پہلے لوگوں کے پاس علم لدنّی ہوتا تھا، میرے پاس نہیں ہے۔ اگر اس کی تعبیر سمجھ آگئی تو بتا دوں گا۔ آپ کو اگر شوق ہے تو علامہ ابن سیرین کی ''تعبیر الرؤیا'' کا مطالعہ کرلیں۔

☆...... ایک مرتبہ عید کے موقع پر آپ نے مسئلہ بیان کیا کہ: ''عید کی نماز کے بعد ''عید ملنا'' منع ہے۔ یہ درست نہیں۔'' اس پر لوگ خاصے حیران ہوئے اور پریشان بھی، شور بھی کافی ہوا، لیکن آپ حق پر ڈٹے رہے اور فرمایا: شریعت کی رو سے مسئلہ یہی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہمارے ہاں یہ رواج بن گیا ہے کہ ایک ہی گھر سے آنے والے افراد عید کی نماز کے بعد گلے مل رہے ہوتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ ویسے اگر کوئی ساتھی مل جائے تو اس کو ملنا یا عید مبارک کہنا، اس میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

مولانا محمد مکی ماندھل......فاضل: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور

عطاء اللہ، بہاول پور

چند وابستہ یادیں

استاذِ محترم، شیخ الحدیث، پیر طریقت حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ کی رحلت اور وفات کا صدمہ اس قدر گہرا اور سخت ہے کہ مدتوں بھلائے نہیں بھولنے والا۔

بندہ ناچیز نے ''دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور'' میں درجہ متوسطہ اول سے پڑھنا شروع کیا اور اب الحمدللہ ''دورۂ حدیث'' میں پہنچ چکا ہے۔ ۹ سال حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ کی زیارت سے مستفید ہوتا رہا۔

جب صرف (اولیٰ) میں پہنچا تو کچھ خدمت کا موقع ملا، ہم روز دوپہر کو آپ کو کھانا پیش کرتے اور آپ تناول فرماتے۔ کھانا بھی اپنے گھر سے لاتے اور پانی پینے کے لیے مٹی کا پیالہ بھی آپ کا اپنا ہوتا تھا۔

اُنہی دنوں کی بات ہے کہ مدرسہ کے صحن کی ایک جانب تہہ خانے کے لیے کھدائی ہو رہی تھی، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ اس کے قریب ہی تھے، مجھے کھانا لانے کا فرمایا، میں لے آیا، کھانے سے فراغت کے بعد ہم مسجد کی طرف جانے لگا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کا پاؤں پھسل چکا ہے اور قریب تھا کہ آپ اس میں جاگرتے مگر اللہ نے آپ کی حفاظت فرمائی اور اس کے لیے اس ناچیز کو سبب بنادیا، بندہ نے آگے ہو کر سہارا دیا، اور آپ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے۔ اس روز اتنی دعائیں دی کہ شاید ہی کبھی دی ہوں۔

اس کے علاوہ جب بھی امتحان کا نتیجہ سنایا جاتا تو آپ کے ہاتھوں پوزیشن ہولڈرز میں انعامات تقسیم ہوتے، اور آپ کا بیان بھی ہوتا۔ اکثر فرماتے تھے ''عند الامتحان، یکرم الرجل او یھان''۔ اور فرماتے تھے کہ: ''جو پاس ہوگئے ہیں، بالخصوص وہ جن کی پوزیشن آئی ہے وہ ''تکبر'' نہ کریں، بلکہ اپنی محنت جاری رکھیں اور اس میں اضافہ کریں۔ اگر تکبر کریں گے تو نقصان اٹھائیں گے، ہاتھی بہت بڑا جانور ہے، لیکن اسے کوئی ذبح نہیں کرتا، اس کے مقابل بکری چھوٹی سی ہے لیکن اسے ذبح کر دیا جاتا ہے، اس لیے کہ وہ ''مَیں مَیں'' کرتی ہے، گویا اس میں ''انانیت'' پائی جاتی ہے۔ یہ تکبر کا نقصان ہے۔

اور جو فیل ہو گئے ہیں وہ ہمت نہ ہاریں، کیونکہ پاس ہونے والے اور اعلیٰ نمبر لینے والے بھی آپ ہی کے ساتھی ہیں، آپ جیسے ہیں، اب انہوں نے پوزیشن لی ہے، اگلی بار محنت کر کے آپ حاصل کریں۔

گزشتہ سال جب ہم سے اگلی کلاس والوں کی ''تقریب ختم بخاری'' تھی، ہماری ڈیوٹی اسٹیج انتظامیہ میں تھی، استاد شیخ الحدیث صاحب تشریف لائے، اس دن آپ کی طبیعت بہت ہشاش بشاش تھی، لیکن دستار بندی چونکہ آخر میں تھی، لہٰذا مولانا عبدالمجید صاحب مدظلہم کے بیان کے بعد آپ واپس تشریف لے گئے، جاتے وقت تین بار ہمیں بلایا اور مختلف باتیں کرتے رہے۔

بندہ ناچیز کے والد گرامی حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے ابتدائی شاگردوں میں سے ہیں اور یہ ناچیز آپ کے آخری شاگردوں میں سے ہے۔ ہماری کلاس کو آپ نے زندگی کا آخری سبق پڑھایا۔ جب سے ہمیں معلوم ہوا کہ آپ علیل ہیں، تب سے ہم بکثرت دُعا کرتے تھے کہ: ''یا اللہ! حضرت شیخ الحدیث سے شرف تلمّذ سے محروم نہ فرمانا۔'' الحمدللہ کہ ہماری دعائیں قبول ہوئیں اور آپ باوجود سخت علیل و کمزور ہونے کے از خود شدید اصرار فرما کر ۲۶ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ مدرسہ تشریف لائے اور ہمیں ایک سبق پڑھایا۔ بس وہ آپ کا آخری سبق تھا، اس کے بعد آپ تشریف نہ لا سکے۔ بحمداللہ آپ کے اس آخری سبق میں ''بخاری شریف'' کی عبارت پڑھنے کی سعادت بندہ کے حصہ میں آئی۔

آپ اپنی کاپی سے دیکھ کر سند پڑھ رہے تھے، اتنی سکت نہیں تھی کہ کاپی خود اٹھا سکیں، بلکہ ضعف ونقاہت اور کمزوری کا یہ عالم تھا کہ اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ عبارت پر اُنگلی رکھ سکیں۔ آواز بھی بہت نحیف تھی، سند پڑھتے پڑھتے تین سطریں مکمل کر کے چوتھی سطر پر پہنچے تو درمیان میں توقف کیا، دوبارہ پڑھنے لگے تو جو ساتھی کاپی اٹھائے بیٹھے تھے، اُن کو مغالطہ ہو گیا، انہوں نے سمجھا کہ استاد جی نے تیسری سطر میں توقف کیا تھا، لہٰذا انہوں نے وہاں انگلی رکھ دی، لیکن آپ نے جہاں توقف فرمایا تھا، وہیں سے پڑھا، اُس ساتھی نے پھر تیسری سطر پر انگلی رکھی اور عرض کیا کہ یہاں سے، مگر آپ نے وہیں سے پڑھا جہاں سے توقف کیا تھا، تین بار اس طرح ہوا، بالآخر آپ نے انتہائی مشقت سے اپنا ہاتھ اٹھا کر چوتھی سطر کے اس مقام پر رکھا جہاں آپ نے توقف کیا تھا، تب اس ساتھی کو بھی سمجھ آ گئی کہ یہاں سے ہی پڑھنا ہے۔

بس وہ آپ کی آخری بار ''دارالعلوم مدنیہ'' تشریف آوری تھی، اور آخری سبق تھا، اس کے چند روز بعد آپ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے۔

محمد طلحہ حسین

ہمارے ''شیخ الحدیث صاحب''

اللہ رب العزت بعض اشخاص کو ایسی مقبولیت عطا فرماتے ہیں کہ اُن کا وجود ہی باعث خیر و برکت سمجھا جاتا ہے، اُن کی زیارت سے آنکھوں کو سکون ملتا ہے اور دل میں ٹھنڈ پڑ جاتی ہے، انہی بزرگوں میں ہمارے ''حضرت شیخ الحدیث'' مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ بھی تھے۔ اللہ اُن کی قبر پر رحمتوں کی موسلا دھار بارش نازل فرمائے۔

آپ کے چہرے سے ذکاوت، فراست و نورانیت رِستی تھی، ہنستے تو اُن کا تبسم عجیب سی معصومیت لیے ہوتا، بہت دھیمی گفتار کے مالک تھے، حضرت بڑے اُونچے انسان تھے، عاجزی اور سادگی اُن کے نمایاں اوصاف تھے اور حق گوئی اُن کی پہچان۔ عقائد میں بلا کی مضبوطی تھی، مالک کی طرف سے علمی ذوق پایا تھا، ساری زندگی خدمتِ حدیث میں صرف کر دی۔ ''شیخ الحدیث صاحب'' تو بس ان کا نام ہی بن گیا تھا۔ افہام وتفہیم کا ملکہ قدرت نے وافر عطا کیا تھا، بڑے بڑے علماء کے استاذ تھے، یعنی استاذ الاساتذہ تھے، وجیہ اور صاحبِ وقار شخصیت تھے۔ اہل علم ہونے کے علاوہ صاحبِ نسبت صوفی اور ولی اللہ بھی تھے۔

راقم کو متعدد بار والد صاحب کے ہمراہ حضرت والا کے گھر پر نیاز حاصل کرنے کا موقع ملا، حضرت یوں تو اہلِ حق کی تمام جماعتوں کے سرپرست اور بہی خواہ تھے، لیکن اہلِ جہاد سے خاص لگاؤ تھا، حضرت والد صاحب جب بھی حاضر خدمت ہوتے تو حضرتؒ جہادِ افغانستان کے بارے میں ضرور استفسار فرماتے۔ بڑے شوق سے مجاہدین کے عملیات ساعت فرماتے، ساتھ ساتھ قیمتی نصائح سے بھی نوازتے، والد صاحب فرماتے ہیں کہ: ۹۴-۱۹۹۳ء کی بات ہے، ایک دفعہ میں حضرت کی خدمت میں موجود تھا، پوچھا: آج کل کام کیسے چل رہا ہے؟ عرض کیا: الحمدللہ کام زوروں پر ہے، آپؒ نے فرمایا:

''بعض مرتبہ کام بڑھ جاتا ہے، مگر اخلاص گھٹ جاتا ہے۔ دھیان کرنا!''

اللہ کرے برساتِ رحمت کا موسم رہے روزِ محشر تک اُن کے مرقد پر! ☆☆

حافظ محمد نوید، بہاول پور

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ

حضرت اقدس مولانا حنیف صاحب کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے، اُن کی قبر مبارک کو اپنے نور سے منور فرمائے، اُن کے درجات کو بلند و بالا فرمائے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی دین کی خدمت میں صرف کردی۔ دنیا کو چھوڑ کر دین کے راستے کو پسند کیا۔ اللہ نے ان کو بے پناہ علم سے نوازا، اور انہوں نے اس علم پر عمل کر کے بھی دکھایا۔ ان کی زندگی ہمارے لیے بے مثال نمونہ ہے۔ بے حد متقی اور پرہیز گار تھے، اصول کے پابند تھے، طبیعت میں حد درجہ نرمی تھی، دھیمے لہجے میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ فضول باتوں سے اجتناب کرتے تھے۔

میرے قریبی تعلق کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت میرے والد محترم کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ جب میں قرآن مجید پڑھتا تھا تو میرے والد محترم نے آپؒ سے عرض کیا کہ: نوید کے بارے میں اس کے استاد سے آگاہی لیا کریں، تو حضرت ہر پندرہ دن بعد میرے استاد کے پاس تشریف لاتے اور میرے بارے میں پوچھتے تھے۔ میرے والد سے کیا وعدہ پورا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ ہمیں پڑھا رہے تھے تو ایک طالب علم کو فرمایا: مدرسہ کے فون سے اس نمبر پر کال کر کے فلاں بندہ کو میرا یہ پیغام دے دو۔ اور اسے پانچ روپے کا نوٹ نکال کر دیا اور فرمایا کہ: کال کی رقم مدرسہ میں جمع کرادو! کیونکہ یہ میرا ذاتی کام ہے۔ اُس طالب علم نے کہا کہ: رہنے دیں، میں دے دوں گا۔ آپ نے انکار فرما دیا اور فرمایا: اللہ خوش رکھے۔ یہ جملہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ آپکے لہجے میں بیحد شیرینی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ ہر وقت آپ کی باتیں سنتا رہوں۔

ایک مرتبہ ڈاکٹروں نے آپ کو روزہ رکھنے سے منع کیا تو فرمایا: اب تک تو نہیں چھوڑا، اب کیسے چھوڑ دوں۔ دل نہیں مانتا۔ فرمایا: میری خواہش ہے کہ روزہ کی حالت میں موت آجائے۔

اکثر مجھے نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ: اگر کسی کا ایک روپیہ بھی دینا ہے تو دو! اور اگر لینا ہے تو لو! کیونکہ یہ اللہ کی نعمت ہے۔ دینا ہو تو لازمی دو، کہیں یہ تمہاری پکڑ کا ذریعہ نہ بن جائے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ وارفع مقام عطا فرمائے اور آپ کی قبر مبارک کو اپنے نور سے منور فرمائے۔ اور ہم سب کو آپؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ☆☆

محمد ابوبکر حیدری

شفقت ومحبت کے پیکر......حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ

آج سے سات سال قبل جب بندہ اپنے مادر علمی دار العلوم مدنیہ میں قرآن مجید یاد کرنے کی غرض سے داخل ہوا تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف رحمہ اللہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ بندہ کے والد ماجد کے استاذ تھے۔ ایک سال گردان کے بعد درس نظامی میں داخل ہو کر درجہ اولیٰ میں آگیا۔ اُسی سال حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کا انوار آباد میں گھر تعمیر ہو رہا تھا۔ ہمارے اساتذہ خدمت کے لیے ہمیں بھیجا کرتے تھے، ہم بڑے شوق سے جاتے اور وہاں جو خدمت ہوتی، کرتے تھے۔ سال بھر یہ سلسلہ جاری رہا، شعبان کی تعطیلات میں بھی بندہ مدرسہ میں ہی رہا، اور حضرت کے مکان کی تعمیر میں اپنا حصہ ڈالتا رہا، یوں اس مکان کی اول تا آخر مکمل تعمیر میں بندہ کو شرکت کی سعادت ملی۔ اس دوران حضرت رحمہ اللہ کی شفقت اور طلباء سے محبت کو بہت قریب سے دیکھا۔ ہر ہر موقع پر دعاؤں سے نوازتے، جب بھی گھر جانا ہوتا کھانے کا پوچھتے، اگر کھانا نہ کھایا ہوا ہوتا تو کھانا کھانے سے پہلے کام شروع نہ کرنے دیتے تھے۔ میں آپؒ کو آپؒ کے پرانے گھر سے انوار آباد والے زیر تعمیر مکان میں لاتا اور جب آپ فرماتے، واپس چھوڑ آتا۔ آپ نے خوب خوب دعاؤں سے نوازا۔ اکثر فرماتے: اللہ تعالیٰ آپ سے دین کا کام لے! امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپؒ کی مخلصانہ ومشفقانہ دعاؤں کو میرے حق میں ضرور قبول فرمائے گا۔

پھر دوسرے سال اپنی کاہلی کی بنا پر حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے زیادہ قریب نہ رہ سکا، ثالثہ والے سال ایک دن سائیکل پر ہسپتال کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اچانک حضرتؒ پر نگاہ پڑی جو دوائی ہاتھ میں لیے روڈ کے کنارے کھڑے تھے، میں رُکا اور پوچھا تو فرمایا: گاڑی (بس) کے انتظار میں ہوں، آئے تو گھر جاؤں۔ میں نے عرض کیا کہ میرے ساتھ چلیں! تو بخوشی قبول فرمایا: اور بندہ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ گھر چھوڑ آیا۔ جب گھر پہنچے تو کھانا کھلایا، 20 روپے بھی عنایت فرمائے۔

اُسی سال مولانا وزیر حسین صاحب موقوف علیہ میں تھے، میں اور مولانا وزیر صاحب روز دوپہر کو حضرتؒ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ الحمد للہ آپ کی خدمت کی توفیق ملی۔

لیکن ہائے افسوس! صد افسوس! کہ ہم شرفِ تلمذ سے محروم رہے۔ اس پر ہماری کلاس کے تمام احباب مغموم ورنجیدہ ہیں۔ اللهم لا تحرمنا اجره و لا تفتنا بعده۔ آمین ☆☆

حمزہ احسانی☆

استادِ محترم حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ

پہلی زیارت

2006ء...... شوال ۱۴۲۷ھ میں حضرت مولانا قاری عبید اللہ عامر مدظلہم کے ہمراہ ''دار العلوم مدنیہ، بہاول پور'' میں درجہ ثالثہ میں داخلہ کے لیے حاضر ہوا، تقریباً صبح ساڑھے سات، آٹھ بجے کا وقت تھا، دار العلوم میں داخل ہوئے تو بائیں جانب ایک پرانی طرز کے شکستہ حال برآمدے میں معمولی چارپائیوں پر انتہائی سادہ سے دو بزرگ بیٹھے دکھائی دیئے۔ شاید ناشتہ میں مصروف تھے۔ قاری عبید اللہ عامر صاحب نے تعارف کرایا تو معلوم ہوا کہ ایک دار العلوم کے مہتمم شیخ الحدیث مولانا مفتی عطاء الرحمٰن مدظلہم ہیں، اور دوسرے دار العلوم کے استاذ الحدیث حضرت مولانا رشید احمد صاحب مدظلہم ہیں۔ مصافحہ وملاقات کے بعد دوسری منزل کے مہمان خانہ میں پہنچے، تھوڑی دیر بعد ایک سفید ریش، سادہ لباس میں ملبوس نورانی چہرہ والے بزرگ مہمان خانہ میں تشریف لائے۔ قاری عبید اللہ عامر صاحب نے بتایا کہ یہ دار العلوم کے شیخ الحدیث، مولانا محمد حنیف صاحب ہیں۔ یہ استاد محترم کی پہلی زیارت تھی جو تعارف کے ساتھ ہوئی اور یادداشت میں محفوظ ہے۔ اس سے قبل شاید ''شیخ الاسلام سیمینار، بہاول پور'' کے موقع پر زیارت ہوئی ہو، لیکن اس وقت چونکہ تعارف نہیں تھا، اس لیے یاد نہیں۔

کچھ عرصہ بعد مولانا جمیل الرحمٰن عباسی صاحب کے ہمراہ استاد محترم کی مسجد میں حاضری ہوئی، مولانا عباسی صاحب نے حضرت دادا جی اور نانا جی رحمہما اللہ کے حوالے سے تعارف کرایا تو بے حد شفقت فرمائی۔

اس وقت مولانا عباسی صاحب ''جامعہ صدیقیہ'' میں مدرس تھے، استاد جی میرے بارے میں سمجھے کہ شاید یہ بھی صدیقیہ میں پڑھتا ہے، کچھ دیر بعد جب عباسی صاحب نے بتایا کہ یہ مدنیہ پڑھتا ہے تو استادِ محترم نے فرمایا: ''اچھا! یہ مدنیہ پڑھتے ہیں، میں سمجھا تھا کہ صدیقیہ پڑھتے ہیں، اور حیران تھا

☆ فاضل: دار العلوم مدنیہ، بہاول پور...... مدیر: مجلّہ صفدر گجرات......

کہ وہاں کیوں گئے؟ لیکن اس پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ نے خود بتادیا۔''

عقیدت ومحبت

اس ملاقات سے قبل مولانا عباسی صاحب موقع بموقع استادِ محترم کی دینی خدمات اور فضائل ومناقب بالخصوص مسلکی غیرت وحمیت کے واقعات سنا سنا کر انتہائی غیر محسوس طریقہ سے میرے دل میں استادِ محترم کی عقیدت ومحبت پیدا کر چکے تھے۔ اس لیے ملاقات کے بعد اس عقیدت میں اضافہ ہوا اور پھر ہوتا ہی چلا گیا۔

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہی کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی

سختی نہیں، نرمی

اس ملاقات کے دوران استاد جی نے مجھ سے پوچھا کہ: آپ کا مزاج کس پر ہے؟ دادا جی پر؟ یا نانا جی پر؟ عرض کیا کہ: بعض اعزہ اور احباب مجھے کہتے ہیں کہ: مزاجاً آپ کے بڑے بھائی نانا جی پر ہیں، جبکہ آپ دادا جی پر۔ واللہ اعلم۔ استاد جی نے فرمایا: حضرت قاضی صاحب بہت سخت تھے، مزاج میں اتنی سختی نہیں ہونی چاہیے، پھر لوگ قریب نہیں آتے۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ حضرت نانا جی رحمہ اللہ سے متعلق کسی نے استاد جی کو غلط معلومات فراہم کی ہونگی۔ ورنہ نانا جی رحمہ اللہ تو سراپا شفقت ہی شفقت تھے۔ اِس بات سے اُن کے قریبی تمام احباب بخوبی واقف ہیں۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ اگر خلاف شرع کام دیکھ لیتے یا مسلکی معاملہ درپیش ہوتا تو پھر آپ کی دینی غیرت اپنے عروج پر ہوتی تھی۔ اور یہ تو ہمارے تمام اکابر کا معمول تھا۔ خود استادِ محترم حضرت شیخ الحدیث صاحب دینی ومسلکی معاملات میں بلا خوف لومۃ لائم برملا حق کہہ دیتے تھے۔ اور یہ سعادت بحمد اللہ اکابر دیوبند کے ہی حصہ میں آئی ہے۔

ہم ایسا پھر کوئی خاک چمن سے شاذ اٹھے گا
پھرو گے ڈھونڈتے لیکن ہمیں ہرگز نہ پاؤ گے
تمہاری سر بلندی ایک دن مجبور کر دے گی
ہمارے نقش پا ہوں گے جہاں تم سر جھکاؤ گے

زمین پر جب کوئی افتاد سر اٹھائے گی
ہماری جرأتوں کی داستانیں گنگناؤ گے
ہم ایسے لوگ یارو آئے دن پیدا نہیں ہوتے
وفا کی آرزو لے کر ہمارے گیت گاؤ گے

سعادت، جو حاصل نہ ہوسکی

گزشتہ سے پیوستہ سال جب بندہ موقوف علیہ کا طالب علم تھا اور برادرِ مکرم مولانا احمد طاہر اختر صاحب بندہ سے ایک سال آگے یعنی دورہ حدیث میں تھے۔ وہ استاد جی کے خصوصی خادم تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ: استاد شیخ الحدیث صاحب کی خواہش ہے کہ استاد جی کا ''ترمذی شریف'' کا دستہ کمپوز ہوجائے۔ بندہ نے اپنی سستی، کاہلی اور غیر مستقل مزاجی کا عذر کیا، لیکن مولانا احمد طاہر صاحب کے اصرار پر اُن کی محبت اور استاد جی کی خدمت کی سعادت کا سوچ کر حامی بھر لی، اور کام شروع کر دیا۔ لیکن شاید خدا تعالیٰ کو اُس وقت منظور نہ تھا، چند دن بعد ہی استاد محترم نے ازخود کام سے روک دیا۔ ہمیں یہ بتایا گیا کہ اس میں شاید کچھ غلطیاں ہیں، استاد جی نے اس لیے روک دیا ہے، لیکن اگلے سال مجھے معلوم ہوا کہ استاد جی کو کسی نے کہہ دیا کہ اس پر بہت زیادہ رقم خرچ ہوتی ہے، تو استاد جی نے کسی پر بوجھ ڈالنا گوارا نہ فرمایا۔ اس لیے روک دیا۔

اس سے اگلے سال جب بندہ دورۂ حدیث میں تھا، استاد جی نے فالج کی وجہ سے ''ترمذی شریف'' چھوڑ دی تھی، صرف ''بخاری شریف'' جلد اول پڑھاتے تھے۔ ترمذی استاد محترم مولانا محمد صادق جمال پوری مدظلہم کے حصہ میں آئی، انہوں نے ماشاء اللہ خوب محنت، لگن اور شوق وذوق سے پڑھائی اور لکھوائی۔ بنیاد اسی دستہ کو بنایا جس سے استاد شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ پڑھاتے تھے۔ کیونکہ انہوں نے ''ترمذی شریف'' استادِ محترم رحمہ اللہ سے ہی پڑھی تھی۔ اور خوب ضبط بھی کی تھی۔

دیگر احباب کی طرح بندہ نے بھی ترمذی کی تقریر پابندی سے بالاستیعاب لکھی۔ اخیر سال میں استاذ جمال پوری مدظلہم نے خواہش ظاہر کی کہ: یہ کمپوز ہوجائے تو بہت اچھا ہے۔ بندہ نے ارادہ کرلیا۔ اور سالانہ تعطیلات میں اس کی کمپوزنگ شروع ہوگئی۔ اب الحمدللہ استاد جمال پوری صاحب روزانہ کا سبق اُس کمپوز شدہ مسودہ سے چیک فرماتے ہیں۔ اس طرح وہ تصحیح واضافہ کے مراحل سے گزر

رہا ہے۔ قارئین سے اُس کی بسہولت وبعافیت تکمیل واشاعت کے لیے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔

شرفِ تلمّذ

موقوف علیہ کا امتحان دیا تو استاذِ محترم بیمار تھے، سالانہ تعطیلات میں خاصے بیمار رہے، ہر وقت دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں ہم ''شرفِ تلمّذ'' سے محروم نہ رہ جائیں۔ بہت دعائیں کرتا رہا کہ خدا تعالیٰ استاد محترم کی زندگی دراز فرمائے۔

دورہ حدیث کا سال شروع ہوا تو خوش خبری ملی کہ استاد محترم کی طبیعت خاصی بہتر ہے اور تیزی سے آپ رُو بہ صحت ہیں۔ اسی اُمید پر دوبارہ دارالعلوم مدنیہ حاضر ہوگیا کہ ان شاء اللہ ہماری دعائیں قبول ہوچکی ہوں گی۔ استاد محترم سے ''شرفِ تلمّذ'' ضرور حاصل ہوگا۔ شدید علالت کی بنا پر سال کے ابتدائی چند دن تو آپ تشریف نہ لاسکے، لیکن پھر ہمت فرمائی اور بالآخر وہ دن بھی آپہنچا جب آپ ''بخاری شریف'' پڑھانے تشریف لائے، گاڑی سے کلاس تک وہیل چیئر پر لایا گیا، آپ کی معذوری کی وجہ سے ہم اپنی کلاس چھوڑ کر نیچے والی منزل کے ایک کمرہ میں شفٹ ہوگئے۔ اُس دن تمام احباب کی خوشی دیدنی تھی، استاد محترم بھی بہت ہشاش بشاش تھے۔ گویا درسگاہِ حدیث میں آتے ہی جان میں جان آگئی تھی۔ اس روز آپ نے ہمیں پہلا سبق پڑھایا۔

یہ شرف تو حاصل ہے بُرے ہیں یا بھلے ہیں
دو چار قدم ہم بھی تیرے ساتھ چلے ہیں

باوجود علالت، ضعف، اور بڑھاپے کے انتہائی پابندی سے تشریف لاتے، حتی الوسع کوشش ہوتی کہ ناغہ نہ ہو، اور اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے۔ سال بھر میں چند دن ہی ناغہ ہوا۔ وہ بھی آپ شدید بیمار تھے، چند دن ہسپتال بھی رہے، کبھی ڈاکٹر کے پاس چیک اپ کے لیے بھی جانا ہوتا تو آپ کی کوشش ہوتی کہ سبق پڑھا کر ہی جائیں۔

شفقت ومحبت

وقت کی پابندی اور استقامت کے علاوہ جو چیز خصوصیت سے محسوس ہوئی وہ آپ کی طلباء پر انتہائی شفقت ومہربانی تھی۔ طلباء سے بہت ہی محبت فرماتے تھے۔ اس قدر کہ بیان سے باہر ہے۔ طلباء بھی دل سے آپ کو چاہتے، اور جان نچھاور کرتے۔

☆...... سال کے اختتام پر ہماری کلاس کے ایک دو ساتھیوں نے تمام اساتذہ کی دعوت کا پروگرام بنایا۔ جب ہم استاد شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں دعوت دینے کے لیے حاضر ہوئے تو آپ نے بڑی فراخ دلی سے دعوت قبول فرمائی۔ اور مقررہ دن مقررہ وقت پر ہم آپ کو گھر سے لے آئے، ہماری دستار بندی کی تقریب والی رات پروگرام تاخیر سے ختم ہوا تھا، استاد محترم کے جلدی واپس تشریف لے جانے کی وجہ سے ہم آپ کے ہاتھوں دستار بندی کی سعادت سے محروم رہ گئے تھے، دعوت کے دن ہم آپ کو پہلے کلاس میں لے گئے، تمام ساتھیوں نے وہی پگڑیاں باندھیں اور استاد محترم سے دست برکت وشفقت سر پر پھر والیا۔ آپ نے بہت دعاؤں سے نوازا۔ الحمد للہ۔

اس سے چند دن قبل مدرسہ کے ایک استاد صاحب نے دورۂ حدیث کے طلباء اور تمام اساتذہ کی دعوت کی تھی، ہر سال وہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول ومنظور فرما کر اپنے شایان ان کو جزائے خیر نصیب فرمائے۔ آمین۔ استاد شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ نے اُن استاد صاحب سے معذرت کر لی تھی، اور ان کی دعوت پر بوجہ علالت تشریف نہیں لے گئے تھے، اب جب ہماری دعوت پر تشریف لائے تو ان استاد صاحب نے عرض کیا کہ: آپ میری دعوت پر تو نہیں تشریف لائے، آج آپ آ گئے ہیں! استاد محترم اس وقت تو خاموش رہے، بعد میں فرمایا کہ: ''اس دن طبیعت ٹھیک نہیں تھی، لیکن یہاں شرکت تو ضروری تھی ناں؟'' اس سے آپ کی طلباء پر شفقت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

باوجود شوگر، بڑھاپے، علالت اور دیگر عوارض کے رسوخ فی العلم پر ہم اکثر حیران رہ جاتے، اور بڑے دنوں تک تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ اگرچہ شوگر اور فالج کی وجہ سے حافظہ خاصا متاثر ہو چکا تھا۔ اور آخری سال میں اکثر اپنے دستہ سے دیکھ کر پڑھاتے تھے، لیکن ترجمہ وتشریح کے وقت آپ کے بحر العلوم اور ذخّار ہونے کا علم ہوتا تھا۔

جس کے گفتارِ فقاہت کا عجب اعجاز تھا   جس کے پاکیزہ عمل پر دین کو خود ناز تھا

استاد محترم اپنے سبق میں اکابر علمائے دیوبند کا نام لے لے کر اُن کا ایسا والہانہ تذکرہ فرماتے تھے کہ جی کو لُطف آ جاتا تھا۔ کبھی حضرت تھانویؒ کا، کبھی حضرت مدنیؒ کا اور کبھی دوسرے اکابر کا۔

جامعیت

''ترمذی شریف'' میں تو آپ خوب تفصیل سے کھل کر ابحاث فرماتے تھے، لیکن بیماری کی

وجہ سے آخر میں ''بخاری شریف'' میں آپ کا طرز شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ والا ہو گیا تھا، یعنی مختصر اور انتہائی جامع۔ بعض اوقات تو اتنی مختصر مگر جامع تقریر ہوتی کہ گویا وجد ہی آ جاتا تھا۔

بخاری شریف کی املائی تقریر

ہم چند ساتھیوں نے آپ سے آپ کے ''بخاری شریف'' کے دستہ کے کمپوزنگ کا پوچھا تو فرمایا: اس پر تو بہت (اس ''بہت'' کو طویل کر کے ادا کیا) پیسے لگتے ہیں، ہم نے عرض کیا، کمپیوٹر مدرسہ میں ہے، کاغذ بھی مدرسہ والے لے دیں گے، کمپوزنگ ہم خود کریں گے، کوئی خرچہ نہیں ہوگا۔ تو فرمایا: اچھا؟ مجھے تو کسی نے کہا تھا کہ کمپوزنگ پر ''بہت'' پیسے لگتے ہیں۔ ہم نے اطمینان دلایا تو فرمایا: اگر مدرسہ والے مدرسہ کے کمپیوٹر پر کام کی اجازت دے دیں تو بہت اچھی بات ہے، میں بھی چاہتا ہوں کہ کمپوز ہو جائے۔

ہم نے استاد محترم مولانا عبد الصمد مدظلہم کے ذریعہ اجازت حاصل کر کے کام شروع کر دیا۔ اگلے روز ہم نے کمپوز شدہ کاغذ استاد محترم کے سامنے رکھے تو حیرت سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ آج کا سبق کمپوز کر لیا ہے، آپ اس سے پڑھائیں، چیک بھی ہو جائے گا اور ساتھ ہی تصحیح بھی۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ: یہ آپ اپنے سامنے رکھ لیں، میں اپنی کاپی سے پڑھاتا ہوں، جہاں فرق ہو آپ تصحیح کرتے رہیں۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل   نسیم صبح تیری مہربانی......!

بندہ نے اپنے ساتھی مولانا محمد شہباز وارن صاحب کے تعاون سے کام شروع کر دیا۔ بے ڈھنگی اور مسلسل لوڈ شیڈنگ اور دیگر عوارضات کے باوجود حیرت انگیز طور پر استاد جی کی دعا کی برکت سے کام ہوتا رہا۔

کہیں اُلجھن ہوتی تو میں براہ راست پوچھ لیتا، کبھی کوئی اشکال ہوتا تو اس کا تسلی بخش جواب بھی مل جاتا۔ میرا معمول تھا کہ ''بخاری شریف'' کی دو تین شروحات کے مذکورہ مقام کے مطالعہ کے بعد دستے سے وہ مقام کمپوز کرتا۔ اگر کہیں تعارض وتقابل یا کوئی ایسی صورت ہوتی تو استاد محترم سے عرض کر کے اس کی اصلاح کر لیتا۔ ایک دن بندہ نے عرض کیا کہ: آئندہ کل کے سبق میں فلاں بات دستہ میں یوں ہے، جبکہ ''کشف الباری'' میں مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم نے ''فتح الباری'' کے حوالے سے اور طرح بیان فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ: ''تقریر بخاری شریف'' میں دیکھو! عرض کیا کہ:

''تقریر بخاری شریف'' میں بھی دیکھ چکا ہوں۔اس میں بھی ویسے ہے جیسے ''کشف الباری'' میں ہے، فرمایا: پھر اس کو اُن کے مطابق بنادو۔ دراصل میری اپنی کاپی گم ہوگئی ہے۔ یہ پچھلے سال کے کسی طالب علم کی لکھی ہوئی کاپی ہے جسے میں چیک نہیں کرسکا۔اس کے بعد مزید احتیاط سے بندہ نے تقابل شروع کردیا۔اُس دستہ میں جہاں بھی غلطی ہوتی استاذِ محترم از خوداُسے بطورِ خاص نوٹ کراکے تصحیح کراتے تھے، کہ کہیں طلباء اسے غلط ہی نہ یاد کرلیں۔

لیکن کچھ عرصہ بعد اہل مدرسہ کی جانب سے مدرسہ کے کمپیوٹر پر کام کرنے کی اجازت سلب کرلی گئی، تو ہم نے استاد محترم کو بتائے بغیر مدرسہ سے باہر ایک دوکان پر کام جاری رکھا، مگر شاید قدرت کو اس وقت منظور نہیں تھا، اس لیے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ بجلی کی زبردست لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے وہاں بھی کام ممکن نہ ہوسکا۔لہٰذا ہم نے اس کام کو وہیں روک دیا۔اس وقت تک ہم تقریباً ''کتاب العلم'' کے آخر تک پہنچ چکے تھے۔ وہاں تک استاد محترم تصحیح بھی فرماچکے تھے۔

اِس سال ہم نے پھر دوبارہ ہمت کی اور ''بخاری شریف'' کا دستہ مکمل کمپوز کرایا۔ ابتدائی حصہ کی سیٹنگ اور تصحیح وغیرہ بھی کرلی۔''کتاب الایمان'' تک فائنل اور ''کتاب العلم'' تک رف پرنٹ بھی نکال لیے۔ استاد جی کی وفات سے ایک ہفتہ قبل اس نیت سے استاد جی کی خدمت میں گیا کہ استاد جی کو خوش خبری دوں کہ الحمدللہ ''بخاری شریف'' کا دستہ مکمل کمپوز ہوچکا ہے۔لیکن اس روز آپ کو بالکل ہوش نہ تھا۔ کچھ دیر زیارت کے بعد ہم لوٹ آئے، دوبارہ حاضری سے قبل استاد محترم اللہ کو پیارے ہوچکے تھے۔ افسوس کہ کام تقریباً مکمل ہوجانے کے باوجود استاد محترم کو خوش خبری سنا کر اُن کی مزید دعائیں حاصل کرنے سے ہم محروم رہ گئے۔اے اللہ! تو استاد محترم تک یہ بات پہنچادے، تاکہ اُن کی پُرسکون رُوح مزید کیف وسرور سے سرشار ہوسکے۔آمین

ابھی جام عمر بھرا نہ تھا کفِ دستِ ساقی چھلک پڑا
رہی دل کی دل ہی میں حسرتیں، کہ نشان قضاء نے مٹا دیا

مسلک احناف ومشرب دیوبند......کی ترجمانی ودفاع

استاذِ محترم کی ایک قابل تقلید خوبی اور وصف احناف کے مسلک اور اکابر دیوبند کے ''اجماعی مشرب'' کی بھرپور ترجمانی اور دفاع بھی تھا۔ آپ متصلب حنفی اور پختہ دیوبندی تھے۔ احناف کے سچے

وکیل اور ترجمان تھے۔حتیٰ کہ مناظر اسلام مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ استاذِ محترم کے بارے فرمایا کرتے تھے کہ: اگر حنفیت کی وکالت وترجمانی کے لیے یہ میدان میں نکل آئیں تو ہمیں کوئی نہ پوچھے۔اس سے جہاں حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کی بے انتہاء عاجزی وبے حد انکساری ظاہر ہوتی ہے وہیں استاد محترم کی علوشان کا بھی خوب اظہار ہورہا ہے۔

☆...... اسی طرح پختہ دیوبندی بھی تھے۔ اکابر دیوبند کے مشرب پر بڑی سختی سے کاربند تھے۔ چنانچہ مسئلہ عصمت انبیاء ہو یا حیات انبیاء......علم غیب ہو یا حاضر وناظر......مختار کل ہو یا نور وبشر......عظمت صحابہ ہو یا عظمت اہل بیت......مشاجرات صحابہ ہو یا فسق یزید......اجتہاد وتقلید ہو یا توسل ووسیلہ...... عظمت فقہاء ہو یا استشفاع عند القبر ......تمام مسائل میں اکابر دیوبند کے پیروکار رہے۔

☆...... چنانچہ بخاری ''باب التعاون فی ابناء المسجد'' میں ''تقتلہ الفئة الباغیہ'' کے تحت فرمایا: جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی باغی وخاطی۔ اُن سے اجتہادی خطا ہوئی، لیکن چونکہ مجتہد کو اجتہادی خطا پر بھی ایک نیکی ہی ملتی ہے۔اس کی گرفت نہیں ہوتی، اس لیے ان کے بارے انگلی اٹھانا جائز نہیں۔ اہل السنة والجماعة کا یہی نظریہ ہے۔

☆...... اسی طرح دوران سبق بخاری شریف کے ''باب کیف کان بدء الوحی'' کے تحت ایک سوال کہ: ''امہات المؤمنین سے نکاح جائز کیوں نہیں؟'' کا جواب نمبر ایک یہ دیا، ''اس لیے کہ نبی زندہ ہیں، اور زندہ کی بیوی سے نکاح جائز نہیں ہوتا۔''

☆...... ایک دفعہ دوران درس فرمایا کہ: ''علم غیب'' وہ ہوتا ہے جو بغیر واسطہ اور ذریعہ کے ہو، (یعنی ذاتی ہو) اور ہر چیز کا ہو (یعنی کلی ہو)۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا علم۔ جو علم واسطہ سے ہو یا کسی کسی چیز کا ہو وہ ''علم غیب'' نہیں ہوسکتا۔

☆...... بخاری شریف کے ''باب قول اللہ، وما اوتیتم من العلم الاقلیلا'' کے تحت حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ کے حوالہ سے فرمایا: اس باب سے امام بخاری کی غرض ایک دیوبندی مسئلے کو بیان کرنا ہے۔ وہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ''عالم الغیب'' نہیں ہیں۔

☆...... بخاری شریف ''باب فضل الوضوء والغراء المحجلون من آثارالوضوء'' کے تحت

فرمایا: قیامت کے دن وضو والے اعضاء کی چمک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو پہچانیں گے۔ گویا پہچان کے لیے اعضاء کا چمکنا ''علامت'' ہوگی۔ تو ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''عالم الغیب'' اور ''حاضر وناظر'' نہیں۔ (ورنہ ''علامت'' کی ضرورت نہ ہوتی۔)

☆...... اہل علم جانتے ہیں کہ یزید کے بارے میں مختلف گروہوں کے مختلف نظریات سامنے آئے، ان سب میں صرف اکابر دیوبند کا نظریہ اور مؤقف ہی اعتدال والا ہے۔ [۱] ایک گروہ نے یزید کو ''امیر المؤمنین'' اور عادل وصالح قرار دیا۔ یہ گروہ افراط کا شکار ہوا...... [۲] ایک گروہ نے یزید پر ''لعنت'' کی، یہ تفریط کا شکار ہوا...... [۳] ایک گروہ نے یزید کے فسق کے بارے میں ''توقف'' کیا، یہ مذبذبین لوگ ہیں۔ (یاد رہے کہ اکابر اہل سنت احناف سے جو توقف ثابت ہے وہ کفر کے بارے میں ہے۔)...... [۴] ایک گروہ نے اسے کافر تو نہیں کہا، لیکن ''فاسق وفاجر'' ضرور قرار دیا۔ یہ گروہ اعتدال پر ہے۔

استادِ محترم بھی اکابر دیوبند کی پیروی میں افراط وتفریط اور تذبذب سے ہٹ کر مسلک اعتدال پر کاربند تھے اور اسے ہی حق اور درست سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرمایا: ہمارے نزدیک نہ تو یزید پر لعنت درست ہے اور نہ اسے عادل کہنا صحیح ہے اور نہ ہی وہ کافر تھا۔ بلکہ وہ فاسق وفاجر مسلمان تھا۔

فتنوں کی نشاندہی...... اور...... مدلل تردید

خداوند عالم نے ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے جو کلمہ نصیب فرمایا، بلکہ آپ سے قبل تمام انبیاء کو جو کلمہ دیا گیا اس کا پہلا جز ''سلب ونفی'' کا ہے اور دوسرا ''ایجاب واثبات'' کا۔ توحید کے اثبات کے ساتھ ساتھ شرک کی نفی اور معبود برحق کے اثبات کے ساتھ ساتھ معبودان باطلہ کا رد بھی ہے۔

حضرات اکابر دیوبند نے بھی ''اثباتی'' پہلو کے ساتھ اس ''سلبی'' پہلو کو بھی مدنظر رکھا۔ توحید کے اثبات کے ساتھ ساتھ شرک کی تردید...... سنت کے اثبات وپرچار کے ساتھ بدعت کی تردید...... عظمت ودفاع صحابہ کے ساتھ ساتھ رافضیت کی تردید...... عظمت اہل بیت کے ساتھ ساتھ خارجیت کی تردید...... عظمت فقہاء کے ساتھ ساتھ غیر مقلدیت کی تردید...... اثبات حیات انبیاء کے ساتھ ساتھ مماتیت کی تردید...... عصمت انبیاء کے ساتھ ساتھ مودودیت کی تردید...... حجیت حدیث کے بیان کے ساتھ ساتھ منکرین حدیث پرویزی طبقہ کی تردید...... تصوف وسلوک کے اثبات کے

ساتھ ساتھ نیچری ودیگر گمراہ فتنوں کی تردید...... ان کا معمول رہا ہے۔

حضرت استاد محترم بھی اپنے اکابر کی پیروی میں اسی طرز پر کام کرتے رہے۔ چنانچہ جہاں اکابر دیوبند کے مسلک ومشرب کا پرچار ودفاع کرتے تھے وہیں باطل فتنوں کی نشاندہی اور مدلل تردید بھی کرتے تھے۔

☆...... چنانچہ بخاری شریف ''باب العلم قبل القول والعلم'' کے تحت فرمایا: ''علم، تعلم (سیکھنے) سے آتا ہے، فقط مطالعہ سے علم نہیں آتا۔ البتہ تعلم سے قبل (سمجھنے میں سہولت کے لیے) مطالعہ کر لینا ٹھیک ہے۔ مشہور بات ہے کہ ایک حدیث میں ''حلق'' کا لفظ ہے بمعنی حلقہ، یعنی جمعہ کی نماز سے قبل ''حلقے'' بنا کر بیٹھنے سے ممانعت ہے۔ صرف مطالعہ کر کے بیان کرنے والے نے کہا: جمعہ سے قبل ''حلق'' کرانے (سر منڈوانے) کی ممانعت ہے۔ جنہوں نے تعلم کے بغیر علم حاصل کرنے کی کوشش کی وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ جیسے مودودی صاحب۔''

☆...... کسی نے استادِ محترم کو کہا کہ مودودی صاحب کا علم آپ سے زیادہ ہے۔ تو استاد محترم نے فرمایا: ''آپ کی بات مان لی، لیکن میں طریقہ سے بیان کر رہا ہوں۔ وہ بغیر طریقہ کے بیان کرتے رہے۔''

☆...... فرمایا: ''مودودی صاحب نے ''بیعت سلوک واحسان'' کا انکار کیا ہے، نعوذ باللہ وہ کہتے ہیں کہ: اللہ اللہ، کرنا بدعت ہے۔ ان کے نزدیک ''اللہ اللہ'' کرنا اور ''زید زید'' کرنا برابر ہے۔ حالانکہ بخاری شریف ''باب قول النبی، الدین النصیحہ'' کی حدیث جس میں: بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کے الفاظ ہیں۔ کہ آپؓ نے حضرت جریر سے بیعت لی۔ اس حدیث سے بیعت سلوک ثابت ہے۔''

☆...... ایک مرتبہ ''بخاری'' کے درس کے دوران کسی راوی کا نام بتایا ''عبدالاعلیٰ''۔ پھر مسکراتے ہوئے فرمایا: ''''عبدالاعلیٰ'' نام ہے، ''ابوالاعلیٰ'' نہیں۔ عبدالاعلیٰ نام صحیح ہے، ابوالاعلیٰ میں گڑبڑ ہے۔ کیونکہ وہ اعلیٰ کا بھی باپ ہے۔ کہتے ہیں کہ مودودی صاحب کا اصل نام ''اللہ بخش'' تھا، کیونکہ یہ دیہاتی وسادہ نام تھا، اس لیے تبدیل کر لیا۔ اور ''ابوالاعلیٰ'' رکھ لیا۔''

☆...... آپ کے ایک استاد گرامی مودودیت سے خاصے متاثر تھے، ان سے جب کوئی بات ہوتی تو آپ یہ سوچ کر خاموش نہ ہوتے کہ مدمقابل استاد ہیں، بلکہ حق بات بلا جھجک ادب واحترام سے کہہ دیتے

تھے۔ ایک مرتبہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا، آپ نے اپنے اُن استاد کے سامنے کھل کر مسلک حق کی ترجمانی کی، پھر اپنے مرشد مولانا ولی محمد صاحب رحمہ اللہ سے اس کا تذکرہ کیا تو اُنہوں نے فرمایا: ''حق بات تو کہنی پڑتی ہے ناں؟ اگر آپ نے استاد کا ادب ملحوظ رکھ کر بات کی ہے تو ٹھیک کیا ہے۔'' اور یہ نہ فرمایا کہ آپ نے غلط کیا، یا آپ کو ایسا نہ کرنا چاہیے تھا، یا آئندہ ایسا نہ کریں۔ استادِ محترم نے فرمایا کہ: اس کے بعد میں کوشش کرتا تھا کہ اس موضوع پر اُن استاد صاحب سے بات کا موقع ہی نہ بنے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی بات خلاف ادب ہو جائے۔ لیکن پھر بھی اگر بات چل پڑتی تو حق بیان کرنے سے گریز نہ فرماتے تھے۔

زندگی جس کے تصور سے جلا پاتی تھی ہائے کیا لوگ تھے جو دامِ اجل میں آئے

☆...... آپ کے ایک ہم کلاس ساتھی مولانا حفیظ الرحمٰن ربانی فرماتے ہیں:

''ہم گمانی شریف میں پڑھتے تھے۔ وہیں ایک استاد تھے جو مودودیت سے خاصے متاثر تھے، ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان استاد صاحب سے اس بارے میں گفتگو کرنی چاہیے۔ ہم نے مولانا حنیف صاحب کو آگے کیا، اور ان استاد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی آمد کا مقصد یوں بیان کیا کہ آپ ہمیں یہ فرمائیں کہ آپ دیوبندی ہیں یا مودودی؟ اگر تو آپ مودودی ہیں پھر تو ہم بات نہیں بڑھاتے، اور اگر دیوبندی ہیں تو ہم بات کریں گے۔ وہ استاد صاحب دم بخود ہو کر رہ گئے اور چند لمحوں کے لیے بالکل خاموش ہو گئے، پھر فرمایا: میں تو اکابر دیوبند کا فیض یافتہ ہوں، فلاں فلاں کا شاگرد ہوں، میں نے آگے ہو کر عرض کیا کہ: حضرت لاہوری کو آپ بھی بڑا مانتے ہیں، وہ ہمارے اکابر میں سے ہیں، انہوں نے مودودی صاحب اور ان کی جماعت کے بارے میں یہ لکھا ہے...... انہوں نے جو جواب دیا اس پر ہم سب کو خوشگوار حیرت کا جھٹکا لگا، استاد صاحب نے فرمایا: ''میں رجوع کرتا ہوں، آپ حضرات کا شکریہ کہ آپ نے مجھے اکابر کا راستہ دکھا دیا ہے۔''

مولانا حنیف صاحب اگرچہ مودودی اور اس کی جماعت کو گمراہ سمجھتے تھے، اور اس بارے میں اپنے اکابر کے پیروکار تھے، لیکن وہ خوامخواہ اساتذہ سے الجھتے نہیں تھے، اگر بات چل پڑتی اور وہ مناسب سمجھتے تو انتہائی احترام کے ساتھ حق بات کہہ دیتے تھے۔ اور بس۔ رحمہ اللہ تعالیٰ''

سینوں میں سوزِ عشق و وفا عام کر گیا تفویض جو ہوا تھا اسے، کام کر گیا

☆...... آپ کے جو استاد مودودیت سے متاثر تھے، اُن سے اکثر اکابر مباحثہ کرتے اور سمجھانے کی

کوشش کرتے رہتے تھے۔ بالآخر سب کی دعائیں اور کوششیں رنگ لائیں اور اُن کی ہدایت کا وقت آن پہنچا، ہوا یوں کہ ایک موقع پر حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ نے اپنی دستار اتار کر ان کے سر پر رکھ دی۔ اس عمل سے وہ شرمندہ ہو کر پانی پانی ہو گئے، زار و قطار رونے لگے، اور مودودیت سے توبہ تائب ہو کر ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کے نظریات کے پیروکار بن گئے۔ الحمد للہ۔

☆...... قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے خادم خاص، محترم جناب نثار معاویہ صاحب لکھتے ہیں: پہلے پہل ہماری ناقص عقل میں بھی یہ بات کھٹکتی تھی کہ اس میں کیا حرج ہے؟ کہ ہمارے حضرت (مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ) دیگر مسالک کے پروگراموں میں شریک ہو کر اپنے دلائل سے عوام کو آگاہ فرمائیں! لیکن ایک واقعہ پڑھا تو یہ حیرت دور ہوئی۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ:

''ایک مقام پر مجھے جلسہ کے سلسلہ میں دعوت دی گئی، میں مدعوین حضرات سے ناواقف تھا میں جب وہاں گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ مدعوین کا تعلق مودودی جماعت سے ہے، میں اس وجہ سے ذہنی الجھن میں مبتلا ہو گیا، بالآخر یہی سوچا کہ آج وہی مسئلہ بیان کیا جائے جس میں مودودی صاحب کا اہل حق سے اختلاف ہے، لہٰذا میں نے تقریر کے دوران ''عصمتِ انبیاء'' کے بارے میں تفصیل سے علماء حق کا مؤقف پیش کیا۔ (اس وقت مودودی صاحب کی تحریر میں صرف یہی مسئلہ باعث نزاع تھا، وہ عصمتِ انبیاء کے قائل نہ تھے، بدنام زمانہ کتاب ''خلافت و ملوکیت'' اور دیگر اختلافی مواد بعد میں منظر عام پر آیا۔ [ناقل]) دیوبند واپس آکر میں نے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کو تمام واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا: ''یہ ٹھیک ہے کہ آپ نے اپنے مؤقف کے حق میں دلائل دے کر وضاحت فرمائی ہے، لیکن یہ بات تو صرف وہاں موجود لوگوں کو معلوم ہوئی، لیکن جگہ جگہ اس جلسہ کے اشتہار میں جس میں آپ کا نام بھی ہوگا لوگوں کے دلوں میں تو یہی بات ہوگی کہ مولانا قاری محمد طیب صاحب بھی انہی کے ہم نوا ہیں، آپ کے اس عمل سے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے، اس بات کو لوگوں کے دلوں سے کون کھرچے گا؟''۔ (قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:) میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کا یہ فرمان سن کر لاجواب ہو گیا، اور سوچ لیا کہ جہاں آپ کی بصیرت اور نظر کام کرتی ہے وہاں تک ہماری رسائی نہیں ہوسکتی۔''

استاذِ محترم حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ بھی شاید اسی نظریہ سے نہ تو مودودیوں کے سٹیج پر جاتے اور نہ اُن کو اپنے سٹیج پر آنے دیتے تھے۔

عاجزی وانکساری

عاجزی وانکساری میں بھی اپنی مثال آپ تھے، بالکل ہی مٹے ہوئے تھے، ٹیپ ٹاپ اور پھوٹ پھات سے کوسوں دور رہتے تھے۔ بالکل سادہ لباس، سادہ رہن سہن، غرضیکہ مکمل طرزِ زندگی ''سادگی وعاجزی'' سے عبارت تھا۔

☆...... ایک روز میں نے کسی حدیث کے بارے میں پوچھا کہ اس سے پہلے بعض لوگ فلاں فلاں جملے کا اضافہ کرتے ہیں، کیا یہ بھی حدیث کا حصہ ہے؟ تو انتہائی عاجزی سے فرمایا: ''مجھے کیا پتہ؟ میں کوئی محدث ہوں......؟''

☆...... آپ کے تدریس کے آخری سال جب ہم آپ کے پاس پڑھتے تھے تو آپ فالج کی وجہ سے بلند آواز سے بولنے سے قاصر تھے، اس لیے اسپیکر میں پڑھاتے تھے، ایک ساتھی مائیک پکڑے رہتا تھا۔ تو آپ نے اس ساتھی کی مشقت کا خیال کرتے ہوئے فرمایا: ''تم یہ مائیک مجھے کیوں نہیں پکڑا دیتے؟'' آپ کی کوشش تھی کہ طلباء کو تکلیف نہ ہو، میں خود ہی مائیک پکڑ لیا کروں، لیکن ہم اس پر راضی نہ ہوئے۔

☆...... ''بخاری شریف'' کی ابتداء میں ''ہرقل'' والا واقعہ آیا تو استاذِ محترم نے فرمایا: ''ایک مرتبہ میں نے یہی واقعہ جمعہ میں سنا دیا تو ''بہترین تقریر'' بن گئی۔'' غرض اپنی علمیت نہ جھاڑتے تھے، بلکہ عام اور معمولی اور مشہور بات جمعہ میں بیان کرنے میں عار محسوس نہ فرماتے تھے۔

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تُو مگر کہاں؟

سفرِ آخرت:

بالآخر ہمارے مہربان ومشفق استاذِ محترم بھی اپنے ہزاروں عقیدت مندوں کو سوگوار چھوڑ کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

تازہ تمام زخم بہاروں نے کر دیئے
ہر پھول کا سوال ہے تم کیوں چلے گئے؟
ہنسنا تو خیر اپنا مقدر نہ تھا کبھی

رونا بھی اب محال ہے تم کیوں چلے گئے
حمزہؔ میں کس طرح سے اُٹھاؤں دُکھوں کے بوجھ
سارا بدن نڈھال ہے تم کیوں چلے گئے؟

عشاء کے بعد وفات کی خبر ملی، کچھ ہی دیر بعد ہم چار ساتھیوں کو حضرت مہتمم صاحب نے استاذ شیخ الحدیث صاحب کے گھر بھیج دیا، پہنچتے ہی زیارت نصیب ہوئی، چہرے پر نہایت ہی اطمینان اور سکون واضح محسوس ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد استاذ محترم مولانا محمد صادق مدظلہم کے ہمراہ غسل دینے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ فللہ الحمد۔ پھر کفن دیا گیا۔

کفن قسمت پہ نازاں ہے کہ ایسا گل عزار آیا
لحد سرمست ہے جس کو ملا ہے ایسا مستانہ

شہر بھر سے آخری زیارت کے لیے آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا، دیر تک آمد ورفت جاری رہی۔ صبح ہوتے ہی پھر سے یہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ دارالعلوم مدنیہ کے اساتذہ، طلباء استاذِ محترم کے گھر سے متصل مسجد میں قرآن پاک پڑھ رہے تھے۔ 9:50 پر جنازہ گھر سے اٹھایا گیا، تو عقیدت مند دیوانہ وار لپکے، گاڑی میں رکھا تو ہر کوئی اُسی گاڑی پر سوار ہونے کی کوشش میں نظر آیا۔ خوش قسمتی سے بندہ کو سر کی جانب جگہ مل گئی، بہاول پوری کی مرکزی عیدگاہ پہنچ کر معتقدین کو زیارت کرائی گئی، عوام الناس، طلباء، علماء، صلحاء اور مشائخ سے عیدگاہ کا دامن بھرا جا رہا تھا، 11:00 بجے جنازہ کا ٹائم مقرر کیا گیا تھا، مگر زیارت کے خواہش مندوں کی قطار طویل سے طویل تر ہوتی جا رہی تھی، جو ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی، بہت ہی سرعت سے لوگوں کو زیارت کرائی جاتی رہی، لیکن آخر کب تک، مجبوراً 11:10 چہرہ پر کپڑا ڈال کر زیارت کا سلسلہ ختم کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن کہتے ہیں کہ: عقیدت کی آنکھیں نہیں ہوتی، کا مصداق ہجوم عاشقاں کہاں قابو میں آنے والا تھا، مجبوراً چند منٹ کے لیے پھر زیارت کا سلسلہ شروع کر دیا گیا، لیکن کتنی دیر؟ آخر اس سلسلہ کو رکنا تھا، مجھے شدید ترس آ رہا تھا اُن ضعیف العمر بزرگوں، معصوم بچوں، مغموم نوجوانوں اور منتیں کرتے لوگوں پر جو بلک بلک کر التجا کر رہے تھے کہ ہم بڑی دور سے آئے ہیں، ایک لمحہ زیارت کرا دیں، حتیٰ کہ انتظامیہ کی طرف سے کچھ سختی کی گئی تو بعض لوگوں کو یہ کہتے بھی سنا گیا کہ: ہمیں تھپڑ لگا لیں، لیکن زیارت کرا دیں، ہمیں منظور ہے۔ میں بے بسی سے اُن کو دیکھتا رہا۔ ایک طرف استاذِ محترمؒ کے صاحبزادے حیرت کی تصویر بنے کھڑے تھے، شاید اُن کے گمان بھی نہیں تھا کہ ہمارے ابا جان کے جنازے کے شرکاء کے لیے عیدگاہ کا دامن بھی تنگ پڑ سکتا ہے۔ اس وقت شاید زبان حال سے کہہ رہے تھے

اے دل ہے کس خیال میں غلطاں اِدھر تو دیکھ
اِک عاشقِ رسولؐ کی شانِ سفر تو دیکھ

تقریباً 11:20 پر نمازِ جنازہ ہوئی، جنازہ کے بعد جو چارپائی کو کندھوں پر اٹھایا گیا تو انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر لپک پڑا، ہر کوئی چارپائی کو ہاتھ لگانے کا خواہش مند تھا، بہت سے اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے، اور بہت سے رہ بھی گئے ؎

یہ وجۂ اِتقاء ہے یہ ہے برکت علوم　　شاہوں کی موت کو بھی یہ ملتا نہیں ہجوم

میں حیران ہوا کہ ایک سفید ریش، ضعیف العمر بزرگ حاجی محمد شفیع صاحب مدظلہم اس بھیڑ میں بھی اول تا آخر چارپائی کا ایک پایہ تھامے رہے، دھکے بھی لگے، ہجوم میں پسنے کا موقع بھی آیا، پاؤں پر پاؤں بھی آتے رہے، ٹھوکریں بھی لگتی رہیں، لیکن زبان پر ذکر الٰہی جاری رہا اور کندھے پر چارپائی کا پایہ برقرار۔

چارپائی کو گاڑی پر رکھ کر ون یونٹ کے قبرستان پہنچایا گیا تو ہجوم عاشقاں وہاں بھی ہمراہ رہا، بالآخر اسلام کے محافظ، احناف کے پاسبان، دیوبند کے ترجمان، قاطع شرک وبدعت، جامع المعقول والمنقول، طریقت کے پیر، شریعت کے رہبر، تواضع واستقامت کے پیکر، اخلاص کے کوہِ گراں کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔

جب سے بنی یہ دنیا، لاکھوں کروڑوں آئے　　باقی رہا نہ کوئی، مٹی میں سب سمائے

بوقت تدفین بندہ ناچیز زبان حال سے کہہ رہا تھا ؎

مٹی سمجھ کر دفن نہ کرنا دوستو!　　یہ تو گنجینۂ علم وعرفاں ہے!

تدفین سے فراغت کے بعد دارالعلوم مدنیہ پہنچا تو در و دیوار سے غم واندوہ ٹپکتا محسوس ہوا، گویا استاذِ محترم جاتے ہوئے زبان حال سے فرما گئے تھے ؎

ہمارے بعد اس چمن میں ہزاروں بلبلیں ہوں گی
پھر بھی شاہین تڑپے گا، اُداس رہے گا زمانہ

حضرت استاذِ محترم تو کامیاب وکامران چلے گئے، لیکن اُداس اور غمگین تلامذہ پکار رہے ہیں

لا کہیں سے ڈھونڈ کر اے عمر! رفتہ دل وہی
مے وہی، مینا وہی، ساقی وہی، مے خانہ وہی

محمد اسامہ مجاہد☆

وہ چل بسے جنہیں عادت تھی مسکرانے کی

ہم حضرت شیخ الحدیث صاحب کے براہ راست تو شاگرد نہیں، لیکن اُن کے شاگردوں کے واسطے سے شرف تلمذ ضرور حاصل ہے۔ گزشتہ سال ہم درجہ اُولیٰ میں تھے، جب ہماری قسمت کا ستارہ چمکا اور ہمیں حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کی خدمت کے لیے منتخب کیا گیا، ہوا یُوں کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کو اُن کے گھر سے صبح ''جامعہ دارالترتیل للبنات'' والے لے آتے تھے، وہاں سے تیسرے گھنٹے کے دوران آپؒ کو جامعہ مدنیہ آنا ہوتا تھا، چوتھے گھنٹے میں آپ یہاں ''بخاری شریف'' پڑھاتے تھے، تو دارالترتیل سے دارالعلوم مدنیہ لانے کی خدمت کے لیے ہمارا انتخاب ہوا۔

دارالترتیل اور دارالعلوم مدنیہ کے درمیان فاصلہ زیادہ نہیں، صرف چند قدم کا ہے، لہٰذا ہم وہیل چیئر لے کر جاتے اور آپ کو وہاں سے لے آتے، کبھی کچھ تاخیر ہو جاتی تو وہیل چیئر بھگا کر لاتے، کیونکہ حضرت رحمہ اللہ کو یہ بہت فکر ہوتی تھی کہ وقت سے پہلے یا کم از کم وقت پر کلاس میں پہنچ جائیں، تاخیر نہ ہو۔ اور ہم سخت حیران ہوتے کہ اتنے ضعف، کبرسنی، علالت اور بڑھاپے کے باوجود سردی ہو یا گرمی، بارش ہو یا دھوپ، آندھی ہو یا لُو آپ پابندی سے مدرسہ تشریف لاتے، کبھی اتنے شدید بیمار ہوں کہ پڑھانے کی بالکل ہی ہمت نہ ہو، یا شدت مرض کی بنا پر ہسپتال داخل ہو گئے ہوں تو الگ بات ہے، ورنہ ناغہ حتی الوسع نہیں فرماتے تھے۔

آپ کی زندگی علم وسیرت اور اصلاح کے لحاظ سے ممتاز تھی، آپ کی جملہ علمی وعملی خصوصیات درحقیقت ان اکابر کی خدمت وصحبت کا نتیجہ تھا جن کی آغوشِ شفقت آپ کو میسر ہوئی۔

آپ کا علمی ذوق ہر شعبہ پر غالب تھا، نہایت قوی الاستعداد تھے اور استحضارِ علم بھی خوب تھا، زمانہ طالب علمی سے انہماک اور جانفشانی سے اپنے اسباق کی طرف ہمہ تن متوجہ رہے، تکرار یوں کراتے کہ استاد کی تقریر کا پورا پورا چربہ اتر جاتا تھا، آپ کے استاد بھی باذوق اور ذی استعداد طلباء کے

☆ متعلم: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور

نہایت قدر شناس تھے۔اسی وجہ سے آپ نے اوج ثریا کی بلندیوں کو چھولیا۔زمانہ تدریس میں خوب محنت کی، درسی کتب کامل شوق اور نہایت تحقیق سے پڑھاتے، حتی الامکان ناغہ نہ کرتے تھے۔اپنی انہی ذاتی خوبیوں اور لیاقتوں کی بناپر سارے ہی طبقہ اہل علم کے مسلم ومعتمد تھے۔

اس کے ساتھ ساتھ اپنے اکابر کے شیدائی اور اُن کا زندہ تذکرہ بھی تھے، اسلاف کا ذوق پوری طرح رچا بسا ہوا تھا۔اسی لیے مسلک دیوبند کے داعی اور ترجمان سمجھے جاتے تھے۔

تعلیم ظاہر کے ساتھ تعلیم باطن میں بھی کمال حاصل تھا، تواضع کا غیر معمولی رویہ بعض اوقات دوسرے انسان کو شرمندہ کر دیتا تھا۔اسی قابل رشک تواضع وانکساری نے آپ کو بلند سے بلند تر کر دیا۔

آپ کی دلآویز شخصیت میں آپ کے متعلقین کے لیے (عالم اسباب میں) ہر مشکل کا حل، ہر پریشانی کا علاج، ہر غم وفکر کا مداویٰ ہوتا تھا۔ہر ایک کے لیے مجسم شفقت ورحمت تھے۔ان سب خصائص کے ساتھ ساتھ صبر وضبط اور شکر کی تصویر تھے، ہمیشہ راضی برضا رہتے تھے۔زندگی بھر عوارض وامراض اور تکالیف کو قابل رشک صبر وتحمل سے برداشت کرتے رہے۔

بے انتہا شفقت فرماتے تھے، ہم بچوں سے بھی بے تکلفانہ گفتگو فرماتے تھے، اپنی امتیازی شان نہیں رکھتے تھے۔ہم وہاں ''دارالترتیل للبنات'' سے آپ سے باتیں شروع کرتے، راستہ میں باتیں کرتے آتے اور مدرسہ مدنیہ پہنچ کر چوتھا گھنٹہ شروع ہونے تک آپ کے پاس بیٹھتے اور آپ کے رس بھرے میٹھے اور پیارے مشفقانہ لہجے میں پیاری پیاری نصیحت آموز، سبق آموز باتیں سنتے رہتے تھے۔اس دوران ہم کبھی اخبار بھی سنا دیتے، آپ بڑے غور سے ملکی وعالمی حالات سے آگاہی حاصل کرتے اور اُن پر اپنا تبصرہ فرماتے تھے۔

ایک روز نماز کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: مَیں جب بیعت کے لیے گیا تھا تو میرے مرشد حضرت رائے پوری رحمہ اللہ نے فرمایا: جتنی نمازیں اور روزے آپ کے قضا ہوئے ہوں، پہلے وہ نمازیں پڑھیں اور روزے رکھیں۔تو میری اس وقت 5/6 نمازیں اور غالباً 3/4 روزے تھے جو میرے ذمہ تھے، فوراً وہ نمازیں پڑھیں اور روزے رکھے، اس کے بعد سے نماز کی پکی عادت بنالی کہ قضا ہی نہ ہو۔اسی دوران کسی پروگرام پر جانا ہوا، میں روزہ سے تھا، میزبانوں نے کھانے کے لیے اصرار کیا تو میں نے اُن کو بتایا کہ: میرا روزہ ہے۔انہوں نے کہا: نفلی روزہ ہے، توڑ دیں! تو میں نے کہا کہ: نہیں! میرا

قضا روزہ ہے، اس لیے نہیں توڑ سکتا۔

ایک سال ابتدائی کچھ دن آپؒ فالج اور دیگر عوارض کی بنا پر ''دارالترتیل للبنات'' نہ جاسکے، دارالترتیل والوں کو فکر ہوئی تو انہوں نے مولانا مسعود ازہر مدظلہم کو خط لکھا کہ: حضرت شیخ الحدیث صاحب تو بیماری کی وجہ سے نہیں آرہے، اب کیا کریں؟ تو انہوں نے فرمایا: کسی اور بزرگ استاد کو تلاش کریں۔لیکن پھر اُن کو پتہ چلا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب صحت یاب ہو رہے ہیں، تو پھر انہوں نے دارالترتیل والوں کو کہا کہ: حضرت ہی کو لے آئیں۔چنانچہ آپؒ پھر سے وہاں پڑھانے لگے۔

ایک دن ہمارے ساتھی کو فرمایا کہ: پہلے کتابوں کی کمی ہوتی تھی، میں بہاول پور کی سرکاری لائبریری سے زرضمانت جمع کرا کے وہاں سے درسی کتب لے کر مطالعہ کرتا تھا۔

ایک مرتبہ فرمایا: ایک عورت میرے پاس تعویذ لینے آگئی، میں نے اسے کہا کہ: میں تعویذ نہیں دیا کرتا مگر اُس نے اصرار کیا، میں نے انکار کیا، وہ کہنے لگی میں تو لے کر ہی جاؤں گی۔میں نے مجبوراً اسے کچھ لکھ دیا، تو پھر پیسے دینے لگی، میں نے کہا کہ: پیسے تو میں بالکل نہیں لیا کرتا، لیکن وہ پھر مُصر تھی کہ یہ بھی میں دے کر ہی جاؤں گی۔مجبور ہو کر میں نے لے لیے۔

ایک دن فرمایا: اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں، زیادہ نہیں پڑھا سکتا، پہلے تو بہت کتابیں پڑھاتا تھا، اب تو صرف ایک ہی مشکل سے پڑھاتا ہوں۔مولانا عطاء الرحمٰن صاحب [مدظلہم۔مدیر: دارالعلوم مدنیہ] نے مجھے کہا کہ: آپ پڑھائیں یا نہ پڑھائیں، آپ کو تنخواہ دی جائے گی۔میں حیران رہ گیا۔اور سوچا کہ: ایسے کیا فائدہ؟ انہوں نے تنخواہ دینی ہی ہے تو میں مفت تنخواہ کیوں لوں؟ چلو پڑھا ہی لوں۔

ایک روز مدرسہ دارالترتیل للبنات کی گاڑی بروقت نہ پہنچ سکی، تو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ ضعف وبیماری کے باوجود اپنی چار ٹانگوں والی بیساکھی کے سہارے بمشکل چلتے ہوئے خود گھر سے روانہ ہو گئے، فرماتے ہیں: ارادہ تھا کہ سڑک پر پہنچ کر رکشہ کے ذریعہ خود ہی مدرسہ پہنچ جاؤں گا۔کہ اتنے میں مدرسہ کی گاڑی آگئی۔

روزانہ پابندی سے ایک سیب ساتھ لاتے تھے، نصف تناول فرما لیتے اور نصف اپنے شاپر میں رکھ لیتے اور فرماتے: گھر جا کر کھاؤں گا۔

گزشتہ سال جب حمزہ بھائی اور اُن کے ساتھیوں کے ختم بخاری کی تقریب تھی، اس تقریب میں حکیم العصر مولانا عبدالمجید لدھیانوی مدظلہم، حمزہ بھائی کے مرشد و شیخ، پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہم......تایا جان، شیخ الحدیث مولانا عبدالقدوس خان قارن مدظلہم......اور اُن کے والد، ترجمان اہل سنت حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر مدظلہم سمیت دیگر بہت سے علماء و مشائخ تشریف لائے۔ ہمیں ناظم صاحب کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ نے استاذ شیخ الحدیث صاحب کو گھر سے لے کر آنا ہے اور واپس چھوڑ کر بھی آنا ہے۔

ہم لینے چلے گئے۔ آپؒ کو لا رہے تھے کہ مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا، آپ نے گاڑی راستے میں ہی رکوا دی، حالانکہ چند منٹ کا فاصلہ تھا، پھر مسجد شہداء پنجند میں آپ نے دیوار سے تیمّم کر کے نماز پڑھی۔ ہمیں جلدی تھی کہ جلسہ گاہ میں پہنچیں اور کچھ بیانات سُن لیں، ہم نے عرض کیا کہ: چلیں؟ تو فرمایا: اتنی جلدی کیا کروں گا؟ کچھ دیر بعد روانہ ہو کر ایک صاحب کے گھر گئے، جہاں علمائے کرام کے قیام و طعام کا انتظام تھا، باقی علماء و مشائخ بھی وہاں تھے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ کے لیے ایک الگ کمرہ مختص تھا، آپؒ اس میں تشریف فرما ہوئے، ہم آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے پوچھا کہ: اس مرتبہ ختم بخاری پر مولانا عبدالمجید صاحب کے علاوہ کون کون آ رہا ہے؟ ہم نے بتایا کہ: حمزہ بھائی کے والد صاحب، تایا جان اور اُن کی پیر صاحب آ رہے ہیں، پوچھا: اُن کے پیر کون ہیں؟ ہم نے بتایا: مولانا حبیب الرحمٰن سومرو صاحب (خلیفہ مجاز: قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ) تو فرمایا: وہ کدھر ہیں؟ ہم نے عرض کیا کہ: اُنہوں نے کل صبح عمرے پر جانا ہے، ابھی 10 بجے بہاول پور سے کراچی کی فلائٹ ہے، اس لیے اُن کا بیان مغرب کے فوراً بعد طے ہوا تھا۔ اب وہ مسجد ابوبکر صدیق ماڈل ٹاؤن سی (جلسہ گاہ) میں ہیں۔ اور اب تو شاید بیان کر کے جا چکے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: چلو! مجھے اُدھر لے چلو! اُن سے ملاقات کرنی ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ: وہ تو جا چکے ہوں گے! فرمایا: چلو! شاید ملاقات ہو جائے۔ ہم نے آپ کو لے کر جلسہ گاہ میں پہنچے، لیکن افسوس کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب بیان کر کے واپس جا چکے تھے۔

(بعد میں حضرت الاستاذ رحمہ اللہ نے مجھ ناچیز سے بھی فرمایا کہ: میں اُن کو ملنا چاہتا تھا، لیکن قسمت میں نہیں تھا۔ ورنہ مجھے جہاں ٹھہرایا گیا تھا، وہیں مولانا عبدالمجید صاحب بھی تھے۔ میں بھی اُسی

وقت جلسہ گاہ جاتا جب مولانا عبدالمجید صاحب جاتے، لیکن میں صرف مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی ملاقات کے لیے جلدی گیا، مگر پھر بھی ملاقات نہیں ہو سکی۔ بندہ نے عرض کیا کہ: استاذ جی! اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں اُن کو آپ کی خدمت میں لے آتا، ویسے بھی انہوں نے اِسی طرف سے گزر کر ائیر پورٹ جانا تھا، مجھے اگر علم ہو جاتا تو ضرور اُن کو آپ کی خدمت میں لے آتا۔ وہ بھی یقیناً آپ سے مل کر خوش ہوتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ شیخ العرب والعجم حضرت مدنی رحمہ اللہ اور راقم کے نانا جان حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ کے سلسلہ کی نسبت سے استاذ جی کو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن مدظلہم سے غائبانہ محبت تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اُن کی سچی محبت اور پیروی نصیب فرمائے۔ [خادم، حمزہ])

بالآخر جہان علم و عمل کا یہ آفتاب بھی غروب ہو گیا، جس کے علمی کمالات، باطنی تقدس، دقت نظر، وسعت مطالعہ، قوت حفظ کا شہرہ تھا، جس کی عملی زندگی اتباع شریعت و تقویٰ کا مظہر تھی۔ جو ایک قیمتی جوہر اور اسلاف دیوبند کا عظیم فرزند تھا۔ جس کی لیاقت اور قوت علمی کا اعتراف دشمن بھی کرتے ہیں۔ جس کی طبیعت میں عاجزی و فروتنی تھی، کوئی تصنع نہیں تھا۔

جب اس عاشق صادق کا جنازہ کاندھوں پہ اٹھایا گیا تو تمام لوگ نظم و ضبط کی پابندیوں کو توڑ کر پروانہ وار آگے بڑھے......وہ منظر بھی عجیب تھا......علماء صلحاء، بوڑھے اور ضعیف لوگ کاندھا دینے کے اشتیاق میں ہجوم کے اندر گھستے اور لوگوں کے دھکے کھاتے ہوئے ہجوم کے درمیان پستے ہوئے چارپائی تک پہنچتے اور کاندھا دینے کی کوشش کرتے۔ نوجوان پہنچ جاتے، کچھ باہمت بوڑھے بھی جا پہنچے، لیکن بہت سے عمر رسیدہ ایسے بھی تھے جو ہجوم کی کثرت کی بنا پر چارپائی تک نہ پہنچ سکے۔

بجھا چراغ، اُٹھی بزم، کھل کے رو اے دل!
وہ چل بسے جنہیں عادت تھی مسکرانے کی

ون یونٹ کالونی میں اہل بدعت کی ''غوثیہ مسجد'' ہے، اُن سے حضرت رحمہ اللہ کے دلائل کا جواب نہ بن پاتا تھا، تو اپنی بھڑاس نکالنے کے لیے آپؒ کو گالیاں دیتے تھے، جب آپ کو بتایا جاتا تو فرماتے: کیا ہوتا ہے؟ میرا اس سے کیا بگڑے گا؟ مشرکین نے تو اللہ کے نبی کو نہیں چھوڑا، مجھے دیتے ہیں تو کیا ہوا؟

آپؒ نے تبلیغی جماعت کے ساتھ کئی سہ روزوں کے علاوہ چلہ بھی لگایا تھا، جب آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ: تبلیغی جماعت کے ساتھ جانے والے اکثر احباب داڑھی رکھ لیتے ہیں تو بڑی کثرت سے لوگوں کو تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانے کی پُرزور ترغیب دیا کرتے تھے۔ (محمد اسلام، ون یونٹ کالونی)

مولانا جمیل الرحمٰن جمیل عباسی

حضرت والا رحمہ اللہ

علوم و اتقاء کا گلستاں تھے حضرت والاؒ — صلاح و تزکیہ کا آسماں تھے حضرت والاؒ

کھپائی زندگی ہے دین کی نشر واشاعت میں — فروغِ علم وحکمت کا نشاں تھے حضرت والاؒ

وکیلِ اہل سنت تھے، امینِ فکرِ دیوبند تھے — تبھی تو اہل بدعت پر گراں تھے حضرت والاؒ

تھے فقہِ بوحنیفہ کے فدائی بھی، محافظ بھی — ہر اک خنّاس پر تیغ وسناں تھے حضرت والاؒ

ہر اک فتنہ کی سرکوبی، ہے کی حکمت، شجاعت سے — وہاں باطل ہے کب ٹھہرا؟ جہاں تھے حضرت والاؒ

بخاریؔ، ترمذیؔ، مسلمؔ کی تقریروں کے کیا کہنے! — علومِ دیں کے بحرِ بےکراں تھے حضرت والاؒ

ہمیشہ اُن کے لب پر مسکراہٹ موجزن رہتی — سراپا حسن خلق و دُرفشاں تھے حضرت والاؒ

منور کردیا کتنے دلوں کو نورِ عرفاں سے — طریقِ معرفت پر کہکشاں تھے حضرت والاؒ

تھے مرشد بھی، مدرس بھی، محقق بھی، مناظر بھی — بہت سی خوبیوں کا گلستاں تھے حضرت والاؒ

تھے الا اللہ کی ضربوں کے شیدا، اورآخر تک — خدا کی یاد سے رطب اللساں تھے حضرت والاؒ

سید عبید اللہ شاہ بخاری

اِک بشر قدسی نما

پیکرِ صدق و صفا حضرت حنیفؒ — مردِ حق مردِ خدا حضرت حنیفؒ

متقی اور جامعِ علم و عمل — باوقار و باحیا حضرت حنیفؒ

سادگی میں سلف کی اعلیٰ مثال — عاجزی کی انتہاء حضرت حنیفؒ

خدمتِ دیں میں بسر کی زندگی — خادمِ دینِ ہدیٰ حضرت حنیفؒ

سیکڑوں عالم زمانے کو دیئے — ہم پہ ہے احساں ترا حضرت حنیفؒ

نورِ عرفاں سے منور قلب و جاں — معرفت میں حق رسا حضرت حنیفؒ

خوبصورت، خوبرو، خندہ جبیں — اِک بشر قدسی نما حضرت حنیفؒ

مولانا فضل الرحمٰن افضلؔ دھرم کوٹی

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ

مطلع مستعار ہے

باغ باقی ہے باغباں نہ رہا — اپنے پھولوں کا پاسباں نہ رہا
کارواں تو رواں رہے گا مگر — ہائے میرِ کارواں نہ رہا
جامعہ مدنیہ تو ہے۔۔ قائم — اس کا شیخ معلّماں نہ رہا!
جس کو شیخ الحدیث کہتے تھے — علم کا وہ گلستاں نہ رہا
جس سے تھی مدنیہ کی تابانی — وہ دیا اب ضوفشاں نہ رہا
باغ علمِ نبی ہے پژمردہ — کیونکہ اس کا وہ باغباں نہ رہا
سب سے کٹ کر وہ بن گیا تھا حنیف — رہ گزارِ رہِ جناں نہ رہا
دل نہ جس نے لگایا دنیا میں — ابنِ ادھم کا ہم عناں نہ رہا
ذکر و فکرِ خدا کا تھا شاغل — سحر دم کا وہ سبحہ خواں نہ رہا
وہ تھا جانِ جہانِ درویشی — صوفیا کا وہ ترجماں نہ رہا
ذاتِ مولا کی آگہی جس کو — معرفت کا وہ نکتہ داں نہ رہا
جس کو مل کے سکون ملتا تھا — راحتِ روح، سکونِ جاں نہ رہا
رائے پور کی مے کا جرعہ نوش — میکدے کا شہِ مغاں نہ رہا
کس سے باتیں سلوک کی میں کروں — میرا کوئی بھی ہم زباں نہ رہا
مسئلہ وحدتِ وجود و شہود — کیا بیاں ہو رازداں نہ رہا
کرتا تھا جو ریاضتیں بے حد — راہِ حق میں وہ اب جواں نہ رہا

افضلِ مبتلا بھی ہے محزوں
اس کا دلدار و دلستاں نہ رہا

شیخ الحدیث مولانا محمد نواز سیال مدظلہم

ابرِ رحمت

برادرم مکرم حضرت مولانا محمد حنیف صاحبؒ، شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ بہاولپور ہمارے مادرِ علمی جامعہ دارالعلوم کبیر والا کے قدیم فاضل ہیں۔ علوم نبوت کو اپنے اساتذہ سے حاصل کرنے کے بعد انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی حیات مستعار کی تقریباً 51 بہاریں علوم وحی کی اشاعت اور احیائے دین کی فکر میں گزار کر 25 ذوالعقدہ 1433ھ بمطابق 12 اکتوبر 2012ء کو سینکڑوں شاگردوں اور عقیدت مندوں کو چھوڑتے ہوئے داعی اجل کو لبیک کہا۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی تمام کاوشوں کو قبول فرمائے اور انہیں مزید بلندیٔ درجات کا ذریعہ بنائے۔

قحط الرجال کے اس پرفتن دور میں حضرت مولانا کا وجود اپنے شاگردوں اور متوسلین کے لیے کسی ابر رحمت سے کم نہ تھا۔ حضرت مولانا کی وفات سے مسند تدریس ایک مشفق و مربی کے ساتھ کہنہ مشق استاذ سے محروم ہوگئی ہے۔ ہم پسماندگان اور اہل ادارہ کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت کے پسماندگان اور لواحقین کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین ﷺ

محمد نواز

مدیر جامعہ قادریہ حنفیہ ملتان

سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ رحیمیہ

الٰہی بحرمۃ حضرت مولانا محمد حنیف قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت مولانا ولی محمد قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت مولانا عبدالعزیز رائے پوری قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شاہ عبدالرحیم شہید ولایتی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شاہ عبدالباری امروہی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شاہ عبدالہادی امروہی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شاہ عضدالدین امروہی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شاہ محمد مکی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شیخ محبّ اللہ الٰہ آبادی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شیخ ابوسعید گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شیخ نظام الدی بلخی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شیخ محمد رودولوی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شیخ عارف رودولوی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شیخ احمد عبدالحق رودولوی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء پانی پتی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت مخدوم علاءالدین علی احمد صابر قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت حاجی شریف زندنی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ ابویوسف چشتی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ ابومحمد محترم چشتی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ ابواحمد ابدال چشتی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ ابواسحاق شامی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ ابوہبیرہ بصری قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت سلطان ابراہیم ادھم بلخی قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ فضیل بن عیاض قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت خوجاہ عبدالواحد بن زید قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت خواجہ حسن بصری قدس اللہ سرہٗ العزیز

الٰہی بحرمۃ حضرت امیر المؤمنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ

الٰہی بحرمۃ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین حضرۃ

سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم

جنازے کے اہم شرکاء

شیخ الحدیث مولانا مفتی ارشاد احمد کبیر والا، شیخ الحدیث مولانا زبیر صدیقی شجاع آباد، مولانا مفتی عبدالستار خان پور، مولانا مفتی محمد اسماعیل احمد پور، مولانا عبدالرحمٰن درخواستی جامعہ مخزن العلوم خان پور، مولانا حاجی احمد گمانی شریف، قاری محمد یاسین جامعہ ابوہریرہ میلسی، قاری محمد احمد، مولانا شیخ حبیب احمد، مولانا منیر احمد منور کہروڑ پکا، مولانا عبدالرحمٰن جامی خیر پور، مفتی ارشاد الحق خیر پور، مولانا محمد میاں لودھراں، مولانا مفتی ظفر اقبال کہروڑ پکا۔

بہاول پور کے علماء میں سے حضرت مولانا محمد احمد بہاول پوری، مولانا فضل الرحمٰن دھرم کوٹی، قاری غلام یاسین صدیقی، مولانا عبدالرزاق، قاری محمد صادق، مولانا شمس الدین انصاری، مولانا محمد اسحاق ساقی، اور معززین شہر میں سے میاں محمد بلیغ الرحمٰن ایم این اے، سمیع اللہ چودھری و دیگر جنازہ میں شریک تھے۔

تعزیت کے لیے تشریف لانے والے

شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانوی، مولانا شبیر الحق کشمیری [استاذ الحدیث: خیر المدارس، ملتان] شیخ الحدیث مولانا محمود میاں [مدیر: جامعہ مدنیہ، لاہور]،

بذریعہ خط یا فون تعزیت کرنے والے

شیخ التفسیر والحدیث مولانا منظور احمد نعمانی، شیخ الحدیث مولانا محمد نواز سیال، شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی، قاضی محمد اسرائیل گڑنگی، مولانا نور محمد تونسوی، مولانا مفتی محمد انور اوکاڑوی،